اُردو شاعری میں نعت

ابتداء سے عہد محسن تک

طالب دعا: ابو المیزاب ملا اویسی

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری

www.sabih-rehmani.com/books
www.fb.com/Naat.Research.Centre

اردو شاعری میں

نعت

(ابتدا سے عہد محسن تک)

(جلد اول)

مصنفہ:

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری

(ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی)

© ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری

URDU SHAIRI MEIN

NAAT VOL I

Phd Thesis by

Dr. MD Ismail Azad

Edition 1992

Price Rs.100/-

قیمت

سو روپے

ناشر:- ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری

تقسیم کار:

نسیم بک ڈپو۔ ۲۵، جی بی مارگ، لکھنؤ ۲۶۰۰۱۸

باہتمام نہیم انہولوی بار اول ۱۹۹۲ء مطبع ندائے حق پریس لکھنؤ

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی اتر پردیش
کے مالی تعاون سے شایع ہوئی

تفصیل موضوعات

۱ فہرست عنوانات

۲

۲ حرف آغاز

۳ پہلا باب ، اردو میں نعت گوئی کا آغاز

۴ دوسرا باب ، دکن میں نعت گوئی

۵ تیسرا باب ، شمالی ہند کی نعتیہ شاعری
ابتدا سے حالی تک

پہلا باب

اردو میں نعت گوئی کا آغاز ۲۲

۱ اردو زبان کی پیدائش ـــــ وجوہ و اسباب

۲ اردو نعت پر عربی و فارسی کے اثرات، وجوہ و اسباب

۳ اردو پر صوفیائے کرام کے احسانات، ہندکی، ہندوی
ہندی، ریختہ، اردوئے معلیٰ، اردو، دکنی، ہندوستانی

مختلف نام

۴ اردو کا پہلا شاعر ـــــ پہلا نعت گو ـــــ ملّا داؤد

۵ فخر دین نظامی

۶ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

۷ شاہ اشرف، سید اشرف بیابانی، خوب محمد چشتی

۸ محمد قلی قطب شاہ، وجہی، معظم، بلاقی، عالم، احمد
مختار، سید احمد، فتاحی، نصرتی، ہاشمی

۹ ولی، سراج، عبدالمحد ترین، عثمان

۱۰ شفیق، شاہ ابوالحسن قرلی، علی بخش دریا، ولی دیلوری

۱۱ فدوی، مفتوں، شیر محمد خان، ایمان، عزالدین خاں
خواجہ فیاض الدین بندہ، خواجہ معین الدین شاہ موش
خواجہ عبداللہ خاں خیر، محمد حیات خاں میسوری، فیاض الدین خاں ادب
شیخ محمود علی، ناظم، حاجی اعظم علی شائق خطیب مدراسی، سیٹھ محمد اسماعیل مغموم

غلام مصطفےٰ راسخ، معلی، منشی محمد شمس الدین، امیر حمزہ، مکھن لال

۱۲ دکن میں نعت کا ارتقاء

۱۳ شمالی ہند میں نعت

۱۴ میر تقی میر، سودا، نظیر، کرامت علی، شہیدی،
مومن، لطف، شہید، انشا، محسن،

۱۵ امیر مینائی، حالی

۱۶ شبلی، اکبر داناپوری، بینظیر شاہ وارثی
اکبر الہ آبادی، آسی، احمد رضا خاں، ابرار

۱۷ سید واحد علی وحید، نظم طباطبائی۔ عزیز لکھنوی
اقبال

۱۸ ظفر علی خاں، اصغر، حسرت، امجد، جگر
ہری چند اختر

۱۹ تلوک چند، عرش ملسیانی، امر چند قیس
منور لکھنوی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر
فراق گورکھپوری، جگناتھ آزاد، دلورام کوثری

۲۰ اکبر میرٹھی، اقبال سہیل، محمد ہادی، حفیظ جالندھری
حمید صدیقی بہزاد لکھنوی، بیکل اتساہی، شارق ایرانی

۲۱ فنا نظامی، عمر انصاری، زاہدہ خاتون، نور جہاں بیگم، انیسہ ہارون
رسول جہاں، محمودہ خاتون، ضیاء القادری، ماہر القادری
محشر رسول نگری، عبدالکریم ثمر، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی
اعظم چشتی

دوسرا باب

	دکن میں نعت گوئی	۶۸
۱	تمہید دکنی شاعری میں نعتیہ عناصر کے وجوہ واسباب	
۲	خواجہ بندہ نواز گیسو دراز	۷۳
۳	سید محمد اکبر حسینی	۷۶
۴	فخر دین نظامی	۷۷
۵	صدر الدین	۸۱
۶	میراں جی شمس العشاق	۸۳
۷	خوب محمد چشتی	۹۰
۸	عبد الملک بھرو چی	۹۲
۹	محمد قلی قطب شاہ	۹۴
۱۰	عبدل	۱۰۲
۱۱	شاہی	۱۰۴
۱۲	نصرتی	۱۰۶
۱۳	سید میراں خاں ہاشمی	۱۱۰
۱۴	ملا وجہی	۱۱۳
۱۵	عبد اللہ قطب شاہ	۱۱۵
۱۶	غواصی	۱۲۰
۱۷	احمد	۱۲۲
۱۸	بلاقی	۱۲۴

۱۹	عبد اللطیف	〃
۲۰	عالم گجراتی	〃
۲۱	معظم	〃
۲۲	مختار	۱۳۱
۲۳	طبعی	۱۳۵
۲۴	ابن نشاطی	۱۳۶
۲۵	فتاحی	۱۳۹
۲۶	قدرتی	۱۴۳
	—	
۲۷	ولی	۱۴۴
۲۸	سراج اورنگ آبادی	۱۵۲
۲۹	عبد المحمد ترین	۱۵۶
۳۰	نوازش علی شیدا	۱۵۷
۳۱	مولانا باقر آگاہ	۱۶۳
۳۲	اعظم علی شائق	۱۷۳
۳۳	صحہ ابو المعالی	۱۸۰
۳۴	منشی محمد شمس الدین حمزہ	۱۸۳
۳۵	معلی	۱۸۷
۳۶	مولوی سید احمد حسین امجد	۱۹۴
۳۷	سید افضل شاہ خاں طوفان	۲۰۴
۳۸	حسرت حیدر آبادی	۲۰۸
۳۹	حافظ جلیل حسن جلیل	۲۱۵

۴۲۲۰	انیس	۲۲۳
۴۲۲۱	نوشابہ خاتون	۲۲۶
۴۲۲۲	محترمہ تہنیت النساء بیگم	۲۲۹

تیسرا باب

شمالی ہند کی نعتیہ شاعری ابتدا سے عہد محسن تک ۲۳۳

۱۔	نعت گوئی سودا سے قبل	۲۳۶
۱	ملا داؤد	۲۳۵
۲	ملک محمد جائسی	۲۳۶
۳	ولی	۲۴۱
۲۔	سودا کا دور	۲۴۲-۲۵۷
۱	سودا	"
۲	میر تقی میر	"
۳	قائم چاندپوری	۲۵۸
۳۔	انشا و مصحفی کا عہد	۲۶۴-۲۶۸
۱	میر حسن	"
۲	انشا	"
۳	مصحفی	"
۴	نظیر اکبر آبادی	"
۵	سعادت یار خاں رنگین	"
۶	میر نظام الدین ممنون	"

۷	شاہ رؤف	"
۵	ناسخ کا دور :	۲۷۹-۲۸۵
۱	تمہید و خصوصیات	"
۲	ناسخ	"
۳	انیس	"
۴	دبیر	"
۵	خواجہ وزیر	"
۵۔	مومن کا عہد	"
۱	خصوصیات عہد	۲۸۶
۲	مفتی صدرالدین آزردہ	۲۸۷
۳	ذوق	۲۸۸
۴	مذاق بدایونی	۲۸۹
۵	ظفر	۲۹۲
۶	اسمٰعیل شہید	۲۹۳
۷	حکیم مومن خاں مومن	۲۹۴
۸	مرزا علی بیگ نازنین	۳۰۸
۹	غلام امام شہید	۳۱۱
۱۰	شہیدی	۳۱۸
۱۱	لطف	۳۲۴
۱۲	کافی	۲۴۰
۶۔	امیر، داغ و محسن کاکوروی کا دور	
۱	خصوصیات	۳۴۵

۲	مولانا محمد یعقوب نافوقوی	۳۴۸
۳	امیر مینائی	۳۵۱
۴	محسن کاکوروی	۳۷۲
۵	منیر شکوہ آبادی	۴۲۳

حرفِ آغاز

اس تحقیقی مقالہ کا موضوع "اردو شاعری میں نعت ہے"۔ نعت اردو کی مشہور صنفِ سخن ہے۔ اردو کی ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر بڑے شاعر نے اس پر کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہے۔ مگر ابھی تک ان کارناموں کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا۔ بعض مضامین ضرور ملتے ہیں لیکن ان میں موضوع کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ اب تک اس موضوع پر صرف تین کتابیں معرضِ وجود میں آئی ہیں۔

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتحپوری جو ایکسو صفحات پر محیط ہے۔

۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتحپوری جس میں دو سو آٹھ صفحات ہیں ایک سو اٹھارہ صفحات تک نعت اور نعت گو شعراء پر تبصرہ ہے اور بقیہ میں تبرکات کے عنوان سے نعتوں کا انتخاب ہے۔

۳۔ اردو میں نعتیہ شاعری از ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق جو چھ سو چوراسی صفحات پر مشتمل ہے۔

مذکورہ السبق مطبوعات میں اصنافِ نعت کا تنقیدی تجزیہ نہیں کیا گیا اور نعت کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں اس مقالہ میں اس نقطۂ نظر کی وضاحت ملے گی کہ ہر چند یہ موضوع مذہبیات کے دائرے میں آتا ہے مگر ہمارے شعراء نے اسکو ادبی موضوع بنا دیا ہے۔ اس لئے اس کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ نعت گوئی عربی و فارسی نعت گوئی سے کیوں اور کس حد تک متاثر ہے۔

اخبار و رسائل کی وساطت سے یہ آگاہی ہوئی ہے کہ اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک تحقیقی مقالہ پاکستان میں ۱۹۸۲ء میں ڈاکٹر ریاض الحق طاہر سے اردو نعت کے عنوان سے ڈاکٹر وحید قریشی کی زیرِ نگرانی پنجاب یونیورسٹی

اورنٹیل کالج لاہور[1] سے اور دوسرا ہندوستان میں ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر شاہ محمد شاد عثمانی لکچرر شعبۂ اردو کرسن کالج جمشید پور نے "اردو شاعری میں نعت گوئی" کے عنوان سے ڈاکٹر وہاب اشرفی کی زیر نگرانی رانچی یونیورسٹی[2] سے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں یہ دونوں مقالہ سعی بسیار کے باوجود راقم السطور کو نظر نواز نہیں ہو سکے۔ اس لئے ان کی بابت خامہ فرسائی کرنا راقم کی دسترس سے باہر ہو گیا۔ اس مقالہ میں عربی و فارسی کی نعت گوئی پر بطور پس منظر کچھ نہیں لکھا گیا۔ نعت کی لغوی و اصطلاحی تشریح اور اس کی تحقیق و تنقید اور اس کا تعارف بھی نہیں پیش کیا گیا۔ کیونکہ ان موضوعات پر راقم کا مبسوط[3] مقالہ "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" (عربی و فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ) دسمبر ۱۹۸۸ء میں فائن آفسٹ ورکس الہ آباد سے طبع ہو چکا ہے۔

زیر نظر مقالہ سات ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب کا عنوان "اردو میں نعت گوئی کا آغاز" ہے۔ اس باب میں ہند و عرب کے روابط مذہب و اسلام کے آغاز سے بحث تلاش کئے گئے ہیں۔ اردو زبان کی آفرینش اور اس کے اسباب و علل کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اردو کی ترویج میں صوفیائے کرام کے کارناموں سے بحث کی گئی ہے اور اس امر کا انکشاف کیا گیا ہے کہ اردو کے پہلے شاعر شمالی ہند کے رائے بریلی ضلع میں واقع ڈلمؤ کے رہنے والے ملا داؤد ہیں اور یہی اردو کے پہلے نعت گو بھی ہیں جنھوں نے مثنوی "چندائن" میں ایک بند نعت کا لکھا ہے۔

دوسرے باب میں "دکن میں نعت گوئی" کے عنوان سے دکن میں اردو کی ترویج اور اس کے اسباب و علل پر بحث کی گئی ہے دلی کے بعد شمال و جنوب کو ایک نہیں کر

---

[1] ۔ ہماری زبان ۲۲ فروری ۱۹۸۳ء ص ۲ کالم ۲ ہفتہ وار اخبار انجمن ترقی اردو ہند دہلی۔
[2] ۔ ماہنامہ کتاب نما دسمبر ۱۹۸۷ء جلد ۲۷ شمارہ ۱۲ ص ۵/۸ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔
[3] ۔ یہ مقالہ ۴۴ صفحات کو محیط ہے اور دسمبر ۱۹۸۸ء میں طباعت پزیر ہو چکا ہے۔ راقم!۔

دیا گیا۔ بلکہ لسانیاتی، مقصدانی، موضوعاتی[15]، مقامی و ماحولی فرق کی بنیاد پر دکن کے آج تک کے نعت گو شعراء کو اسی باب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس باب میں دکن کے اکتالیس نمائندہ شعراء اور ان کے نعتیہ کلام کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اس امر کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ شمالی ہند میں نعت کا ارتقائی سفر انہی اساسی عناصر پر چلتا رہا۔ جن پر دکن کے شعرائے نعت خامہ فرسائی کر چکے تھے۔

شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کو طوالت کی وجہ سے دو بابوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ تیسرے باب کا عنوان "نعتیہ شاعری ابتدا سے عہد محسن تک" ہے۔ مقدم الذکر باب چھ ادوار میں منقسم ہیں "نعت گوئی سودا سے قبل" "سودا کا دور" "انشا مصحفی کا عہد" "ناسخ کا دور" موخر الذکر باب تین میں تقسیم کیا گیا ہے "حالی کا عہد" — "دور جدید" اور "عصر عناصر" ہر دور کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات کی وضاحت کے بعد اس دور کے نمائندہ شعراء کے مختصر تعارف کے ساتھ ان کی نعتیہ شاعری پر اس طرح بحث کی گئی ہے کہ اردو نعت کے امتیازی اوصاف واضح ہو جائیں۔ ہر شاعر کی نعتیہ خصوصیات کی وضاحت دانی و عمومی ماحول کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ اور بطور شہادت نعتیہ سرمایہ سے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ ہر شاعر کے نعتیہ سرمایہ کی نشاندہی کے ساتھ اس کا تفصیلی جائزہ — کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے لیا گیا ہے اور ملکی اثرات بھی تلاش کئے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ شمالی ہند کی نعتیہ شاعری کا کوئی اہم نمائندہ شاعر چھوٹنے نہ پائے کئی ایسے شعراء کی نشاندہی کی گئی ہے جنھوں نے نعت کے میدان میں قابل ذکر کارنامے انجام دیئے ہیں۔ لیکن اردو زبان ادب کے تذکروں و تاریخوں میں ان کے نام تک محفوظ نہیں ہیں۔

پانچویں باب میں ہندوستان کے ان غیر مسلم شعراء کو موضوع سخن بنایا گیا جنھوں نے امت محمدیہ سے منسلک نہ ہوتے ہوئے بھی منبع نعت کا ذکر خیر اور آپ کے آفاقی و کائناتی انعامات و اکرامات

تذکرہ کیا ہے۔ اور منبع نعت کی بابت اپنے موضوعات و معتقدات کو شعری پیرایہ بیان میں منکشف کیا ہے اس باب میں سب سے پہلے ۔۔ ہندوستان کی قدیم مذہبی کتابوں رگ وید اور اتھر وید کی ان سوکتیوں کانڈوں اور منتروں کو دیکھا گیا ہے جن میں نبی آخر الزماں کی پیشین گوئیاں مندرج ہیں اور پھر قرآن و حدیث اور روایات صحیحہ کی روشنی میں ان کی تطبیق محمد ای صلعم سے کی گئی ہے۔ ویدوں میں نبی صلعم کی نعت اقدس اسم گرامی "محمدؐ" کے تعین کے ساتھ مرقوم ہے عربی لفظ محمدؐ کا سنسکرت متبادل نراشنس ہے بودھ مذہب کی کتابوں میں سے ان حصوں پر بحث کی گئی ہے جن میں منبع نعت کا ذکر خیر ہے۔ زیر نظر باب میں ان بتیس ۳۲ ہندو شعرائے نعت کا تعارف کرایا گیا ہے۔ جن کا نعتیہ کلام خاصہ وقیع ہے۔ یہ باب میرے تحقیقی مقالہ کا جزو نہ تھا۔ بعد میں بڑھایا گیا ہے۔ اس مقالہ میں انہی مشاہیر شعرائے نعت کو شامل کیا گیا ہے، جنھوں نے خاص طور پر نعت کو موضوع سخن بنایا ہے اور جن کا اپنا منفرد رنگ ہے۔

چھٹے باب کا عنوان مختلف اصناف سخن میں نعت گوئی، اس باب میں اردو شاعری کی موضوعاتی و ہیئتی تقسیم کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ نعت شاعری کی موضوعاتی تقسیم کے تحت آتی ہے۔ اور ہیئت کے کے اعتبار سے اردو کی شاعری کی حمد، مرثیہ، اصناف و ہیئات سخن میں کہی گئی ہے۔ ہر صنف اور ہر ہیئت کے نمائندہ شاعروں کے نام لکھ دیئے گئے ہیں۔ کارناموں سے بحث اس لئے نہیں کی گئی کیونکہ یہ کام ان شعرائے کرام پر تبصرہ کرتے وقت متعلقہ ابواب میں کیا گیا ہے اسی باب میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ٹھمری دادرہ گیت اور ترانے کے بولوں میں کبھی کبھی نعت کہی گئی ہے

ساتویں باب میں نعت کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے۔ اور اردو ادب میں اس کے مقام کا تعین اور اس کی قدر و قیمت کی توضیح عطیات و اضافات کی روشنی میں کی گئی ہے۔

اس طور پر مقالہ میں نعتیہ مضامین کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور تحقیق کی گئی ہے کہ مقدس ویدوں میں سے رگ وید اور اتھر وید میں نعت سے متعلق کئی منتر ملتے ہیں۔ مہاتما گوتم بدھ نے بھی منبع نعت کی بابت بہت سی ۔۔ پیشین گوئیاں کرتے ہوئے نبی صلعم کی نعت کہی ہے۔ شاعروں کے نعتیہ کلام پر تبصرہ کے درمیان اس امر کی بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ کہ نعت کے کس مضمون کے کس شاعر کو اولیت کا فخر حاصل ہے۔ شاعروں کے نعتیہ سرمایہ پر روشنی ڈالتے ہوئے مقامی و ماحولی عناصر کی تلاش بھی کی گئی ہے۔ اور ہندو نعت گو شعراء اور مشہور نعت گو خواتین کو بھی اس مقالہ میں مناسب جگہ دی گئی ہے۔ ہندوستان کی اوتار وادی ذہنیت اور اردو نعت میں ہندوستانی ضمیات کے اثرات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ نعتیہ شاعری میں ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور ہندوانہ اساطیر و مزعومات کی نشاندہی کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ نعت کے غیر مسلم شعراء نے عبد والہ کے درمیان کے ان پردوں کو بھی ہٹا دیا، جو مسلم شعرائے نعت نے برائے نام ڈال رکھے تھے۔ اور احمد بلا میم یا احمد با لیم با عرب بغیر عین والی بات بھی ختم کر دی۔ اسی کے ساتھ نعت میں اوتار وادی ذہنیت کی عکاسی بھی کی گئی ہے۔

جس طرح "نعتیہ شاعری کا ارتقاء" میں عربی فارسی زبانوں میں پہلے نعت گو کا تعین شواہد و براہین کی روشنی میں کیا گیا ہے، اسی طرح اس مقالہ میں بھی اردو زبان و ادب میں پہلے نعت گو کی تلاش کی گئی ہے۔ اور اس کا تعین کیا گیا ہے۔ ابھی تک اردو کی ابتدا دکن میں بتلائی جاتی تھی۔ اور اردو کا پہلا مصنف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو مانا جاتا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے فخر دین نظامی کی تصنیف "کدم راؤ پدم راؤ" کو اردو کی پہلی تصنیف بتلاتے

ہوئے لکھا ہے۔

"جب تک کوئی اور تصنیف سامنے نہ آجائے اولیت کے
تخت سلطنت پر کدم راؤ پدم راؤ کی حکمرانی رہے گی"

اس مقالہ میں ملّا اوجد کی مثنوی "چندائن" کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا گیا ہے کہ "چندائن" اردو کی پہلی تصنیف ہے۔ کدم راؤ پدم راؤ ۸۲۵ھ اور ۸۳۹ھ کے درمیان لکھی گئی۔ جبکہ "چندائن" بعہد فیروز شاہ تغلق ۷۵۱ھ میں پایہ تکمیل کو پہونچ چکی تھی۔ اس کے سات دستیاب مخطوطات میں سے چار عربی رسم الخط میں اور بقیہ تین فارسی رسم الخط میں ہیں۔ اس کے سبھی عنوانات فارسی زبان میں ہیں۔ اس طور پر اس مقالہ میں پہلی بار اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ کہ اردو کی پہلی تصنیف کا تعلق شمالی ہند سے ہے اور اردو کا پہلا شاعر دکن کا نہیں بلکہ شمالی ہند کا باشندہ ہے۔

عالی جناب ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی نوازشیں راقم پر بے کراں ہیں۔ وہ انتخاب موضوع کے مرحلہ سے لے کر آج تک مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں۔ اور میری خاطر زحمتیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔ راقم کو ان کی شاگردی پر بجا طور پر ناز ہے۔ اور راقم اپنے اس عظیم کرم فرما کا تہہ دل سے ممنون ہے۔

راقم محترمی و مکرمی پروفیسر سید شبیہ الحسن صاحب کا بیحد شکر گذار ہے۔ موصوف نے مواد کی فراہمی اور نشاندہی میں گرانمایہ رہنمائی کی ہے۔

مکرم و معظم استاد مرحوم ڈاکٹر محمد شکیل صدیقی کی نگرانی میں یہ مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے۔ مرحوم راقم سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور اس کے لئے ہر قسم کی پریشانیاں برداشت کر کے اس کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ راقم ان کا بہت سپاس گزار ہے۔

دیگر اساتذہ میں مولانا قاری محمد حنیف صاحب نے راقم کو قلم پکڑنا۔۔ سکھلایا، الحاج حضرت مولانا حافظ قاری محقق محمود علی صاحب برد اللہ مضجعہ نے راقم کے مزاج کو تحقیق و تنقید سے مربوط کیا اور حضرت مولانا حافظ حاجی

محمد عبدالوحید صدیقی دام اقبالہٗ نے والد بزرگوار کے ساتھی ہونے کے ناطے چھ سال کی کچی عمر سے راقم کی تعلیم و تربیت میں خاصی دلچسپی لی اور اب تک استادانہ شفقتوں اور عنایتوں سے نوازتے رہتے ہیں۔ خدا ان کا سایہ تابیر قائم رکھے۔ راقم ان سبھی حضرات کا ممنون ہے۔

راقم یو۔ جی۔ سی کا شکر گزار ہے کہ اس نے جونیر ریسرچ فیلوشپ ایوارڈ کر کے ذہنی یکسوئی کے سامان فراہم کئے۔ کیونکہ راقم نے پیشہ وکالت سے دستبردار ہو کر تحقیق کی وادی میں قدم رکھا تھا۔

حیدرآباد دکن دارالعلوم دیوبند، ٹیگور لائبریری لکھنؤ یونیورسٹی، کرائسٹ چرچ کالج کانپور، اقبال لائبریری کانپور، کملا لائبریری فتحپور، مہاتما گاندھی پوسٹ گریجویٹ کالج فتحپور اور مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے کتب خانوں کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کرنا بڑی حق تلفی ہوگی۔ ان حضرات نے بہت اخلاص و محبت سے کتابوں کی فراہمی میں میری مدد کی۔ میں الحاج مولانا حاجی محمد عبدالوحید صاحب کا اس لئے بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے میرے لئے اپنے ذاتی کتب خانہ کے ساتھ مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے وسیع کتب خانہ کے دروازے بھی کھول دیئے۔ مدرسہ مذکورہ کے کتب خانہ سے مجھے بہت سی نادر اور نایاب کتابیں دستیاب ہوئیں۔

مجھ پر خداوند قدوس کے بے کراں اور لامحدود تفضلات و عطیات ہیں۔ یہ مقالہ محض فضل ربی سے پایۂ تکمیل کو پہونچا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم میں خدائے بزرگ و برتر کا احسانمند ہوں۔ کہ اس نے مجھ ہیچمداں سے کام لے لیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم — منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

راقم ـــــ محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری
محلہ مہاجری فتحپور یوپی

پہلا باب

زبان کا آغاز

طاقت اور اظہار کی قوت

جب مختلف زبانیں بولنے والی قومیں ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتی ہیں تو وہ اختیاری اور اضطراری طور پر افہام و تفہیم کے باب میں ایک دوسرے کے الفاظ استعمال کرتی ہیں۔ اقوام کے میل جول ہی سے نئی زبان کی پیدائش ہوتی ہے۔

ہندوستان ہمیشہ سے بیرونی اقوام کا آماجگاہ رہا ہے۔ لسانیاتی اغراض سے جس حملہ نے مقامی زبانوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا وہ آریوں کا حملہ ہے۔ آرین قوم شمالی ہند پر حملہ آور ہوئی اور اس نے یہاں کے قدیم باشندوں کو جن کی زبان تامل، اوڑیا، تلگو وغیرہ تھی۔ جنوب کی طرف پسپا کر دیا۔ اور اس خیال سے کہ فاتح کی زبان مفتوح سے بلند ہونی چاہئے انھوں نے اپنی زبان کو قواعد کے حصار میں بند کر دیا۔ اور اس کا نام سنسکرت رکھا۔ لیکن مختلف اقوام کے باہمی اختلاط کے اصول کے تحت سنسکرت زبان کے مخارج و تلفظات کچھ کا کچھ ہو گئے۔ اور دو زبانیں ایک دوسرے سے نمایاں محسوس ہونے لگیں۔ قدیم زبان سنسکرت اور جدید زبان پراکرت کہلائی۔ راجہ بکرماجیت کے زمانے میں ایک بار پھر سنسکرت کا عروج ہوا لیکن اس وقت بھی سنسکرت خواص کے مابین محدود رہی۔ عوام پراکرت ہی بولتے رہے۔

چھٹی عیسوی تک پراکرتی میں بھی علاقائی تبدیلیاں جاگزیں ہو چکی تھیں۔ اور پانچ زبانیں نمایاں طور پر دکھائی پڑ رہی تھیں۔ پالی، جینی، مہاراشٹری سورسینی اور مگدھی۔ ان میں بولنے والوں کی تعداد کے اعتبار سے سورسینی یا برج بھاشا اہم تھی۔ اس کا علاقہ تروتیج سندھ سے بہار اور لاہور سے

مالوہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس زبان کا عمل دخل مسلمانوں کی آمد سے بہت قبل بنگال سے پنجاب، سندھ، کشمیر، گجرات، راجپوتانہ تک اور شمالی ہند و نیپال سے مہاراشٹر تک جاری و ساری تھا[1]۔ ۱۰۰۰ء اور ۱۲۰۰ء کے درمیان شور سینی رپ بھرنش بین الاقوامی آریائی زبان کی حیثیت سے مستعمل ہونے لگی تھی اردو اسی بھن الاقوامی ملک گیر شور سینی اپ بھرنش کا جدید ترین روپ ہے۔ گجرات کے جین عالم ہیم چندر نے اپنی مستند کتاب "سدھ ہیم چندر شبدانوشاسن" میں قدیم تصانیف میں اپ بھرنش کے جن دوہوں کو مثال میں پیش کیا ہے ان سے اس تغیر پذیر زبان کی ساخت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک دوہا ذیل میں منقول ہے۔

بھلا ہوا جو ماریا بہنی مہارا کنتو — جنیچ تو دیں سی آہو جیئی بھگا گھر وانتو

(اے بہن! بھلا ہوا جو ہمارا کانت مارا گیا۔ اگر وہ بھاگ کر گھر آتا تو میں اپنی سہیلیوں میں شرمندہ ہوتی۔)[2] اس دوہے میں گجراتی، راجستھانی، سرائیکی، پنجابی، کھڑی بولی برج بھاشا وغیرہ کے مخلوط اثرات واضح طور پر نمایاں ہیں۔ ہیم چند کی "کمار پال چرتر" قطم میں اپ بھرنش کی کافی آمیزش ہے[3]۔

ہندوستان پر سکندر اعظم کا حملہ ۳۲۵ قبل مسیح ہوا۔ اس وقت ہندوستان میں سور سینی اور دوسری پراکرتی زبانیں رائج تھیں۔ ۲۵۰ قبل مسیح ہند پر اشوک حکمرانی کر رہا تھا۔ اور اس وقت بھی عوام کی زبان شور سینی تھی۔

مذہب اسلام کا ۶۱۰ء میں آغاز ہوا۔ عرب و ہند کے مابین خوشگوار روابط قبل طلوع اسلام سے تھے[4]۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب کی شاعری میں ہندوستان کا ذکر اکثر و بیشتر ملتا ہے۔ طرفہ جو سبعہ معلقہ کا مشہور شاعر اور

---

[1] دی ہسٹری اینڈ کلچر آف دی انڈین پیپل جلد پنجم صفحہ ۳۵۱

[2] ہندی ادب کی تاریخ۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۵؛ ڈاکٹر محمد حسن

[3] ہندی ادب کی تاریخ صفحہ ۲۶ محمد حسن

[4] داستان تاریخ اردو: حامد حسن قادری۔ ص ۲؛ دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۶ء لکشمی نرائن اگروال "تاجر کتب آگرہ"۔

امراء القیس کا ہم عصر ہے۔ اپنے مشہور قصیدہ معلقہ میں جو ایک سو چھ اشعار پر مشتمل ہے ہندوستانی تلوار کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وظلم ذوی القربیٰ اشدّ مضاضۃً — علی المرء من وقع الحسام المهند[1]

(اور بھائی بندوں کا ظلم آدمی کو بہت تکلیف دیتا ہے۔ اور ان کا ظلم کاٹ میں ہندوستان کی تلوار کے وار سے بھی سخت ہے۔)

اس قصیدہ میں وہ دوسرے مقام پر کہتا ہے۔

والیت لا یفیک کشحی بطانۃ — لعضب رقیق الشفرتین مهند[2]

(اور میں نے قسم کھائی کہ ایسی تلوار میرے پہلو کا ہمیشہ استر رہے گی۔ جو پتلی باریک باڑھ کی دو دھاری ہے۔ اور ہندوستانی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔)

قصیدہ بردہ کا اکیاونواں شعر بھی ہندوستان کی تلوار کا ذکر خیر کرتا ہے:

ان الرسول لنور یستضاء بہ — مهند من سیوف اللہ مسلول

لفظ مہند کا استعمال عرب و ہند روابط کا غماز ہے۔

"ہند" لفظ عربوں کے مابین مختلف صیغوں اور مختلف معنوں میں مستعمل ہے۔ یہ لفظ اہل عرب کو اتنا عزیز تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں اور اپنی معشوقاؤں کا نام "ہند" رکھتے تھے۔ سیبویہ کا درج ذیل شعر ملاحظہ ہو:

اخالد قد علقتک بعد ہند — فشیبنی الخوالد والهنود

ترجمہ: کیا ہند کے بعد خالد نے تجھکو جیت لیا۔ مجھے تو ہندہ اور خالدہ نے بوڑھا کر دیا۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا اسم گرامی ہند بنت ابو امیہ تھا۔ حضرت ابو سفیان کی بیوی کا نام ہندہ اور یزید کی شریک حیات کا نام ہند تھا۔

عربی کا ایک شعر کہتا ہے:

الا لا ارانی الیوم ما قلت مهند — اذا بقیت عندی الحماقۃ والودد

---

[1] الشنقیطی علی رسیع المعلقات۔ صفحہ ۵۴ شعر نمبر ۸۰

[2] " " " صفحہ ۵۶ شعر نمبر ۸۵

ترجمہ:۔ سن لو کہ اب مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ ہند کیا کرتی ہے۔ کیونکہ میرے پاس کبوتر اور گلاب ہیں۔

اہل عرب ہند میں پائے نسبتی لگا کر ہندی بولتے ہیں۔ عدی بن رفاع کے رقم ذیل شعر میں "ہندی" کا استعمال ملاحظہ ہو۔

رب نادیت ادمقها تقضم الهندی والغارا

ترجمہ:۔ کتنی ہی ایسی آگ دیکھ کر میں نے رات گذاری، جو ہندوستان کے عود اور غار کے درختوں کو کھا رہی تھی۔

عرب والوں نے پائے نسبتی سے پیشتر کاف لگا کر "ہندکی" بھی استعمال کیا ہے۔ اور اس کی جمع "ہنادک" بنائی ہے۔ کیثر کے ایک شعر کا درج ذیل مصرع ملاحظہ ہو۔

طاطم یوفون الوفور ہنادکا

ابن حبیب کی تشریح کے مطابق اس مصرع میں "ہنادک" کا لفظ "رجال الہند" (ہندوستان کے لوگ) کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن شریف میں کئی ایسے الفاظ مستعمل ہیں، جو ہندی الاصل ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) ویسقون فیها کاسا کان مزاجها زنجبیلا۔ (پارہ ۲۹۔ سورہ الدہر آیت ۱۷)

زنجبیل "زرنجبیرہ" کا معرب ہے۔ سنسکرت میں ادرک یا سونٹھ کو زرنجا بیرہ کہتے ہیں۔

(۲) ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجها کافورا۔ (پارہ ۲۹۔ سورہ الدہر آیت ۵)

(۳) ختمہ مسک۔ (پارہ ۳۰ سورہ التطفیف۔ آیت ۲۵-۲۶)۔۔

سنسکرت میں مشک کو "موشکا" کہتے ہیں۔ مشک کا معرب مسک ہے۔

(۴) تیسویں پارے کی ایک سو پانچویں سورہ کا نام فیل ہے۔ اصل لفظ

ہندی الاصل ہے۔ ہندی میں اس کی ہیئت "پیلو" تھی۔ فارسی میں پیل ہوئی اور عربی میں "فیل" ہو گئی۔ شروع شروع میں ہندو مسلم روابط تجارتی نوعیت کے تھے۔ عرب سواحل ہند پر آتے تھے۔ اپنا مال فروخت کرتے تھے اور یہاں سے سامان خرید کر لے جاتے تھے۔ یہ لین دین مال و متاع تک محدود نہ تھا۔ بلکہ الفاظ کی درآمد و برآمد بھی جاری و ساری تھی۔ اشیائے خرید و فروخت کے عربی نام ہندوستان میں رہ کر ہندی تاجروں کی زبان میں مل جاتے تھے۔ اور اسی طرح ہندوستانی نام عرب میں جا کر عربی زبان کی بول چال میں شامل ہو رہے تھے۔

ہندوستان پر پہلا اسلامی حملہ[1] ۱۶ھ مطابق ۶۳۷ء میں[2] بیت المقدس کی فتح کے سال، خلافت فاروقیہ کے عہد میں ہوا۔ جو ناکام رہا۔ پہلا کامیاب حملہ اموی دور میں ہوا۔ یہ حملہ ۴۴ھ مطابق ۶۶۴ء میں[3] کابل کی سمت سے ہوا۔ جس کے نتیجہ میں کابل سے ملتان تک کا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ لسانی اعتبار سے محمد ابن قاسم کا حملہ بہت اہم ہے۔ محمد ابن قاسم نے ۹۳ھ مطابق[4] ۷۱۱ء میں شیراز کے راستے سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اور ۹۴ھ مطابق ۷۱۲ء میں سندھ و ملتان فتح کر لیا[5]۔ اس حملہ سے سندھ پر قائم شدہ حکومت صدیوں تک

---

[1] فتوح البلدان مصنفہ احمد بن یحییٰ بن جعفر بلاذری میں لکھا ہے کہ عہد۔۔۔ فاروقیہ میں عثمان ثقفی نے ایک لشکر تھانہ کی طرف روانہ کیا تھا جو کامیاب رہا۔ عثمان کے بھائی حکم نے بھروچ (گجرات کا بندرگاہ) پر چڑھائی کی اور کامیاب رہا۔ یہ گجرات پر دوسرا اور سندھ پر پہلا حملہ ہوا۔ "ہندوستان عربوں کی نظر میں" ج۔ ۱ ص ۷۳ و ۷۴۔

[2] داستان تاریخ اردو: حامد حسن قادری ص ۲

[3] " " " " " " ص ۳

[4] تاریخ فرشتہ جلد دوم مقالہ ہشتم ص ۳۱۲

[5] تاریخ ادب اردو جلد اول ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۸

چلتی رہی۔ مسلمان اور ہندو ایک دوسرے کی تہذیب و معاشرت، رسوم و رواج، عادات و اطوار اور زبان و گفتار سے متاثر ہوئے۔ لیکن اس زمانے تک عربی و فارسی اور دیسی زبانوں کی ایسی آمیزش نہ ہو پائی تھی۔ جو ایک مخلوط زبان کی سنگ بنیاد بن سکتی۔ لیکن یہ بات بھی مصدقہ حقیقت ہے کہ عربی و فارسی کے بہت سے الفاظ مقامی زبانوں میں داخل ہو گئے تھے اور سندھ و ملتان میں وہی لسانی عمل شروع ہو گیا تھا۔ جو سرزمین تہران میں عربوں کی فتح سے رونما ہو چکا تھا۔ لسانی اعتبار سے دوسرا اہم حملہ محمود غزنوی کا ہے۔ محمود نے ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۱ء سے ۴۱۸ھ مطابق ۱۰۲۷ء تک ۲۷ سال کی مدت میں ۱۷ حملے کئے۔ اور اس طور پر پشاور، ملتان، کانگڑہ، قنوج متھرا، گجرات کو اس نے اپنے قبضہ تصرف میں کر لیا[1]۔ پنجاب کو چھوڑ کر سبھی فتوحہ علاقے اسلامی قبضہ ملوکیت سے نکل گئے۔ لیکن پنجاب تقریباً ۳۰ سال تک غزنوی خاندان کی ملوکیت میں رہا[2]۔ غزنوی دور میں لاہور دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب، ترک، مغل، ایرانی، افغانی مسلمان پنجاب میں حکومت پذیر رہے۔ اور اسی طرح مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تمدنی، معاشرتی اور لسانی لین دین کا سلسلہ چلتا رہا۔ مسلمانوں نے مقامی بھاشاؤں کے الفاظ لئے۔ اور عربی فارسی و ترکی زبانوں کے الفاظ بڑے پیمانے پر مقامی زبانوں میں شامل ہو گئے۔ اس طرح ایک نئی زبان کی داغ بیل پڑی اور اسی غزنوی دور میں یہ زبان بول چال سے نکل کر شعر و شاعری میں بھی متصرف ہونے لگی۔ ایران کے مشہور و معروف شاعر منوچہری نے جو سلطان محمود غزنوی کے دور میں ہندوستان آئے تھے۔ ہندی زبان کے بعض الفاظ بغیر تغیر و تبدل کے استعمال کئے ہیں۔ ایران کے مشہور صوفی شاعر حکیم سنائی نے بھی جو کبھی ہندوستان تشریف نہیں لائے، بعض ہندوستانی الفاظ بلا تکلف

---

[1] داستان تاریخ اردو صفحہ ۴۰

[2] داستان تاریخ اردو صفحہ ۴۰

استعمال کئے ہیں۔ وہ ایک مقام پر پانی کا لفظ استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نہ دران معدہ جز خلد زندہ نہ دران دیدہ قطرۂ پانی[1]

لاہور کے مشہور شاعر مسعود سعد سلمان (۴۳۸ھ = ۱۰۴۶ء ـــ ۵۱۵ھ = ۱۱۲۱ء) نے تو ہندی زبان میں ایک پورا دیوان ہی مدوّن کر ڈالا۔ یہ دیوان دستبرد زمانے کا شکار ہو گیا۔ محمد عوفی نے لباب الالباب میں لکھا ہے۔

"اور اسرا دیوان است: یکے تبازی دیکے بپارسی دیکے۔ بھندوی"[2]

۵۷۰ھ = ۱۱۷۵ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کرنا شروع کیا اور ۵۸۸ھ = ۱۱۹۲ء میں پرتھی راج کو شکست دے کر اس کے لڑکے گوبند راج کو اجمیر کا راجہ بنا دیا۔ وہ دہلی میں اپنے سپہ سالار قطب الدین ایبک کو اپنا نائب بنا کر واپس چلا گیا۔ ۶۰۳ھ = ۱۲۰۶ء میں قطب الدین ایبک دہلی کا پہلا بادشاہ ہوا[3]۔ اس طور پر دہلی والے بھی فارسی زبان سے مانوس ہو گئے۔ دہلی و پنجاب کی بھاشائیں عربی و فارسی زبانوں سے گھلنا ملنا شروع ہوئیں۔ اور اس طرح دہلوی اردو کی ابتدا ہوئی۔

مسلمان جہاں کہیں بھی گئے۔ ان کے ساتھیا ان کے عقب میں صوفیائے کرام بھی تشریف لے گئے۔ اور وہ اپنے پیغام اپنی زندگی اور اپنے طرز عمل سے عوام کے دلوں کو مسخر کرنے لگے۔ ان کا رابطہ عوام سے تھا۔ اسی لئے انھوں نے اپنا سارا تبلیغی کام دیسی زبانوں میں کیا۔ ڈاکٹر عبدالحق فرماتے ہیں۔

"دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لئے کھلا تھا بلا امتیاز ہر قوم و ملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے عام و خاص کی کوئی تفریق نہ تھی۔

---

[1] داستان تاریخ اردو صفحہ ۸۰

[2] لباب الالباب جلد دوم صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ کیمبرج ۱۹۰۲ء

[3] داستان تاریخ اردو صفحہ ۱۰۶۹

خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے۔ اس لئے تلقین
کے لئے انھوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے ان میں سب
سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام
تک پہونچا سکیں۔ چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے
یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم و فاضل ہونے کے (خواص کو
چھوڑ کر) عوام سے انہی کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم
و تلقین فرماتے تھے۔ اور یہ بڑا گر تھا۔ اور صوفیا اسے خوب سمجھتے
تھے۔ ہمارے اس بیان کی تصدیق فاضل شارح اکھردتی (تصنیف
ملک محمد جائسی علیہ الرحمۃ) کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ جس کا
اظہار انھوں نے کتاب کے خاتمہ پر بھی کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

وتوہم نکند کہ اولیاء اللہ بغیر از زبان عربی تکلم نہ کردہ، زیرا کہ
جملہ اولیاء اللہ در ملک عرب مخصوص نہ بودہ۔ بس بہر ملک کہ بودہ
زبان آں ملک را بکار بردہ اند۔ وگمان نکند کہ ہیچ اولیا اللہ۔۔
بہ زبان ہندی تکلم نہ کردہ زیرا کہ اول از جمیع اولیاء اللہ قطب الاقطاب
خواجہ بزرگ معین الحق والملۃ والدین قدس اللہ سرہٗ بدیں زبان
سخن فرمودہ، بعد ازاں حضرت خواجہ گنج شکر قدس اللہ سرہ
(وحضرت خواجہ گنج شکر[1]) در زبان ہندی و پنجابی بعضے از
اشعار نظم فرمودہ چنانکہ در مردم مشہور اند۔ اشعار از دوہرہ
وسورہ وامثال آں نظم نمودہ ہمچناں ہر یکے از اولیاء بدیں لسان
تکلم می فرمودند تاکہ عہد خلافت ایشاں بحقق مدقق رسید، و وے
دریں زبان بسیارے از رسائل و مطولات تصنیف

[1] "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" میں "و حضرت خواجہ گنج شکر" مکرر لکھا ہے۔ اس لئے راقم نے بعینہ نقل کر دیا ہے۔ بظاہر یہ سہواً مکرر ہو گیا ہے۔

فرمودہ و یکے از مصنفات دے اکھردتی است[1]"

صوفیائے کرام کا زیادہ زور باطن کی درستگی پر تھا۔ وہ روح مذہب
کو اہمیت دیتے تھے۔ اور امن و آشتی میل ملاپ کی افادیت سے آگاہ تھے
یہ لوگ عشق رسول سے سرشار تھے۔ بانی اسلام کے ساتھ اسی والہانہ عشق کے
سہارے انھوں نے سر بفلک پہاڑوں۔ لق و دق بیابانوں کی مسافت کو کبھی
سد راہ نہیں سمجھا۔ وہ ایسے مقامات پر پہونچے جہاں کوئی اسلام کا نام لیوا
نہ تھا۔ وہ بانی اسلام کے اسوۂ حسنہ کے سہارے نامانوس آب و ہوا، غیر
مانوس رسم و رواج اور صورت و اشکال، لباس، بات چیت، عادات و اطوار
میں ہم آہنگی نہ ہونے کے باوجود اشاعت دین کا کام کرتے رہے۔ اور۔۔
اجنبی دلوں کو جیت کر انھیں انسانیت کے جوہر سے مزین کرتے رہے۔ اس
کا ادنی کرشمہ یہ ہے کہ آج بھی صدہا سالوں کے بعد لاکھوں بندگان خدا
بلا تفریق مذہب و ملت، ملک و قوم ان کے آستانوں۔ خانقاہ سرائی کرنا باعث
افتخار سمجھتے ہیں۔ اور ان کے آستانوں کو مقدس و مشرف اور شریف کے
اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔ ان صوفیائے عظام نے اپنے اقوال و
اعمال و افعال کے ذریعہ بانی اسلام کے سبھی پہلوؤں کی وضاحت کی۔ انمیں
سے اکثر شعر و شاعری پر دسترس رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نبی اکرم صلعم
کی شان اقدس میں نعتیں لکھنا اور بانی اسلام کے متعلقین و متعلقات
کے ذکر خیر میں رطب اللسان رہنا نجات گردانا۔ اسی لئے اردو شاعری
میں نعت اس وقت سے دکھائی پڑتی ہے جب کہ اس زبان کی بنیاد پڑ
رہی تھی۔ نشائی ارتقا کے ساتھ نعت کے روپ میں بھی نکھار آگیا۔ اردو
زبان اپنے ارتقائی مراحل کے ہر مرحلہ میں نعتوں کا وافر ذخیرہ رکھتی ہے۔

[1] "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام"
مولوی عبدالحق۔۔ صفحہ ۸۰۹

نو واردان کی کثیر تعداد شیوخ عرب اور سرداران آل ہاشم پر مشتمل تھی۔ جو حُبِّ رسُول کے متوالے تھے۔ یہ لوگ تجارت اور بانیٔ اسلام کے دین کی اشاعت کی لگن میں ہزاروں میل سمندر کی راہ طے کر کے پُرامن طور پر سواحل ہند آئے اور انھوں نے اپنے اخلاق، ملنساری اور نیک مزاجی سے مقامی باشندوں (ہندوؤں) سے خاص رسوخ پیدا کئے۔ یہ لوگ سواحل سے گذر کر اندرون ملک داخل ہوئے۔ انھوں نے مساجد تعمیر کیں مدرسے کھولے۔ مذہبیات کی اشاعت کی اور اپنی تعلیمات کی تلقین کی۔[1] مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ہندی مسلمانوں کے احوال و کوائف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

"دوسرے دن صبح کو ہنور میں پہونچے۔ یہ شہر ایک بڑی کھاڑی پر واقع ہے۔ اس شہر کے عابدوں میں شیخ محمد ناگوری ہیں۔ انھوں نے میری دعوت اپنی خانقاہ میں کی۔ فقیہ اسماعیل جو کلام اللہ پڑھاتے ہیں اسی شہر میں رہتے ہیں۔ وہ نہایت پرہیزگار، خوش خلق اور فیاض ہیں۔ اس شہر کا قاضی فخرالدین علی ہے۔ ---------- یہاں کی عورتیں خوبصورت اور باعصمت ہوتی ہیں۔ سب کی سب حافظ قرآن ہوتی ہیں۔ اس شہر میں تیرہ مکتب لڑکیوں کے اور تیس مکتب لڑکوں کے ہیں۔ یہاں کا بادشاہ جمال الدین ہے۔ اسکو مالابار کے لوگ کچھ معین خراج دیتے ہیں۔ بادشاہ جمال الدین بن حسن بڑا نیک بخت ہے۔ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتا ہے۔ جب میں اس کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو افطار کے وقت مجھے بلا لیتا تھا۔ فقیہ علی اور فقیہ اسماعیل بھی موجود ہوتے تھے۔"[2]

"پانچویں دن ہم کنجی گری پہونچے ---------- مسلمان سوداگر

---

[1] ۔ دکن میں اردو: نصیرالدین ہاشمی صفحہ ۵۔ بار ششم ۱۹۶۳ء نیشنل بک ڈپو لکھنؤ

[2] ۔ عجائب الاسفار صفحہ ۲۷۹

بھی اس شہر میں بہت ہیں۔ ان میں سب سے بڑا علاء الدین ادھی شہر آوہ کا رہنے والا ہے۔ اس شہر کا قاضی ایک فاضل ہے مسلمانوں میں بڑا آدمی محمد شاہ بندر ہے۔ اس کا بھائی تقی الدین بڑا فاضل ہے اس شہر کی جامع مسجد بھی بڑی عظیم ہے۔ خواجہ منذب نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ مسلمانوں کی اس شہر میں بڑی عزت ہے۔ راجہ کا نام تسروی ہے وہ مسلمانوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔"[1]

علاء الدین خلجی اور ملک کافور کی فتوحات دکن سے بہت سے صوفیائے کرام دکن کے مختلف حصوں میں سکونت اختیار کر چکے تھے اور اشاعت دین کی مہم جاری کئے تھے۔ "تذکرہ اولیاء دکن" میں ایسے بہت سے صوفیائے عظام کے اسمائے گرامی ملتے ہیں۔ جن میں سے چند بزرگوں کے نام درج ذیل ہیں۔

حاجی رومی۔ سید بادشاہ مومن عارف باللہ۔ مظہر طبل عالم۔ جلال الدین گنج رواں۔ سید احمد کبیر جہاں۔ قلندر شاہ علی پہلوان۔ شاہ حسام الدین صوفی سرمست باباشرف الدین۔ باباشہاب الدین۔ باباقطب الدین۔ سید اعزاز الدین وغیرہ۔

علاء الدین خلجی اور ملک کافور نے دکن پر مسلسل حملے کر کے ۱۲۷۱ھ = ۱۳۱۲ء تک راس کماری تک علاقائی حدود پہونچا دیں۔ جب محمد تغلق نے دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو فوجیوں کے علاوہ علماء، فضلا، تجار اور مختلف اہل حرفہ دکن پہونچ گئے۔ اور پایۂ تخت کی تبدیلی کے بعد بھی وہیں اقامت گزیں رہے۔ اس طور پر یہ نوزائدہ زبان دکن پہونچ گئی۔ اور بولی ٹھولی سے آگے بڑھ کر ادبی زبان کی حیثیت سے ترقی کر[illegible] یہ زبان شمالی ہند میں ہندکی، ہندوی ہندی ریختہ، اردو اور اردوئے معلیٰ کہلائی۔[2] اور دکن میں دکنی

---

[1] ۔ عجائب الاسفار صفحہ ۲۹۸

[2] ۔ ہندکی: ترکی کا لفظ ہند کی گالی۔ (ملا داؤد)

ہندوی: اور اسہ دیوان است بکے تقاضی دیکے بپارسی دیکے ہندوی (لباب الالباب صفحہ ۲۴۶ جلد دوم کیمبرج ۱۹۰۲ء

ہندی: "اردو کا قدیم ترین نام ہندی یا ہندوی ہے۔" پنجاب میں اردو صفحہ ۲۳ بحوالہ تاریخ ادب اردو جمیل جالبی۔ صفحہ ۲۳

ہندوستانی اور ہندی کے نام سے موسوم ہوئی۔ شمالی ہند کے فیروز شاہی عہد کے مشہور شاعر ملّا داؤد جو اردو کے پہلے شاعر ہیں۔ چندائن میں یوں گرم سخن ہیں ــــــ:

بنی میں اکھر کی سدھی پائی ترکی لکھ ہند کے گائی

دکنی شاعر آگاہ کہتے ہیں ــــــ:

ولی بعض یاراں کا ایجاد ہوا سو ہندی زبان پہ رسالہ ہوا

عرب کی شاعری میں نعت کو خاص مقام حاصل رہا ہے۔ دور نبوی سے ہی شعراء نے شعر و سخن کے ذریعہ اسلام کی گرانمایہ خدمات انجام دیں۔ قرآن کریم میں جہاں شعر و شاعری کی مذمت فرمائی گئی ہے وہیں مومن اور مصلح شعراء جن کی شاعری افادی پہلو رکھتی ہے۔ اس مذمّت سے مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ کلام ربانی ہے۔ والشعراء یتبعھم الغاوون ۵ الم تر انھم فی کل واد یھیمون ۵ وانھم یقولون مالا یفعلون ۵ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت وذکروا اللہ کثیرا وانتصروا من بعد ما ظلموا وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[1] ع (۲۲۴)

جب کفار مکّہ اشاعت دین کے سلسلے میں اشعار کے ذریعہ بھی رخنہ اندازیاں کرنے لگے تو حضور صلعم نے ان بدزبان اعدائے دین کو منھ توڑ جواب دینے کے لئے شعر و شاعری کے استعمال کا مفید مشورہ دیا۔ آپ صلعم نے فرمایا۔

:۔ "یمنع الذین نصروا اللہ ورسولہ باصلحتھم ان

(جن لوگوں نے خدا و رسولؐ کی مدد آلات حرب سے کی ہے وہ اپنا لسانی تعاون کیوں نہیں دیتے۔؟) اس فرمان نبوی پر جن شاعروں نے لبیک کہا ان میں حسّان ابن ثابت بھی تھے جنھوں نے اپنی زبان باہر نکال کر کہا تھا کہ میں اس زبان کی ساری قوت بروئے کار لاؤں گا۔ "خدا کی قسم اس زبان میں وہ طاقت ہے کہ اگر پتھر پر پڑ جائے تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے[2]۔ مولنا سعید احمد انصاری

---

[1] القرآن الحکیم پارہ ۱۹ سورہ شعراء آیات نمبر ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷

[2] تاریخ الادب العربی: احمد حسن زیات صفحہ ۱۴۹

حضرت حسّان کی نعت گوئی کی شان نزول کی بابت یوں رقم طراز ہیں:۔ مشرکین مکہ میں ابوسفیان بن حارث ابن عبدالمطلب، عبداللہ بن زبعری، عمر بن العاص، ھزار ابن خطاب آنحضرت صلعم کی ہجو کرتے تھے۔ لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام سے درخواست کی کہ ان کے جواب میں آپ ہجو لکھیں۔ فرمایا کہ رسول صلعم کا ارشاد ہو تو میں آمادہ ہوں۔ آپؐ سے عرض کی گئی، تو فرمایا۔ "علی اس کام کے لئے موزوں نہیں" اس کو انصار کریں گے" جنھوں نے میری تلوار سے مدد کی ہے۔" حسّانؓ نے زبان پکڑ کر کہا۔ میں یہ کام بخوشی قبول کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ قریش کی ہجو کس طرح کرو گے۔ حالانکہ میں بھی انہی میں سے ہوں۔ عرض کی:

"لاسلنک منھم کما تسل الشعرۃ من العجین"

(میں آپ کو اس طرح نکال لوں گا جیسے آٹے سے بال نکالا جائے) فرمایا تو تم نسب ناموں میں ابوبکرؓ سے مدد لینا ان کو قریش کے نسب میں اچھی واقفیت ہے[1]" دور نبوی میں نعت گو شعراء کو کافی قدر و منزلت حاصل تھی۔ اور عہد نبوی کے بعد بھی وہ ہر دور میں قابل احترام سمجھے گئے۔ نعت نبوی عقیدت کی صداقت اور جذبات عشق کے وفور کے بغیر ناممکن ہے۔ ایسی نعتیں ہر دور میں وافر رہی ہیں۔ جو سوز و گداز و فصاحت و بلاغت کے باعث مشہور ہیں۔

---

[1] سیر الانصار حصہ اوّل: مولنا سعید احمد انصاری ص ۳۳۲ مطبع ---
معارف اعظم گڈھ طبع دوم ۱۳۶۷ھ بحوالہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۹ و
واسد الغابہ ج ۲۔ ص ۴۔

ریختہ: گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر یہ ہماری زبان ہے پیارے (میر تقی میر)

اردوئے معلیٰ: اور جو کوئی حوصلہ سیکھنے زبان اردوئے معلیٰ کا رکھے گا۔ سو مطالعہ اس گلدستہ نگاریں سے ہوش اور شعر فخوائے کلام حاصل کرے"

نوٹ زیر صفحہ: محمد عطا حسین خاں تحسین۔

فارسی زبان میں نعتوں کا کافی رواج ہوا۔ اور ان پر عربی اسلوب بیان کا بہت گہرا اثر پڑا۔ لیکن ممدوح کی دوری کی وجہ سے بہت سی فارسی نعتیں دفتر جذبات میں عربی نعتوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ محبوب سے دوری پر عشق و محبت میں جو شدت آجاتی ہے وہ قربت میں نہیں ہوتی۔ محبوب صلعم نے حضرت ابوھریرہ سے فرمایا تھا۔ "زرغبا تزدد حبا"[1] (ناغہ دے کر میری زیارت کیا کرو اس سے محبت بڑھ جاتی ہے۔) اردو شعرا فارسی و عربی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور نعتوں کے سلسلے میں ان کے سامنے نمونے بھی انہی دونوں زبانوں کے تھے۔ اس لئے اردو زبان کا خیالات اور ہیئت میں فارسی و عربی زبانوں سے متاثر ہونا فطری بات تھی۔ منبع نعت کا تعلق سرزمین عرب سے تھا۔ نبی صلعم کے متعلقین و متعلقات اسی مقدس سرزمین سے منسلک تھے۔ بیرونی تجار، صوفیائے عظام اور فاتحین انہی مقامات سے وابستہ تھے یہ بیرونی حضرات یا تو ایرانی تھے یا عربی جن کی مادری زبان عربی یا فارسی تھی۔ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نظام الدین اولیاء (دہلی)۔۔ بابا فرید الدین گنج شکر (پنجاب)، بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (کرنال)۔۔۔ سید شاہ محمد غوث (گوالیار) حضرت مخدوم (بمبئی) حضرت شرف الدین یحییٰ منیری (بہار) حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (دکن) مخدوم جہانگیر سمنانوی کچھوچھوی (اودھ) شیخ احمد ہندی سرہندیؒ روحانیت اور عشق رسولؐ سے سرشار ہو کر دین و مذہب کی اشاعت کے لئے اٹھے۔ ان کی زبان فارسی

---

[1] گلستان مترجم عکسی صفحہ ۱۰۶ باب ۲ حکایت ۲۸ مصب رنگ کتاب گھر دہلی۔

(ترجمہ: مولانا قاضی سجاد حسین)

اردو: اردو ہے جس کا نام ہم ہی جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے (داغ)

دکنی ہندوستانی: لکھی ہندوستانی میں عبارت ▲ سو بھیے بول دکھنی میں عبارت
ہندی: تم کرو ہندی میں اس کا ترجمہ ▲ تاکہ سن کر نفع ہووے ہر جگہ (کمال الدین کمال) (محمد بن تغلق)

تھی۔ جس سے عوام ناآشنا تھے۔ اس لئے ان اللہ والوں نے ہندوستان کی علاقائی زبانیں سیکھیں۔ اور یہاں کے لوگوں کو یہیں کی زبان میں درس دینا شروع کیا۔ ان علاقائی زبانوں نے رسول اکرم صلعم کے درس انسانیت اور محبت و اخوت و مساوات کے جذبات کو عام کرنے میں کافی تعاون دیا۔ ان علماء و بزرگان دین کا ہاتھ نعت کے آغاز و ارتقاء میں کافی رہا۔ اور انہی بزرگوں کی مبارک کوششوں کا یہ ثمرہ ہے۔ کہ زمزمہ ہائے نعت ہند و پاک کے ہر خطہ سے سنائی دے رہی ہے۔

تصوف اور شریعت و طریقت نیز نبی اکرم صلعم کی سیرت مقدسہ اور نعتوں پر جتنا بھی دستیاب سرمایہ تھا وہ سبھی عربی و فارسی میں تھا۔ بہت سی مذہبی کتابیں اور نعتیہ کاوشیں فارسی و عربی سے ترجمہ ہو کر آئیں۔ طبعزاد مواد بھی عربی و فارسی کے ذخائر سے متاثر ہے۔ نعت کا سارا نظام مواد عربی و فارسی ادب میں تھا۔ اردو شاعری کے ہیئتی اشکال عربی و فارسی سے متاثر ہیں۔ ارکان و بحور وہی ہیں جو فارسی و عربی میں رائج تھیں۔ خیال جب کسی زبان یا ادب سے آتا ہے تو اس زبان کی بہت سی چیزیں دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے ساتھ منسلک کئے ہوئے آتا ہے۔ اور یہاں تو صورتحال یہ تھی کہ عربی و فارسی میں مہارت رکھنے والے صوفیائے کرام نے، جو معماران اردو میں شمار کئے جاتے ہیں مقامی زبانوں اور بولیوں کو ذریعہ اظہار و ابلاغ بنایا تھا۔ کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنی بات عوام تک نہیں پہونچا سکتے تھے۔ اس لئے یہاں کی زبان و خیالات خصوصاً نعت کا جو کہ ان صوفیائے کرام کی کاوشات کی علت نمائی تھی، عربی فارسی سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ عوامی زبان کے معاملے میں ناخواستگی دل کا شدید احساس سید میراں جی شمس العشاق کی تصنیف شہادت الحقیق میں دھڑکتا ہوا سنائی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ہیں عربی بول کیرے — اور فارسی بھی تیرے
یہ ہندی بولوں سب — اس اوتوں کے سبب

یہ بھاکا بھلسو بولی — پن اس کا بھاوت کھولی
یوں گرمکھ پند پایا — تو ایسے بول چلایا
جے کوئی اچھیں خاصے — اس بیاں کیرے پیاسے
وے عربی بول نہ جانے — نہ فارسی پچھانے
یہ ان کو بچت ہیت — مت بوجھیں ریت
یو دیکھت ہندی بول — پن معنی میں پنھتول

میراں جی نے یہ فیصلہ کیا کہ عربی و فارسی میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر وہ عوام کی سمجھ سے باہر ہے۔ اس لئے دکنی اردو کو ذریعۂ ارسال و تبلیغ بنانا چاہیئے۔ وہ آگے چل کر کہتے ہیں۔

جے مغز میٹھا لاگے — تو کیوں من اس تھی بھاگے
پتول اس میں ارت پنچ — سب قرآن کرے نیچ
وہ مغز معنی لیسو — سب چھال چھوڑ دیو
یا وہ دیکھے چھارا — اس مائی کا پیارا
نا مائی اس کو ہان — وہ راکھے سمیٹ آن
یہ چھان سونا لیوے — اور بھوسے ناکے دیوے
پتوں بھا کا مائی جانوں — زر معنی دل میں آنوں
تو جس کو بھاوے جوڑ — ناجاسی یہ گن چھوڑ
ہے کڑوا ں کیرا ہیرا — گھوڑا اوپر پڑیا سہیرا
کوئی سجان بھاگوں پاوے — تو کیوں نالیہ اچاوے
گھر بھا کا چھوڑ دیجئے — چن معنی لیجئے

اگر گھورے میں ہیرا پڑا مل جائے تو معقول آدمی اس کو اٹھا لے گا۔ اور یہ سوچ کر اس کو پڑا نہ رہنے دے گا کہ یہ گھورے پر کا ہے۔ اس لئے بے وقعت ہے۔ ہندی زبان[1] (علاقائی زبان) میں کہی گئی دانشمندی

[1]: اردو کا قدیم نام ہے۔ آزاد

کی باتوں کو اسی طرح اخذ کرنا چاہیئے۔ جس طرح نیار یا مٹی چھانتے وقت سونا لے لیتا ہے اور مٹی چھوڑ دیتا ہے۔ میراں جی نے اپنے متصوفانہ خیالات کو "مغز" "سونا" اور "ہیرا" کہا ہے۔ جب کہ ہندی زبان کو "چھال" "مائی" اور "گھورا" سے تعبیر کیا ہے۔ ان کی تعبیر اس بات کی مظہر ہے کہ انھوں نے ہندی زبان میں مافی الضمیر کے اظہار کی بابت جو معذرت کی ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ اور طبقۂ خواص ہندی کو عربی و فارسی کے مقابلہ میں بے وقعت سمجھتے تھے۔ دوسری طرف یہ تعبیر اس بات کی بھی غماز ہے کہ عوام تو عوام متوسط طبقہ بھی فارسی و عربی سے نابلد ہوتا جا رہا تھا۔ اور ہندی زبان عوامی زبان بن چکی تھی۔ ہندی کو وسیلۂ اظہار بنانے میں میراں جی کا یہ اعتذار اس امر کو مترشح کرتا ہے کہ خیال کو زبان پر تفوق حاصل ہے۔ اور یہ کہ مقصد کی اہمیت ذریعہ کی اہمیت میں اضافہ کر دیتی ہے۔ کیونکہ وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر مقصد برآری نہیں ہو سکتی۔ "کل اناء ینضح بما فیہ" (برتن سے وہی چیز ٹپکتی ہے جو اس میں ہو) کے فطری اصول کے تحت اردو کے ابتدائی معماروں کی نگارشات اور بالخصوص اردو کی نعتیہ کاوشات عربی و فارسی نعتوں سے متاثر ہوئیں۔

عربی و فارسی کی بہت سی نعتیں دربار نبوی سے قبولیت کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔ اس لئے اردو کے بہت سے شعرائے نعت نے قیمتاً انہی زمینوں میں خیالات نظم کرنے کی کوشش کی۔ اور بہت سے شعراء نے مقبول نعتوں پر تظمیں لکھیں۔

نعتیہ سرمایہ میں جاری و ساری تلمیحات قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ نظم اردو کی پرورش و پرداخت جن بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں ہوئی ان کی رگ رگ میں شیراز کی فصاحت اور جام کی حلاوت بسی ہوئی تھی۔ اس لئے انھوں نے ہندوستانی شاعری میں فارسی کی تقلید لازمی مانی۔ بحروں کے حصار اور ردیف و قوافی کے قیود تک تو مضائقہ نہ تھا۔ لیکن انھوں نے مضامین و خیالات کے سلسلے میں بھی ایران کا تتبع کیا۔ لیلیٰ نجوں و امتو و عذرا کے

قصص جن کا تعلق سرزمین عرب سے تھا یا شیریں فرہاد کے افسانے جن کی مقامی اہمیت اصفہان میں تھی۔ اردو شاعری کے اجزائے غیر منفکہ بن گئے... بلبلوں کی نغمہ سرائی و موسم بہار کی سرمستی پپیہا اور کوئل والے دیس میں پہونچا دی گئی۔ درفش کاویانی اور جام جمشید نے آنکھوں کو اس حد تک ماؤف کیا کہ شاہجہاں کا تخت طاؤس اور بکرماجیت کا سنگھاسن نظر ہی نہ آیا۔ ان کی آنکھیں رستم و سام کی شجاعت کی روشنی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ انھیں ارجن اور بھیم کی شجاعت اور بہادری مدھم نظر آنے لگی۔ یوسف اور زلیخا کی محبت دل میں اس قدر جاگزیں ہو گئی کہ شری کرشن اور گوپیوں کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ سامنے ہمالیہ کی ترائی تھی مگر تخیل کی نگاہیں کوہ قاف کی طرف لگی رہتی تھیں۔ بستے تھے گنگا جمنا کے کنارے مگر جیحون و لیحون و جلہ و فرات اور نیل داردن کا پانی آنکھوں کے سامنے بہتا ہوا محسوس کرتے تھے۔ اسی کا ثمرہ یہ ہے کہ اردو شاعری فارسی و عربی کے مقابلہ میں مدتوں پست رہی۔ اور آج بھی اردو نعتیں عربی و فارسی نعتوں کے مقابلہ دوسرے درجہ کی چیز ہیں۔

اردو نعتوں میں عربی و فارسی کے نعتیہ عناصر مکمل طور پر رواں دواں ہیں محسن سے بیشتر کی نعتوں میں ماحول مکمل طور پر عرب و ایران کا تھا۔ اردو کے شعرائے نعت نے ماحولی تشبیہات و استعارات سے آنکھیں بند کر کے مقامی ماحول کو کوئی جگہ نہ دی تھی۔ جبکہ عربی و فارسی کی نعتیہ شاعری میں مقامی رنگ بہت چوکھا ہے۔ خاقانی نے اپنی نعتوں کے ضمن میں اپنے سوانح حیاتی عناصر بکثرت داخل کئے ہیں۔ لیکن اردو شاعری عام طور پر اور اردو کی نعتیہ کاوشیں خاص طور پر مقامی رنگ سے یکسر عاری تھیں۔ بلکہ نعتوں میں مقامی رنگ کو جگہ دینا شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا۔ جب حضرت محسن نے پہلی بار نعت میں مقامی رنگ اور ہندوستانی ضمیمات کو جگہ دی تو لوگوں نے موصوف کو اپنے طعنوں کا ہدف بنایا یہاں تک کہ محسن کو خود بھی اپنے موقف کے جواز میں

اشعار کہنے پڑے۔

عربی و فارسی کے شعرائے نعت نے اس صنف کو عروج کے جس مرحلہ پر پہنچا دیا۔ اردو شاعری اس کو اس سے آگے نہ پہنچا سکی بلکہ وہاں تک بھی نہ پہونچ سکی۔ اردو نعت مضامین کے تنوع میں بھی عربی و فارسی نعتوں سے متاثر ہوئی اور نعت گو شعراء نے وہی مضامین نظم کئے جو عربی و فارسی کے شعراء اس سے قبل نظم کر چکے تھے۔ میلاد، معراج سیرت، مضامین غزوات، پیغمبر اسلام کے احوال و کوائف، معجزات نبوی، تلمیحات، تخیل، جذبات نگاری، منظر نگاری، مرقع نگاری، واقعہ نگاری، غرضیکہ شاعری کے داخلی و خارجی پہلوؤں میں سے ہر پہلو میں نعتیہ شاعری نے عربی و فارسی نعتوں سے تاثر لیا اور مقدم الذکر نے موخر الذکر کو نمونہ بنایا۔

اردو کی سب سے پہلی تصنیف ملا داؤد کی مثنوی چندائن ہے، جو اردو زبان کا اولین لسانی و ادبی نمونہ ہے۔ ملا داؤد شمالی ہند میں واقع قصبہ ڈلمئو کے رہنے والے تھے۔ جو اس وقت رائے بریلی کا ایک قریہ ہے۔ ملا داؤد نے "چندائن" اردو کی علاقائی زبان اودھی میں لکھی تھی۔ اردو کی تمام علاقائی زبانیں باہم علاقائی اختلافات کے باوجود 'اردو' ہیں اور ان میں بنیادی یکسانیت رواں دواں ہے۔ دکنی اردو، دہلوی اردو، لکھنوی اردو یا کسی دیگر علاقائی اردو سے علاقائی نوعیت کے اختلافوں کے باوجود قطعی طور پر اردو ہے۔ ملا داؤد کی مثنوی "چندائن" کی زبان اسی طرح اردو کی ہے جس طرح.. فخر الدین نظامی کی "کدم راؤ پدم راؤ" کی زبان اردو ہے واضح ہو کہ موخر الذکر میں عربی و فارسی کے الفاظ کے بجائے سنسکرت، پراکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ کی کثرت ہے۔ ملک محمد جائسی کی پدماوت بھی علاقائی زبان اودھی میں لکھی گئی تھی۔ مولوی کریم الدین نے "طبقات شعرائے ہند" میں مثنوی پدماوت کی زبان اردو بتلائی ہے[1]۔ چندائن اور پدماوت کی زبان اور غالب و حالی

---

[1] طبقات شعرائے ہند مولفہ کریم الدین ص ۲۰۔ اکاڈمی: ایڈیشن ۱۹۸۳ء اتر پردیش اکاڈمی لکھنؤ۔

کی زبان میں امتداد زمانہ کی وجہ سے بیّن فرق ہے۔ چوسر کی ہیرولاگ اور ہیراد ننگ کی نظموں کے مابین بھی واضح فرق ہے۔ لیکن دونوں ہی انگریزی ادب کی شاہکار ہیں۔

چندائن کے سات دستیاب مخطوطات میں سے چار کا رسم الخط عربی اور بقیہ تین کا فارسی ہے۔ مخطوطات کے عنوانات فارسی زبان میں اور ہر عنوان کے ذیلی ابیات اردو زبان میں ہیں۔ جس کو اس وقت "ہندی" کہا جاتا تھا۔

مشتے نمونہ از خروارے۔

بند نمبر ۹۸ رضا طلبیدن رسولاں برائے بازگشتن خود از رائے۔
" " ۱۰۲ روز دوم راؤ روپ چند قصد حصار کردن و بیرون آمدن۔ مہ را جنگ کردن افتادن۔
" " ۱۱۰ نور کا جانب خانۂ راؤ رفتن۔
" " ۱۲۳ جنگ کردنِ سنگار و باٹھا۔

ملّا داؤد نہ صرف یہ کہ اردو کے پہلے شاعر ہیں۔ بلکہ وہ اردو کے پہلے نعت گو بھی ہیں۔ مثنوی چندائن میں شامل نعت کو اردو کی پہلی نعت۔۔ ہونے کا فخر حاصل ہے۔

ملا داؤد نے چندائن ۷۸۱ھ = ۱۳۷۹ء میں بعہد فیروز شاہ تغلق تصنیف کی تھی۔ اس میں نور کا اور چاندا کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔ ملا داؤد کا عرصۂ حیات شیخ بہاؤ الدین باجن (۷۹۰ھ ــــ ۹۱۲ھ) خواجہ بندہ نواز گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ اور سید محمد اکبر حسینی متوفی ۸۱۲ھ سے قبل کا ہے۔ ملا داؤد سے قبل مسعود سعد سلمان، شیخ فرید الدین اور امیر خسرو کے نام ملتے ہیں۔ مسعود سعد سلمان کا ہندوی دیوان ناپید ہے۔ شیخ فرید الدین کے دو چار دوہرے اور اقوال تصنیف کے ذیل میں نہیں رکھے جا سکتے۔ امیر خسرو کے کلام میں الحاقی عناصر کی اسقدر فراوانی ہے کہ ان کے اصلی کلام کو الحاقی کلام سے الگ کرنا ناممکن ہے۔ اس اجمالی

جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ملا داؤد کی چندائن ہی لے دے کر ایسی تصنیف ہے جس کو اردو کی پہلی تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کی توضیح تمثیلی پیرایہ اظہار میں کی گئی ہے۔ چندائن اپنے عہد کی معروف و مقبول مثنوی تھی۔ مخدوم شیخ تقی الدین واعظ ربانی نے مثنوی کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مثنوی دلچسپ ہے۔ اس میں اللہ والوں کے لئے غور و فکر کا سامان ہے۔ یہ معارف و اسرار سے لبریز ہے۔ بہت سی قرآنی آیات کے رموز حل کرنے میں معاونت کرتی اور ہندوستان کے مترنم گیتوں سے دوشناس کرتی ہے۔[1]

مصنف نے اس مثنوی میں حمد، نعت، منقبت کے بعد سلطان وقت فیروز شاہ اور اپنے پیر زین الدین کی مدحت سرائی کی ہے۔ اس نے سنہ تصنیف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

برس سات سے ہوئے اکیاسی تبہ یہ کوی سرسے ابھاسی
شاہ فیروز دہلی سلطان جونا شاہ وزیر بکھان
دلمئو نیرو بسے نورنگا اوپر کوٹ تلے بہے گنگا[2]

یہ مثنوی عربی و فارسی رسم الخط میں لکھی گئی تھی۔ اس کے بھی قدیم نسخے عربی و فارسی رسم الخط میں ہیں۔ ملا داؤد نے خود کہا تھا۔

پن میں اکھری سدھ پائی ترکی لکھ لکھ ہند کی گائی[3]

مثنوی کے پانچ افتتاحی بند حمدباری سے متعلق ہیں۔ چھٹا بند نعت کا ہے۔ جس میں نبی اکرم صلعم کی ہر دلعزیزی آپ کا سبب تخلیق کائنات ہونا

---

[1] Rare Fragments of Chandaen & mar... Gawati
بحوالہ چندائن ص۔ مرتبہ ماتا پرشاد گپتا: وشو ودیالیہ پرکاشن۔ وارانسی پہلی اشاعت ۱۹۶۷

[2] چندائن۔ ملا داؤد صفحہ ۱۵ بند (۱۷)
[3] چندائن۔ ملا داؤد صفحہ ۸ بند (۹)

آپ کے ذکر کا بلند ہونا۔ آپ کا ہادی اور شافع روز جزا ہونا مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ ان ابیات میں قرآن و احادیث کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ ملا داؤد کے مضامین نعت دنیائے نعت کے عام مرغوب مضامین ہیں۔ نمونہ کے طور پر متعلقہ بند ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

پرش اک سر جس اجیارا ۔۔۔ ناؤں محمد جگت پیارا
جہہ لگ سبے پہر تھی سیری ۔۔۔ اد تہ ناؤں منادی پھری
جہہ جہوا وہوناؤں نہ لیجا ۔۔۔ در سر کاٹ اگن مکھ دیجا
دوصر ٹھاؤں دلی یوں کینہا ۔۔۔ وچن سنائی پنتھ کے دنیا
تہہ مارگ جہ چال سرائی ۔۔۔ وہ بہہ گت پہ چھاٹر ھائی

پاپ پن کی تن ریکالی یوں ہرے تہار
دئی لکھا سب ماگھوں دہر کے ہم بھار[1]

فخر دین نظامی کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" چندائن کے بعد کی تصنیف ہے۔ لیکن داؤد کی زبان نظامی کی زبان کے مقابلے میں زیادہ صاف، زیادہ سلیس اور زیادہ رواں ہے۔

دکن کے پہلے شاعر خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہیں۔ ان کے سرمایۂ شعری میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ چند نعتیہ اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اے محمد ہجلو جم جم جلوہ تیرا ۔۔۔ ذات تجلی ہوئی سین سیونہ سیہرا
واحد اپنی آپ تھا اہیں آپ نجھایا ۔۔۔ برکئہ جلوے کا رخ الف میم ہو آیا

عشق توں جلوہ دینے کو کاف نون بسایا پر کٹھ

فخر دین نظامی نے ۸۲۵ ھ سے ۸۳۸ ھ کے مابین مثنوی کدم راؤ پدم راؤ تصنیف کی۔ مثنوی کی زبان سنسکرت اور پراکرت آمیختہ ٹھیٹھ ہندی ہے۔ اس مثنوی میں عام رواج کے مطابق اول حمد اور اس کے بعد نعت کے

[1] چندائن: ملا داؤد صفحات ۵، ۶، بند نمبر (۶)

اشعار ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

محمد جرم آدم بنیاد نور ۔۔۔ دوے جگ سرے دے پرساد نور

۸۳۸ ھ سے ۹۰۰ ھ تک کسی منظوم کتاب کا سراغ نہیں ملتا۔ شاہ اشرف تخلص کے ایک شاعر نے ۹۰۹ ھ میں نوسر ہار مثنوی تصنیف کی، جس میں نعت کے (۲۱) ابیات ہیں۔ سید اشرف بیابانی کی دوسری تصنیف ۔۔۔ لازم المبتدی میں روزمرہ کی زندگی کے مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ ساری مثنوی میں ہر جگہ روح نعت جاری ہے ۔۔۔ "بیان احکام بنائے اسلام" اور "بیان احکام صفت ایمان" کے تحت مندرجہ اشعار اس سلسلہ میں کافی اہم ہیں۔ اشرف کی زبان لسانی ارتقاء میں کافی وقیع ہے۔ زبان بامحاورہ ہے۔ اشرف کے بہت سے محاورے ایسے ہیں جو آج بھی رائج ہیں۔ مثلاً وقت آنا (موت قریب ہونا) اٹھ جانا (مرجانا) غم کھانا (فکر کرنا) زار نزار ہونا۔ (پھوٹ پھوٹ کر رونا) ہاتھ ملنا (افسوس کرنا) پھل پانا (اچھا نتیجہ برآمد ہونا) بال بیکا کرنا (نقصان پہونچانا) ڈانواں ڈول ہونا (متزلزل ہونا)۔ نوسر ہار کے وہ نعتیہ مضامین جو نانا کی زبان سے نواسے کی شہادت کے پیشن گوئی سے متعلق ہیں جذبات نگاری کے مصحف کی لافانی آیات ہیں۔

اسی صدی کے دوسرے باکمال شاعر خوب محمد چشتی گجراتی ہیں جنھوں نے ۹۸۶ ھ میں شیخ کمال محمد کے منقولات متعلق بہ "معارف محمدیہ" نظم کئے۔ اور خوب ترنگ نام رکھا۔ اس مثنوی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے تک آتے آتے زبان کافی سلیس ہوگئی تھی۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

جو سا اکر سی وحدت جان ۔۔۔ جسم محمدؐ سے پہچان
ایک عکس اوس ماں جو ہوئے ۔۔۔ قطب محمدؐ کا ہے سوئے
ایک عکس پھر ایک عکس جو پائے ۔۔۔ یہی ابوالارواح کہلائے[1]

[1] ضمیمہ ہفتہ وار قومی آواز لکھنؤ ۲۴ اگست ۱۹۸۰ء

گیارھویں صدی کا آغاز اردو شاعری اور خاص طور پر اردو نعت گوئی کے لئے بہت ساز گار تھا۔ ۱۰۰۱ ہجری سے ۱۱۰۰ ہجری تک کے متعدد شعراء میں محمد قلی قطب شاہ اور مولانا وجہی قابل ذکر ہیں۔ وجہی کی مثنوی قطب مشتری کافی اہمیت کی مالک ہے۔ اس مثنوی میں نعتیہ ابیات کی تعداد ساٹھ ہے۔ جس میں چھبیس ابیات نعت کے عنوان سے اور چوبیس ابیات معراج کے ذکر میں ہیں۔ وجہی کی زبان کافی صاف سادہ اور سلیس ہے۔ شاعر نے عقیدت و ارادات کے خیالات سیدھے سادے الفاظ میں جذب و کیف کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ وجہی اور نظامی کی زبان میں بیّن فرق محسوس ہوتا ہے دو ایک ابیات نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

محمدؐ نبی ناؤں تیرا ہے — عرش کے اوپر ناؤں تیرا ہے
کہ چودہ فلک کا تُوں سلطان ہے — علیؑ سا تیرے گھر میں پڑھان ہے

قدیم نعت گو شعراء میں محمد قلی قطب شاہ کی شخصیت غیر معمولی طور پر وقیع اور اہم ہے۔ اس کو بانیٔ اسلام سے بیکراں محبت تھی۔ وہ پہلا اردو شاعر ہے جس نے نعتیہ غزلیں کہی ہیں۔ اس سے پیشتر اردو میں نعتوں کا سرمایہ مثنوی کی شکل میں تھا۔ جو رسمی نعتوں کے زمرے میں آتا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نہ صرف یہ کہ پہلا صاحب دیوان شاعر ہے بلکہ وہ ایسا شاعر بھی ہے جس نے مستقلاً نعتیں کہی ہیں۔ اس کے دیوان میں پانچ نعتیہ غزلیں ہیں۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

دیا بندے کو حق نبی کا خطاب — حکم دے دیا نور جوں آفتاب
چاند سورج روشنی پایا تمارے نور تھے — آب کوثر کو شرف ٹھنڈے کے پانی پور تھے

نعت گویوں کے تیسرے دور کے شعراء میں معظم، بلاقی، عالم، احمد اور مختار کے نام بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ معظم نے ۱۰۸۶ ہجری میں معراج نامہ تصنیف کیا تھا۔ وہ قاب قوسین کا مضمون نظم کرتے ہوئے کہتا ہے:

گئے حق سے مقرب ہو جہاں قوسین سے نزدیک — امت کے باب کا حق سوں کئے عرض محشر کا

سید بلاقی کا معراج نامہ بھی کافی اہم ہے۔ بلاقی کے دو ایک نعتیہ اشعار درج ذیل ہیں۔

اول نام اللہ بولوں ابد — ثنا اور صفت تج کروں بے عدد
ثنا اس پیرنت سزاوار ہے — زہے قدرت میں کرتار ہے

اس دور کا ایک دوسرا اہم شاعر عالم ہے جس نے ۱۰۸۷ میں "وفات نامہ" تخلیق کیا۔ اس وفات نامہ کے دو سال بعد سید احمد نے "نور نامہ" لکھا جس میں ۵۳۰ ابیات ہیں۔ اس صدی کے اختتام سے قبل تین ایسی کتابیں لکھی گئیں جن کی تقلید نعت کی دنیا میں بہت زیادہ کی گئی۔ اور وہ ہیں مختار کا "معراج نامہ" ان ہی مختار کا "مولود نامہ" اور فتاحی کا "مولود نامہ" فتاحی پہلا شخص ہے جس نے اپنی تخلیق کا نام مولود رکھا۔ مختار اپنے معراج نامہ کے آخر میں التجا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

محمد یوں مختار کوں کر فدا — تو ایمان اس کو اچھیکا سدا
یو معراج نامہ لکھا یادگار — نبی کے کرم کا اسے ہے ادھار
جو کوئی یو سنے سو دیوے اس دعا — دعا کار کھیا ہے اسے مدّعا

فتاحی کا "مولود نامہ" ایک ضخیم مثنوی کاوش ہے جس میں تین ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

یو فتاحی تیرا کمینہ غلام — تری سو نخ دل بندھیا ہے مدام
کہا رفعتی یو سو نادر بچن — نبوت کے کنئی کھول دیتا چمن
سو فتاحی مولود کو سب تمام — نبیؐ پر ہزاروں سو بھیجا سلام

گیارھویں صدی ہجری کے نعت گو شعرا کی فہرست اس وقت تک تشنہ رہے گی جب تک کہ نصرتی اور ہاشمی کا نام شامل فہرست نہ کیا جائے۔ نصرتی کی نعتیہ کاوشات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ الفاظ و معانی دونوں پر زبردست قدرت رکھتا تھا۔ ایک دو ابیات ذیل میں درج کئے جاتے

ہیں۔

نہیں اے شہنشاہِ دنیا و دیں [illegible] کی ہے صف کا بکر سی نشیں
شرف کو ہی دلیری کی تج سینہ بھید دیا ہیت بکپڑ تیغ کوں ترنج قدر

ہاشمی کا نام سید میراں جی ہے۔ ہاشمی نے بھی ایک "معراج نامہ" کی تخلیق کی، جس کی زبان دوسرے معراج ناموں کے مقابلہ میں کافی صاف رواں اور سادہ ہے۔ شاعر نے پیغمبر اسلام کے تقدم بالشرف کو بدیع ونادر اسلوب میں اس طرح نظم کیا ہے۔

بتیاں کا داد اہے آدم صفی کہ روحاں کا داد اہے خاتم نبی

بارھویں صدی عیسوی کے شعراء میں ولی محمد سرسید کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے شمالی وجنوب کی شاعری کو ایک کر دیا۔ اردو کے ہر مقتدر شاعر نے اس کی عظمت و جلالت تسلیم کی ہے۔ اور اس کی رفعت و اہمیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے۔ ۱۱۳۳ھ میں جب ولی کے دیوان کا مکمل نسخہ دلی آیا تو اسی نہج پر دیوان کو ترتیب دینے کا خیال شمال کے ہر شاعر کو ہونے لگا۔[1] ولی ایک مذہبی آدمی تھا۔ اسے تصوف پر زبردست اعتقاد تھا۔ نعت نبوی کی طرف اس کا میلان طبع فطری تقاضہ تھا۔ اس نے بہت سی وقیع نعتیں لکھی ہیں۔ اس کی ان نعتوں نے معاصرین اور شعرائے آنفہ کے لئے مشعل راہ کا کام کیا۔ ولی کے دیوان میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مخمس اور مستزاد کی شکل میں نعتیں ملتی ہیں۔ یہ نعتیں جذبہ کی پختگی اور عقیدت کے اتقان کی مظہر ہیں۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

ہم کو شفیع محشر وہ دیں پناہ بس شرمندگی ہماری عذر نگاہ بس

تلمیحات ولی کی نعتوں میں ایجاز پیدا کرنے میں اعجاز دکھاتی ہیں۔

یسین وطہ والضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں۔
واللیل اور والشمس ہے تجھ زلف و مکھ کی دھیان میں

۱۔ ولی کا دبستان شاعری: ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی صفحہ ۶۵

"لولاک لما خلقت الافلاک" کا مضمون کس خوش سلیقگی سے نظم کیا گیا ہے۔

افلاک سب پیدا ہوئے تو لاک کے الحان میں
تجھ پار سوں راحت اچھو نہیں موسناں کی جان میں

ولی کی نعتیں اس لئے بھی کافی وقیع اور اہم ہیں، کیونکہ وہ معتدل ہیں اور افراط وتفریط سے مقام سے پاک ہیں۔ مضامین نعت پر تقدس و احترام اور عقیدت وخلوص کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ مضامین قرآن و احادیث بے حد نیازمندانہ طور پر نظم کئے گئے ہیں۔ اسلوب بیان صاف ستھرا اور عام فہم ہے۔

سراج اور ان کے بعد کا زمانہ عبوری زمانہ تھا۔ اس میں قدیم رنگ کی شاعری ختم ہوئی ہے۔ اور نئے طرز کا آغاز ہوتا ہے۔ سراج کے یہاں رسمی نعتیں ملتی ہیں۔ وہ اپنے نعتیہ مضامین میں انتہائی سادگی کے ساتھ بانی اسلام کے عام اوصاف نظم کرتے ہیں۔ اس کی نعتوں میں سوز و گداز کا فقدان ہے۔

بارھویں صدی ہجری کے شعرائے نعت میں دو شاعر امتیازی اوصاف کے حامل ہیں۔ جنھوں نے "شمائل نامہ" کے نام سے نعتیہ ذخائر حوالۂ قلم کئے ہیں۔ ان شمائل ناموں کے مصنفین عبدالمحمد ترین اور عثمان ہیں۔ جن میں مؤخر الذکر کی زبان مقدم الذکر کے مقابلے میں زیادہ سلیس اور اور زود فہم ہے بارھویں صدی ہجری معراج ناموں کے سلسلے میں بہت مشہور ہے۔ اس صدی میں بہت جاندار معراج نامے لکھے گئے۔ ان معراج ناموں میں پانچ معراج نامے بیان کی ندرت کی وجہ سے زندہ جاوید بن گئے ہیں۔ اعظم کا معراج نامہ زبان وبیان کی صفائی اور جذبات کی سادگی کی وجہ سے قابل ذکر ہے۔ محمد ابن مجتبیٰ مہدی نے اپنے معراج نامہ میں اپنی زبان کو ہندوستانی کہا ہے۔ یہ معراج نامہ ۱۱۸۱ھ میں تصنیف کیا گیا تھا۔ مصنف نے اس کا نام بحر المعانی رکھا ہے۔

لکھی ہندوستانی میں عبارت سو بعضے بول دکھنی میں عبارت

کمال الدین کمال نے شاہ بلاقی کے معراج نامہ کو اغلاط سے پاک کرنے کے خیال سے ۱۱۹۱ ہجری میں ایک دوسرا معراج نامہ لکھا اور اپنی زبان کو ہندی کہا۔

بعد ہ معراج نامہ یک تیج — جو عبادت سے عرب کے تھا صحیح
تم کرد ہندی میں اس کا ترجمہ — تاکہ سب کو نفع ہوئے ہر جگہ

چوتھا معراج نامہ ظہیر ترابی صاحب اورنگ آبادی کا ہے جن کا تخلص شفیق تھا۔ شفیق کا معراج نامہ اس لئے بھی اہمیت و وقعت کا حامل ہے کیونکہ وہ ایک غیر مسلم شاعر کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ زبان صاف سادہ ہے تراکیب درست قابل تعریف ہے۔ پانچواں معراج نامہ شاہ ابوالحسن قزلی کا ہے جس نے اپنے معراج نامہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ وہ اپنی نعتیہ کاوش میں صرف احادیث صحیحہ کو جگہ دے۔

اس صدی میں وفات نامہ بھی لکھے گئے اور اس سلسلہ میں دو نام زیادہ نمایاں ہیں۔ علی بخش دیا اور میر ولی فیاض، دلی دہلوی۔ جوہر الرزکر کا وفات نامہ مقدم الذکر کے وفات نامے سے پچاس سال بعد منصہ وجود میں آیا۔ اس لئے ولی کی زبان دریا کی زبان کے مقابلے میں زیادہ صاف اور رواں ہے۔

سیرت طیبہ کے باب میں دو نعتیہ ذخائر قابل ذکر ہیں جن کی ضخامت بھی قابل لحاظ ہے۔ فراز مش علی خاں شیدا نے ۱۱۸۶ ہجری اور ۱۱۷۳ ہجری میں دو کتابیں "اعجاز احمدی" اور "روضۃ الاظہار" لکھیں۔ مثنوی "روضۃ الاظہار" چار حصوں میں منقسم ہے۔ جن میں پیغمبر اسلام کی مکمل حیات مقدسہ نظم کی گئی ہے۔ دوسرا قابل ذکر نعتیہ ذخیرہ "بشت بہشت" ہے۔ جو محمد باقر آگاہ کی تخلیق ہے۔ لائق مصنف نے اپنی اس [illegible] کے ذریعہ سیرت پاک اور اخلاق حسنہ کو نعتوں کے اندر محفوظ کر دیا۔

اس طور پر اس صدی میں رسمی نعتوں کے علاوہ مقصدی نعتیں بھی لکھی گئیں۔ لیکن ان مقصدی نعتوں میں سے اکثر مثنوی کی ساخت میں ہیں۔۔

اس صدی میں دو ایسے شاعر بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے دیگر اصناف سخن

میں بھی نعتیہ کاوشات حوالہ کی ہیں۔ فدوی نے اپنے دیوان کے آغاز میں (۷۷) اشعار کا ایک قصیدہ لکھا ہے۔ جس میں حمد و نعت و منقبت سبھی کچھ ہے۔ محمد شریف مفتون کے قلمی دیوان میں ۳ قصیدے ملتے ہیں۔ جو کافی جاندار ہیں۔

تیرھویں صدی ہجری میں دکنی شاعری کے افق پر بہت اچھے اچھے نعت گو شعرا طلوع ہوئے۔ جن میں شیر محمد خاں ایماں، اعز الدین خادم ۱۲۴۰ ہجری، خواجہ فیاض الدین بندہ م ۱۲۸۵، خواجہ معین الدین شاہ موشم ۱۲۸۴ ہجری، خواجہ عبداللہ خاں خیر، محمد حیات خاں میسوری، فیاض الدین خاں ادب، شیخ محمود علی ناظم حیدرآبادی، مداح نواب ارسطو جاہ خاص اہمیت و شہرت کے مالک ہیں۔ ان حضرات نے نعت میں مستقل تصنیفات چھوڑی ہیں۔ متذکرہ بالا نعت گو شعرا میں شیر محمد خاں ایماں کا نام ۔۔۔ سر فہرست ہے۔

چودھویں صدی ہجری نعتیہ سرمایہ کے نقطۂ نظر سے تیرھویں صدی ہجری کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے۔ اس صدی کے ناعتین میں سب سے زیادہ اہتمام بالشان شخصیت حاجی اعظم علی شائق کی ہے۔ جن کے کلام نے شہرت دوام اور قبول عام کی سند لی۔ موصوف نے اردو نعت کو گیت اور ٹھمری کے سہارے ہندوستانی فضا سے روشناس کیا۔

جنوبی ہند کے نعت گو شعرا میں خطیب مدراسی م ۱۳۴۳ ہجری اور سیٹھ محمد اسمٰعیل مخدوم مدراسی م ۱۲۴۸ ہجری صاحب دیوان نعت گو شاعر ہیں جن کے دو اوین نعت زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اسی صدی کے شعرا میں ترچناپلی کے غلام مصطفےٰ راسخ کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

دور حاضر میں بہت سے ایسے دکنی شعرا ملتے ہیں۔ جو شعری پختگی اور تابش عشق رسولؐ کے نقطۂ نگاہ سے کافی اہم ہیں۔

چودھویں صدی میں محمد نظام الدین مصلی کی شخصیت اس لئے اہم ہے کیونکہ

انھوں نے نعت میں دو مستقل دیوان مرتب کئے ہیں۔ معلیٰؔ ذکر نبی کو اوراد و وظائف کا درجہ دیتے ہیں:

اے معلیٰؔ نہ کبھی نعتیہ اشعار کو چھوڑ
کافی ہے ورد یہی بارہ مہینہ تجھ کو

اسی اس صدی ہجری میں منشی محمد شمس الدین، امیر حمزہ، اپنی انفرادیت کی وجہ سے اہم ہیں۔ کیونکہ انھوں نے کئی جاندار نعتیہ ٹکڑیاں کہی ہیں۔ ان کے نعتیہ سرمایہ میں کئی جاذب قلب سلام بھی ملتے ہیں۔ حمزہ نے نعتوں میں ڈرامائی انداز پیدا کیا ہے۔ وہ الفاظ سے تحرک، رقص اور مکیف صوتیت کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

اس صدی کی نعت گو کئی پیر خامہ فرسائی کرتے ہوئے راجہ مکھن لال کا نام فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مکھن لال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں کامیاب نعتیں کہیں ہیں۔ ان کا ایک خاص رنگ یہ ہے کہ وہ کہیں کہیں ایک ہی نظم میں اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اشعار نظم کرتے ہیں۔ انھوں نے مسدس کی ہیئت میں بھی نعتیہ نظمیں لکھی ہیں۔ ایک نعتیہ تضمین بھی ان کے دیوان کی زینت بنی ہوئی ہے۔ ان کی نعتوں میں داخلیت اور خارجیت کا حسین امتزاج ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اردو کا پہلا نعت گو شاعر جو اردو زبان و ادب کا پہلا شاعر بھی ہے شمالی ہند سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شاعر ملا داؤد ہے۔ جس نے اپنی تخلیق چندائن میں جو ۷۸۱ھ کی تصنیف ہے باقاعدہ طور پر نعت شامل کی تھی۔ راقم السطور ماقبل میں چندائن اور اس میں شمول نعت پر تبصرہ کر چکا ہے۔ راقم کو ملا داؤد کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال کے طویل عرصہ تک کوئی نعت گو شاعر نہیں ملا۔ چندائن تخلیق سے ۱۴۶ سال بعد افق نعت پر شمالی ہند کی مشہور کتاب پدماوت طلوع ہوتی ہے۔ جس کے ایک بند میں مکمل طور پر قدرے تفصیل کے ساتھ اور

حمد سے متعلق ابیات میں سے ایک بہت میں اجمال کے ساتھ نعت پر خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ پدماوت کے مصنف ملک محمد جائسی نے اپنی دیگر دو تصانیف اکھراوٹ اور آخری کلام میں بھی نعت کے مقدس موضوع کو باقاعدہ جگہ دی ہے۔ جائسی اور ان کی تصانیف میں شامل نعتیہ کاوشات پر مفصل بحث اس مقالہ کے تیسرے باب میں کی جائے گی۔

میر تقی میر سے پہلے شمالی ہند کے شعرا اپنے شعری سرمایہ میں نعتیہ مضامین رسماً و تبرکاً شامل کرتے تھے۔ لیکن میر کے نعتیہ اشعار پر تبرکاً و رسماً والی بات پوری طور پر صادق نہیں آتی۔ میر کی نعتیہ کاوش میں سادگی اور واقعیت ہے۔ اور اسی لئے اثر بھی۔ داخلیت اور سوز و گداز سے ان کے مضامین نعت معمور ہیں۔

سودا نے میر کے مقابلہ میں زیادہ نعتیں کہی ہیں۔ داخلیت سودا کی نعتوں میں پوری رعنائی و برنائی کے ساتھ موجود ہے۔ ان کی نعتیں قصیدہ غزل اور مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ تخیل کی جدت و شگفتگی، اور جذبات کی لطافت نے ان کی نعتیہ کاوشات کو دلآویز بنا دیا ہے۔ بانی اسلام کے حقیقی اوصاف، مضامین شفاعت، پیغمبر اسلام کے حسن و جمال، آپ کی اولیت و اولویت کا بیان سودا کی نعتوں کے خاص مضامین ہیں۔

نظیر اکبر آبادی کی شاعری میں بلا کا تنوع پایا جاتا ہے۔ ان کی کلیات میں مذہبی شاعری ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ نظیر کی جدت پسند طبیعت نے نعتیہ مضامین میں بھی رنگا رنگی پیدا کی ہے۔ کلمہ محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم" کے زیر عنوان لکھی گئی نعتیہ کاوش اس کی جدت پسند افتاد طبع کا ثمرہ ہے۔ نظیر کی نعتیں تعجب خیز حد تک عقیدتمندانہ بے اعتدالیوں سے پاک ہیں۔

مومن کرامت علی شہیدی، مومن خاں مومن، لطف اور غلام امام شہید نے نعت کو اتقان و استحکام عطا کیا۔ اور یہ حضرات اپنی فطری

صلاحیتوں کو بے حد خلوص کے ساتھ بروئے کار لائے۔ انھوں نے جو جو کچھ کہا ہے اثر میں ڈوب کر کہا ہے۔ ان کے کلام میں دل سے نکل کر دل میں جاگزیں ہونے والی بات ہے۔ کلام میں بلا کی داخلیت اور سوز و گداز ہے۔ شہیدی صحیح معنوں میں عاشق رسول تھا۔ اس کے یہاں ۔۔ عقیدت اور شیفتگی کا وفور ہے۔ محسن کی نعتوں کا خلوص، دل اثر قابل توجہ ہے۔ محسن نعتیہ ماحول کی عظمت و صلابت سے واقف ہیں۔ وہ الفاظ و تراکیب کے استعمال میں پاس ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سنجیدہ رہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے نعتیہ قصائد میں مذہبی تلمیحات اور طبی مصطلحات نظم کی ہیں۔ اور نعت کو عقلیت و استدلال سے روشناس کیا ہے۔ شہیدی نے نعت کے معاصیر کو آگے بڑھانے میں امداد بہم پہونچائی ان کی میلاد شہیدی آج بھی پورے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ انھوں نے نعتیہ قصائد کو جوش سے آشنا کیا۔ ان کے نعتیہ قصائد کی ترصیع اور الفاظ و جذبات کا آہنگ قاآنی کی یاد تازہ کرتا ہے۔

انشاء اللہ خاں انشا کے جدت پسند مزاج نے ایک نعتیہ خمسہ میں مضمون کی ندرت کے ساتھ ایسی گل کاریاں کی ہیں کہ وہ آگا خمسہ کی وجہ سے اردو نعت گو شعرا کی فہرست میں درخشاں نظر آتے ہیں ۔۔۔!

محسن کاکوروی کا زمانہ اردو نعت گوئی کا عہد زریں کہا جا سکتا ہے محسن کے طبعی مزاج کو نعت کے مقدس مضامین سے خاص شغف تھا۔ وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نعت کو مستقل صنف کی حیثیت عطا کی محسن نے رسمی اور تانوی حیثیت سے نعت کو اپنا شغل سخن نہیں بنایا۔ بلکہ انھوں نے اپنی تمام صلاحیتیں، اپنی تمام توجہات اور فکر و فن کی تمام جولانیاں نعت کے دراز گیسو کو سنوارنے میں صرف کر دیں۔ ان کے یہاں نعتیہ طبع آزمائی جملہ مروجہ اصناف سخن میں

ملتی ہے۔ ان کی آواز اتنی جاندار انفرادیت کی حامل ہے کہ اس کی مثال نہ اس سے قبل ملتی ہے۔ اور نہ اس کے بعد ہی زمانہ اپنی گوناگوں ہمہ جہتی ارتقا کے باوجود اس کی شبیہہ پیش کر سکا۔

"محسن نے فنی نقطۂ نظر سے اردو نعت گوئی کو معراج کمال تک پہونچا دیا۔ ان کی نعتوں میں قصیدے کا جلال، مثنوی کا رنگ اور غزل کا کیف بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ان کی نادر تشبیہات اور بلیغ استعارات اردو شاعری میں میر انیس کے علاوہ کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ہیں۔ ان کے یہاں شعر کی بنیاد صدق اور خلوص دل پر ہے۔ ان کا موضوع شعر پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کی ذات پاک ہے۔ محسن کے یہاں ہمیں موضوع کے اعتبار سے جدت 'INNOVATION' اسلامی اور ہندی تصورات کا حسین اور دلکش امتزاج (CONFLUENCE) حدیث اور عقائد کی صحت (AUTHENCITY) خلوص و محبت کے اظہار میں تہذیب و متانت (SOBRIETY) کا پاس ملتا ہے۔ ان کی زبان فصیح و شستہ ہے۔ تسنیم و کوثر کی دھلی ہوئی زبان ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ ان کی زبان میں تخلیقی شان پائی جاتی ہے۔"[1]

ان کی نعتوں میں مقامی رنگ کا وجود ان کی جدت طبع کا مظہر ہے۔ برسات کا موسم اس کے اثرات، ہندوانہ ماحول، مقامی معتقدات و رسوم، میلے، تقریبات، ہندی تلمیحات، ہندی دیومالا، ہندوی معاشرت، ہندوستانی تشبیہات، و استعارات اور ہندوؤں کی مذہبی روایات

---

[1]: دبستان لکھنؤ کی آبرو: ریاض الحسن ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، فروغ اردو لکھنؤ محسن نمبر ماہ جون، اپریل مئی ۱۹۷۰ء صفحہ ۱۴۳

ہندی کے حسین و لطیف اور شیریں الفاظ کی آمیزش کے ساتھ، بڑی فنکارانہ مہارت سے نظم کی گئی ہیں۔ نعت کے میدان میں ان کے یہ اضافہ قابلِ قدر ہیں۔ محسن کی نعتیہ کاوشات، موضوع کی عظمت کے علاوہ فنی نقطۂ نظر سے بھی اہم ہیں۔ ان کا مشہور لامیہ قصیدہ، جس کا پہلا مطلع ہے۔

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل

اس قدر منظم اور مربوط ہے کہ وہ مثنوی اور غزل کے فنی معیار پر بھی پورا اترتا ہے۔ بیانیہ ربط و تسلسل میں مثنوی کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ محسن فطرتاً جمالیت پسند تھے۔ اسی لئے ان کی نعتوں میں یاسیت، بے کیفی، بددلی اور دروں کی فضا نا پید ہے۔ ان کی جبلّی رجائیت نے لفظ و معنی دونوں ہی میں بداعتِ خیال اور ندرتِ اسلوب کی گل کاریاں دکھائی ہیں۔

امیر مینائی محسن کاکوروی کے دکھائے ہوئے راستے پر کامیابی کے ساتھ چلے ہیں، کہ طبیعت میں مذہبی رجحان اور پیغمبر اسلام کا عشق رچا ہوا تھا۔ اس لئے وہ جادۂ محسن میں خوش اسلوبی کے ساتھ رعنائیاں بکھیرتے رہے۔ فطری جوش و عقیدت، فرطِ محبت، پاس ادب اور شائستگی و تہذیب کے لحاظ نے ان کی بعض نعتیہ غزلوں کو دلکشی و دلآویزی کا مرقع بنا دیا ہے۔ شائق اور محو دونوں ہی دکنی شعراء ہیں۔ لیکن وہ شعر و سخن میں امیر و محسن کے مکتبۂ فکر سے منسلک ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے نے ہندوستان میں ہمہ جہتی انقلاب برپا کر دیا۔ پرانے اقدار و معاییر کی جگہ نئے قدروں اور نئے معیاروں نے لے لی۔۔۔ جدیدیت کی روایت بڑی حد تک اسی انقلاب کے بطن سے پیدا ہوئی ہے۔ جدید اردو شاعری حالی کے اصلاحی ذہن کی رہینِ منت ہے "حالی سے ہمارے ادب میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے"[1]۔ ان کے اصلاحی

---

[1]: شعر نو: ڈاکٹر محمد حسن۔ صفحہ ۹۵۔ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ۔ طبع اوّل ۱۹۶۱ء۔

کارناموں میں اس مشاعرہ کو بڑی اہمیت ہے جو کرنل ہالرائیڈ کی زیرِ سرپرستی اور محمد حسین آزاد کی کاوشوں سے ۱۸۷۴ء میں ہوا تھا۔ حالی نے ۱۸۷۴ء کے اس مشاعرہ میں جو نظم پڑھی۔ اس میں مصرعِ طرح کی جگہ عنوان کا تقرر کیا گیا تھا۔ انھوں نے زمانہ کی روش کو اسلوب سے زیادہ مضمون اور مضمون آفرینی سے زیادہ سادگی اور اصلیت کی جانب متوجہ کیا۔ ان کے نزدیک شعر کی خوبی یہ ہے کہ سادہ ہو جوش سے بھرا ہو۔ اور اصلیت پر مبنی ہو[2]۔ حالی وزن کی شرطِ شعر کے لئے نہیں بلکہ نظم کے لئے ضروری سمجھتے ہیں[3]۔ وہ تعلیماتِ نبوی سے بے حد متاثر تھے۔ دردمندی، رقت، سوز و گداز، خلوصِ نیت، ایثار، انسان دوستی حالی کی شخصیت کے مابہ الامتیاز عناصر تھے۔ ان کی طبعی افتادِ نعت کے لئے بہت موزوں تھی۔ پرانی غزلوں کو چھوڑ کر انکی ساری شاعری اسلامی اقدار کے محور پر گردش کرتی ہے۔ اور ہر جگہ بانیٔ اسلام کے پیغامات اور آپ کی پاک سیرت منعکس نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ حالی نے براہِ راست نعتیں لکھیں جو کہ نعت گو شعراء کے لئے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حالی کی صدائے بازگشت عصرِ حاضر کی نعتوں میں سنائی پڑتی ہے۔ مسدس نے عملی دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ حالی کی مسدس کی نعتیہ کاوشات نے اردو نعت کو خلوص، محبت، تڑپ، درد، جوش، اخوت، مساوات، ہمدردی اور افادیت و مقصدیت سے آگاہ کیا۔ نیز مبالغہ آرائی، غیر ضروری معنی آفرینی، زبان و بیان کے ظاہری شان و شکوہ اور تخیل کی آزاد پرواز سے پاک کیا۔ اس نے جذبات کو معصومیت و طہارت اور زبان کو سلاست و بے ساختگی عطا کی۔ حالی نے ظاہر سے زیادہ باطن اور زبان سے زیادہ

---

[2]: مقدمہ شعر و شاعری: حالی صفحہ ۳۷۔ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ طبع اول ۱۹۶۱ء

[3]: مقدمہ شعر و شاعری: حالی ص ۳۷ رام نرائن لال بنچی مادھو کٹرہ الہ آباد

معنی پر زور دے کر نعت کے رُخ کو ردِ ایتی انداز سے موڑ کر نئی سمت کر دیا۔ بیسویں صدی کی ساری تگ و دو حالی کی عطا کردہ ہے۔ یہ حالی ہی کا کارنامہ ہے کہ دورِ حاضر کی نعت جذب و اظہار کے حصار کو توڑ کر بانیٔ اسلام کے حیات بخش نمونہ کو جاندار طور پر پیش کر رہی ہے۔ حالی کی اسی بغاوت کا اثر ہے کہ اب نعت جملہ ممکنہ اصناف سخن میں اپنے جلوے دکھا رہی ہے۔ پندرہ سولہ سال سے نظمِ معرّیٰ اور آزاد نظم کی ہیئت میں بھی دلکش نعتیں لکھی جا رہی ہیں۔ موضوعاتی نقطۂ نظر سے حالی نے نعت میں ہمگیراں وسعت پیدا کر دی اور اسلامی اقدار کی شمولیت سے اس کے دامن کو بے حد وسیع کر دیا۔ انھوں نے نعتیہ ادب کو مقصدی شکل دے کر اس کو اخلاقی مضامین سے معمور کر دیا۔

حالی ہی کی طرح شبلی مذہبی اور اخلاقی مضامین پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور نعت میں مقصدیت اور افادیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ شبلی کی زبان میں بلا کی قوت تھی۔ جو ان کی نعتوں میں بھی سرایت کئے ہوئے ہے۔ ان کی نعتوں کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ قاری کے دل میں بانیٔ اسلام کی عظمت و جلالت کو متمکن کر دیتے ہیں شبلی بنیادی طور پر مورخ اور سیرت نگار تھے۔ اسی لئے انھوں نے نعت کو صرف والہانہ تصدق اور جذب و شوق کا آئینہ دار نہیں بنایا۔ بلکہ اس میں اخلاقی و تاریخی رنگ بھر کر اس میں بلا کی خوبی اور بلندی پیدا کر دی۔ ان کی تاریخی اور اخلاقی نظموں میں سے ہر ایک بقول سید سلمان ندوی۔ "اپنی خوبی اور بلندی کے لحاظ سے اردو کے بڑے بڑے ضخیم دیوانوں کے مقابلہ میں بھاری ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اردو ادب میں ان کی کوئی مثال نہیں۔ اور نہ اب تک ان کی تقلید کی جا سکی ہے"[1]

---

[1]: کلیاتِ شبلی۔ شبلی طبع سوم۔ معارف پریس اعظم گڈھ ۱۹۴۰ء۔
کلیاتِ شبلی۔ شبلی صفحہ ۱۸ مرتبہ سید سلیمان ندوی۔ معارف اعظم گڈھ طبع پنجم ۱۴۰۱ھ، ۱۹۸۱ء

مولانا عبدالعلیم آسی غازی پوری نے نعت میں جذب و مستی۔۔۔ محبوبیت و مشاہدہ، سادگی و پرکاری کو داخل کیا۔ ان کے اس رنگ کو اکبر داناپوری، بے نظیر شاہ وارثی، کرامانیکپوری اور اکبرالہ آبادی نے چوکھا کر دیا۔ یہ تینوں حضرات آسی کے شاگردوں میں خاص درجہ کے مالک ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک متبحر عالم اور شیدائے رسول تھے۔ آپ احکام شریعت میں بڑے سخت تھے۔ اور شریعت اسلامیہ کے مسلفیں اور نگراں علماء میں وقیع اہمیت کے مالک تھے۔ موصوف نعت گوئی میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ صاحب دیوان نعت گو شاعر ہیں۔ آپ کا کلام افراط و تفریط سے پاک ہے۔ آپ نے "الملفوظ" میں نعت گوئی پر ایک جامع مضمون لکھ کر اس صنف میں جولانی طبع کے باریک بین ہونے کو لازم قرار دیا ہے۔ مولانا کی نعتوں میں تشبیہات و استعارات، محاورات و روزمرہ تلمیحات و مصطلحات کا برجستہ استعمال گیا ہے۔ عقیدتمندی آپ کے رشحات قلم کا مفید عطیہ ہے۔ صنائع و بدائع کا استعمال فطری ہے۔ نعتوں میں ترنم اور گھلاوٹ لائق تحسین ہے۔

فتحپور ہنسوہ کے رہنے والے ابرار عالم صاحب ابرار کی شخصیت اردو کے نعت گو شعراء میں کافی اہم ہے۔ موصوف صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ کے دیوان میں ردیف وار غزلیں ہیں۔ حروف تہجی میں سے ہر حرف کی ردیف پر غزلیں ملتی ہیں۔ فارسی زبان میں کہی گئی آپ کی نعتیہ غزلیں بھی شامل دیوان ہیں۔ نعتیہ غزلوں کے علاوہ آٹھ مدس بھی ہیں۔ جو اردو زبان میں ہیں۔ ابرار نے ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں اپنے نعتیہ دیوان کو پایۂ اختتام پر پہونچایا۔ ان کی زبان صاف سادہ رواں اور شیریں ہے جذبات میں شیفتگی اور نظافت ہے۔ معجزات نبوی کو روایتی صداقت کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔ تاریخی صداقت ہے کہ نبیوں نے بانیٔ اسلام کی رسالت

کا اقرار کیا تھا۔ ابرار اس مضمون کو کس خوبی اور برجستگی سے ادا کرتے ہیں۔

کیا دبدبہ بالا ہے رسولِ مدنی کا　　بت بول اٹھے از پئے اقرارِ رسالت

ان کے یہاں صنائع و بدائع، تشبیہات و استعارات اور روزمرہ و محاورات کا استعمال بہت برجستہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابرار جان بوجھ کر صنائع و بدائع استعمال نہیں کرتے بلکہ صنعتیں خود ان کی نعتوں میں افادیت بڑھانے اور زینت میں اضافہ کرنے کے لئے آگئی ہیں۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو۔

سرورِ دیں کو یہ عزیز نہ تھا　　زرد ہے رنگ اس لئے زرد

مراعاۃ النظیر، حسن تعلیل، اور صفت زائد و ناقص کا کس قدر حسین و لطیف استعمال ہے۔

فخیور نہسوہ کے دوسرے قابل ذکر نعت گو سید واحد علی وحید ہیں۔ وحید نے بھی ایک نعتیہ دیوان بطور یادگار چھوڑا ہے۔ جس میں قصیدے غزلیں اور مدس شامل ہیں۔ ان کا نعتیہ دیوان ضخامت میں مختصر ہے۔ لیکن زبان کی صفائی اور خیال کی پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے قابل توجہ ہے۔ ابرار اور وحید دونوں ہی حالی سے متاثر تھے۔ اور دونوں ہی نے مبالغہ اور طمطراق الفاظ سے دور رہ کر سیدھے سادے الفاظ اور دل پذیر انداز میں نعت نبوی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

سید علی حیدر نظم طباطبائی کی نعتیہ کاوشات اس لئے اہم ہیں کہ انھوں نے استعارات کی لطافت، تشبیہات کی ندرت، تشبیب کی شگفتگی، گریز کی براعت، منطقی انداز بیان، محاکاتی اسلوب اظہار، گہرائی، گیرائی، علمیت اور شعری صلاحیت سے قصیدے کی دنیا میں نعت کا سکہ بٹھا دیا۔ اور اردو نعتیہ قصائد کو نیا رنگ و روغن عطا کیا۔ شاعر نے نعتوں میں حیات انسانی کے رموز تلاش کئے۔ اور شعری جاذبیت کے ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو سنجیدہ اور متین انداز میں پیش کیا۔

عزیز لکھنوی نے اپنے نعتیہ قصائد میں تغزل کی مفید آمیزش کی۔ عزیز کی بحریں مترنم ہیں اور الفاظ رواں صاف، لطیف سبک اور شیریں ہیں۔ انکی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کم سے کم لفظوں میں بڑے سے بڑے مفاہیم کو ایجاز کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ فرسودہ مضامین کو اسلوب کی ندرت سے جاذب سامعہ و وجدان بنا دینے میں۔ عزیز کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ عزیز نے بانیٔ اسلام کے جمالی پہلو کے ساتھ جلالی پہلو کو بھی شعری تفکر کا مطمح بنایا ہے۔ وہ کبھی کبھی سکاتی انداز بیان سے نعتیہ کاوش کی دل کشی اور دلاویزی بڑھا دیتے ہیں۔

حالی کے بعد اردو نعت میں سب سے زیادہ اہم شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ ان کے یہاں رسمی نعتیں نہیں کے برابر ہیں۔ لیکن ان کا سارا سرمایۂ شعری اسوۂ رسول اور سیرت پیغمبر مدنی کے حقیقی محور پر گردش کرتا ہے۔ ان کے فلسفۂ خودی کا تسلسل بھی اسوۂ رسول ہی ہے۔ ان کے فکر و فن کا نقطۂ آغاز بھی رسالت ہے اور نقطۂ ارتقاء اتمام بھی رسالت ہے[1]۔ علامہ اقبال نے نعتوں میں حکیمانہ مضامین داخل کر کے نعت میں بے کراں وسعت پیدا کر دی۔ اقبال کے نعتیہ بیان میں افادیت کا عنصر ہر جگہ مستولی ہے۔ اقبال نے دیار حبیب کی تعریف پر مبنی نعت نہیں کہی ہے۔ لیکن ان کا رنگ دیگر نعت گو شعراء سے بالکل جدا ہے۔ انھوں نے پیغمبر اسلام کے فدائیوں اور شیدائیوں کو ملکی و قومی حد بندیوں کو توڑ کر ایک مرکز سے وابستہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ ان کے یہاں رسمی نعتیہ غزلیں یا نعتیہ نظمیں مفقود ہیں۔ لیکن نعت کی روح ان کے بیشتر کلام میں جاری و ساری ہے۔

مذہبی جوش و خروش کے نقطۂ نظر سے مولانا ظفر علی خاں کی نعتیں بہت جاندار ہیں۔ ان کا کلام غلو سے پاک ہے۔ ان کی نعتیں محاکات نگاری کے

---

[1] : اردو کی نعتیہ شاعری : ڈاکٹر فرمان فتحپوری۔ صفحہ ۵۷
طبع۔ اول ۱۹۷۴ء

سلسلے میں وقیع ہیں۔ مولانا بانیٔ اسلام کی سیرت اور آپ کے محاسن کا نقشہ اسقدر جاندار طریقہ سے کھینچتے ہیں کہ ان کے ہر مرقعے زندگی سے معمور نظر آتے ہیں۔

اصغر کی نعتوں میں پاکیزگی کے ساتھ رعنائی خیال اور حسن بیان ہے۔ جذبہ و آہنگ روح کی پاکیزگی اور لطافت ان کی نعتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کا نعتیہ کلام عالم وجد و حال طاری کر دیتا ہے۔ ان کے خامہ رنگین نگار کی ایک جنبش نشاط روح کا چمن کھلا دیتی ہے۔ حسرت کے نعتیہ مضامین میں بلا کی آمد ہے۔ جو عشق رسول میں ان کے وفور شیفتگی کی مظہر ہے۔ حسرت کی نعتوں نے نعتیہ زبان کو رفتہ رفتہ شگفتہ و شستہ اور خوشنما بنا دیا۔ ان کی برجستہ ہوئی ترکیبیں نرالے پن کے بانکے اور اچھوتے ٹکڑے بے حد پُر کیف اور وجد آور ہیں۔

اجمل کی شخصیت بھی اردو نعت گوئی کے ارتقاء میں فراموش نہیں کی جا سکتی۔ جذب و شوق کی ترجمانی، اثر آفرینی، عشق و مستی، تڑپ اور شوق کی وجدانی کیفیات کے اظہار نے ان کی نعتوں میں جان ڈال دی ہے ان کی نعتیں مذہبیات سے قطع نظر ادبی لحاظ سے بھی بلند پایہ ہیں۔ جگر نے نعتیہ شاعری کو رنگین سادگی سے متعارف کرایا۔ ان کی نعتوں کی خوشگوار رنگینی نظر کش دام و خاص ہے۔

غیر مسلم نعت گو شعراء میں پنڈت ہری چند اختر، تلوک چند محروم، عرش ملسیانی، امر چند قیس، منور لکھنوی، منور مہندر سنگھ بیدی، فراق گورکھپوری اور جگناتھ آزاد کے اسمائے گرامی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اکثر مسلمان شعرائے نعت کی طرح ہندو نعت گو شعراء کے یہاں رسمی نعتوں کی فراوانی ہے۔ ان نام نہاد نعت گو شعراء میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھیں صحیح معنوں میں شاعر نعت کہا جا سکتا ہے۔ دتو رام کوثری کی شخصیت حقیقی نعت گو شاعر کے عناصر سے مزین ہے انھوں نے رسمی

نعتوں سے ہٹ کر بہت سی جاندار نعتیں کہی ہیں جن میں زندگی سانس لیتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ عصری شاعری کی نقطۂ نگاہ سے ان کی نعتیں بہت اہم ہیں۔ لزوم مالا یلزم کے طور پر انھوں نے ایک پورا غیر مفروط نعتیہ دیوان مرتب کیا ہے۔ اس دیوان میں ان کے خلوص کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے انھوں نے یہاں بجائے کوثری کے اپنے اصلی نام دتو رام کو بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ ان کا یہ نعتیہ دیوان زبان و دل کا دلکش سنگم ہے۔ زبان کی صفائی و جذبات کی پاکیزگی ان کے نعتیہ کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ لیکن ان کی سادگی میں بلا کی پُرکاری ہے۔

محمد اکبر خاں اکبر میرٹھی نے کئی نعتیہ مجموعے بطور یادگار چھوڑے ہیں۔ اکبر میرٹھی عالم باعمل تھے۔ خلوص اور عقیدت کے گرانمایہ اوصاف سے متصف ہونے کی وجہ سے ان کے نعتیہ کلام میں تڑپ، بے قراری، درد اور سوز و گداز ہر جگہ موجزن ہے۔ عربی و فارسی کے متبحر عالم ہونے کے باوجود ان کی نعتیں سلاست روانی تبدش کی چستی، صفائی، سادگی اور شیرینی میں آپ اپنی مثال ہیں۔ ان کی نعتیں تصنع اور تکلف سے پاک ہیں ان کی نعتیہ نظمیں، غزلیں اور سلام بھی اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اقبال سہیل [illegible] سے فطری وابستگی تھی۔ اس لئے ان کی نعتوں میں ہر جگہ آمد ہے۔ آورد کہیں نام کو بھی نہیں ہے۔ ان کی نعتیہ کاوشات کی دوسری امتیازی خصوصیت مناظر فطرت کی عکاسی ہے۔ اقبال سہیل نے منظر کشی اور واقعہ نگاری کے باب میں اپنی نعتوں کے ذریعہ شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔

سید محمد ہادی نے منقبت میں نعت کو شامل کرنے کا التزام کیا۔ ہادی سے پیشتر منقبت میں مضامین نعت ضمنی حیثیت رکھتے تھے۔ اصحاب نبیؐ کے اوصاف حسنہ، تعلیمات نبوی کی رہین منت ہیں۔ اس لئے ہر منقبت دراصل نعت نبی ہے۔ لیکن ہادی نے منقبت کے۔۔

مضامین میں نعتیہ مضامین حقیقی اور مستقل طور پر شامل کئے ہیں انکی نعتیہ کاوشات میں منقبتی کاوشیں اس درجہ مدغم ہیں کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ہادی کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ انھوں نے مراثی اہلبیتؑ میں نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں۔

حفیظ جالندھری نے شیدا اور باقر آگاہ کی طرح اسلامی تاریخ کو نظم میں مدوّن کیا۔ شیدا اور آگاہ ہی کی طرح انھوں نے واقعاتی صداقت کا حصار توڑے بغیر شاعرانہ رنگ و روغن سے تاریخ کو دلکش اور دلآویز بنایا ہے۔ اسلامی تاریخ، تاریخ نہ محسوس ہو کر شعر و سخن کا شاہکار معلوم ہوتی ہے۔ حفیظ نے شاعرانہ تخیل اور شاعرانہ صداقت کو بروئے کار لا کر شاہنامۂ اسلام کے بعض ٹکڑوں کو شاعری کا حسین مرقع بنا دیا ہے۔

اردو شاعری میں نعت کے ارتقاء پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے دور حاضر کے شعرائے نعت میں حمید صدیقی اور بہزاد لکھنوی کی نعتیہ کاوشات فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ دونوں حضرات زائرین حرم ہیں اور عشق رسولؐ سے سرشار ہیں۔ حمید صدیقی نے زیارت کعبہ سے مشرف ہو کر یک لخت غزل سرائی ترک کر دی لیکن تغزل، سوز و گداز اور غزل کے نرم دھیمے اور شگفتہ لہجے سے ان کی نعتیں مزین ہیں۔ ان کی نعتوں میں جگ بیتی کم اور آپ بیتی زیادہ ہے۔ بہزاد کی نعتوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ عقیدتمندانہ بے احتیاطی سے پاک ہیں۔ انھوں نے اپنا سارا زور کلام پیغمبر اسلام کی کمال عبدیت دکھانے میں صرف کیا ہے۔ بیخل الٰہ آبادی نے گیت کی ہیئت میں اچھی نعتیں کہہ کر نعت کے دامن کو وسیع کیا۔ شارق ایرایانی کی نعتیں فرط جذبات سے معمور ہیں۔ شارق اگر اپنے مشہور و معروف سلام کے علاوہ کچھ اور نہ کہتے، تب بھی ان کا نام نعت گو شعراء کی فہرست میں لازمی طور پر شامل کیا جاتا۔ فنا نظامی کی نعتیں زبان کی پختگی، جذبات کی پاکیزگی، حدود شریعت کے پاس

اور آداب کی نگہداشت کے سلسلے میں اہم ہیں۔ عمر انصاری نے نعتیہ ترانے لکھ کر نعت کو وسعت دی۔

نعتیہ شاعری کے ارتقاء میں خواتین کی خدمات بھی کافی اہم ہیں۔ اس سلسلہ میں زاہدہ خاتون، نور جہاں بیگم، انیسہ ہارون، محترمہ رسول جہاں اور محمودہ خاتون کے نام قابل ذکر ہیں۔ زاہدہ خاتون نے صنف نازک کے حسّی کیفیات کی ترجمانی سے نعت کو آشنا کیا۔ انھوں نے بستر مرگ پر لیٹی ہوئی بی بی آمنہ کے احوال و کوائف کی عکاسی کرتے ہوئے لطیف نعتیہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ماں کے جذبات کی دلآویز ترجمانی کی ہے۔ قومی اور مذہبی جذبات کے بیان میں نور جہاں بیگم نے کئی اچھی جاندار نعتیں کہی ہیں۔ محترمہ انیسہ ہارون نے حمد میں نعتیہ مضامین داخل کئے ہیں۔ ان کی نعتوں میں بے قراری اور بے تابی کے مضامین کی کثرت ہے۔ محترمہ رسول جہاں بیگم کی نعتوں میں اصلاحی اور مصلحانہ رنگ غالب ہے۔ محمودہ خاتون نے غزل کی ہیئت میں بہت سی دلکش نعتیں کہی ہیں۔ موصوفہ نے اپنا ایک دیوان بھی مدوّن کیا ہے۔ جس میں حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار نعتیہ غزلیں جمع کی گئی ہیں۔ انھوں نے اپنے دیوان کا تاریخی نام "تحفۂ خاتم المرسلین" رکھا ہے۔

عصر حاضر کے پاکستانی نعت گو شعراء میں حفیظ جالندھری کے علاوہ مولانا ضیاء القادری، ماہر القادری، محشر رسول نگری، عبدالکریم ثمر، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، اعظم چشتی اور عبدالعزیز خالد کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

ماہر القادری نے رسمی انداز کی نعتیں کم کہی ہیں۔ لیکن اقبال کی طرح ان کی غزلوں اور نظموں میں روح نعت جاری و ساری ہے۔ ان کی نعتیہ نظمیں ان کی نعتیہ غزلوں کی بہ نسبت زیادہ اہم اور زیادہ جاندار ہیں۔ محشر رسول نگری

نگری کی مدسس کی شکل میں کہی گئی طویل نعتیہ نظم اردو نعت کے ارتقاء میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اس نظم میں خاص بات یہ ہے کہ شدید جذبات میں بھی جادۂ اعتدال سے الگ نہیں ہوتے انھوں نے جو بھی کہا ہے "تاریخی صداقت اور قرآن نیز احادیث صحیحہ کو مدنظر رکھ کر کہا ہے۔

عبدالعزیز خالد کی دو نعتیہ کاوشیں فراموش نہیں کی جا سکتیں ہیں وہ "منحنا" اور "فارقلیط" ہیں۔ یہ دونوں نعتیہ تصانیف تضمین کی شکل میں ہیں۔ عبدالعزیز خالد کا اسلوب اور عربی فارسی کے الفاظ کا وافر و استعمال ان کی تصانیف کو عام قاری کی دسترس سے باہر کر دیتا ہے عربی تلمیحوں، عربی فقروں، عربی مصرعوں اور کہیں کہیں پر عربی اشعار کی پیوند کاری اور فارسی تراکیب و تشبیہات کی نادرہ کاری نے "فارقلیط" کو بوجھل بنا دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی انہی عناصر نے اس نعت کو عربی قصائد کا طمطراق اور فارسی قصائد کا شکوہ بھی عطا کیا ہے۔ جس کی وجہ سے پوری نعت دلکش اور دیدہ زیب ہو گئی ہے۔ عبدالعزیز خالد نے "فارقلیط" میں ہندوانی تلمیحات و علائم کا استعمال بھی کثرت سے کیا ہے۔ ہندی کے سبک الفاظ نے قصیدے میں سادگی اور مٹھاس پیدا کر دی ہے۔

"منحنا" میں بھی فارقلیط ہی کی طرح عربی فارسی اور ہندی زبانوں کا حسین و لطیف امتزاج ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس میں قصیدے کا طمطراق و وقار پورے عروج پر نظر آتا ہے۔ دونوں نعتوں میں شگفتگی، رعنائی روانی اور باطنی آہنگ قابل اعتنا ہے۔ اختر نے ہیئتی اعتبار سے نعتیں نظم، مدسس، مخمس، مربع، قصیدہ، غزل اور قطعہ وغیرہ کی شکل میں کہی ہیں۔ اختر کی نعتوں کا اندرونی آہنگ کافی طرح دار ہے۔ زیب غوری کی نعتوں میں علائم کا۔ لطیف استعمال لہجہ کی انفرادیت واقعات سے نتائج کا اخذ و استنباط اور اسلوب کی چونکا دینے والی کیفیت قابل داد ہے۔ زیب غوری کا لہجہ کافی مودب ہے۔ ان کی نعتوں میں معنویت و تہ داری ہے۔ اور وہ

دیدار اور اظہار جذبات دونوں میں "کچھ پردے بھی ڈالے" رکھنے کے قائل ہیں۔

دوسرا باب

دکن میں نعت گوئی

طالب: ابو الحسنات

ہندوستان ہندوستانی اسلام اور اردو کی نشیمنہ تاریخ میں دکن کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ "اسلام لانے سے پہلے اور مسلمان ہونے کے بعد عربوں کی اجتماعی آماجگاہ جنوب ہی رہی ہے"[1]۔ اسلام کی روشنی اور اس کا امن و آشتی کا پیغام بانیٔ اسلام ہی کی حیات میں دکن آچکا تھا۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی لکھتے ہیں۔

"کیرل کے شہر کرانگانور میں ایک مسجد ہے جس کے متعلق یہاں کے مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ یہ برصغیر کی سب سے پرانی عبادتگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کا حکمران چیرامن پیرومل حضرت محمد صلعم کی حیات ہی میں مکہ مکرمہ پہونچا اور وہاں نہ صرف مشرف بہ اسلام ہوا بلکہ آنحضرت کی کسی بھتیجی یا بھانجی سے شادی بھی کرلی جب اس کی واپسی کا زمانہ قریب آیا تو اس نے مکہ معظمہ کا ایک پتھر اپنے ساتھ لیا۔ تاکہ جو مسجد اپنے وطن مالوف میں بنائے اس کی بنیاد میں یہ مقدس پتھر بھی نصب کردے۔ مگر راستہ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اور مرتے وقت اس نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ ایک تو مسجد بنوانا اور دوسرے یہ پتھر اسکی بنیاد میں نگوانا نہ بھولنا اس مسجد کے پس منظر کی حقیقت کچھ ہو یا نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ یہ مسجد جو کیرل کے ایک دور افتاد

---

[1] : دکنی پکچر: پروفیسر ہارون خاں شروانی۔ صفحہ ۶ ؛ مطبوعہ جمال پریس دہلی اشاعت اول دسمبر ۱۹۷۱ء

شہر میں واقع ہے۔ ملے جلے ہندوستانی مشترک تمدن کی
گویا خشت اول ہے۔ اور آج بھی مقامی مندر تروونچی کلم کا جب
سالانہ جلوس نکلتا ہے تو لازماً اس مسجد کا بھی طواف کیا جاتا ہے"[1]

ملک کافور نے جب سلطنت کی توسیع کے لئے دکن پر حملہ کیا۔ اور ۱۳۱۰ء
میں رامیشورم تک پہونچ گیا تو اسے تروچیراپلی کے علاقہ میں مسلمان ملے۔ ابن
بطوطہ مدورا میں کئی سال مقیم رہا۔ اس نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے۔ کہ راجہ
بلال دیو پانڈیہ کی فوج میں ۲ ہزار مسلمان ملازم تھے۔ اس نے مزید لکھا ہے کہ۔۔
ملابار اور کنکن علاقوں میں مسلمان کثرت سے آباد ہیں۔ اور بعض شہروں میں
تو تین تین چار چار مسجدیں بھی آباد ہیں[2]۔

وجیانگر کی سلطنت ۱۳۳۶ء اور بہمنی سلطنت ۱۳۴۷ء ۔۔ ۱۳۴۵ء میں قائم
ہوئیں۔ لیکن اسلامی مبلغین اولیائے کرام اور صوفیائے عظام اس سے پیشتر
دکن پہونچ چکے تھے۔ اور اپنے پیغامات کی اشاعت میں لگے ہوئے تھے۔۔
ابن بطوطہ کے سفرنامہ میں ہنساور کے شیخ محمد ناگوری کا تذکرہ تروچیراپلی میں
خواجہ مظہر الدین عرف حضرت نہروالی کا مزار اور نواح حیدرآباد میں بابا شرف الدین
متوفی ۱۲۸۸ء کا مزار ——— یہ سبھی علائم اس امر کی وضاحت کرتے
ہیں کہ اولیائے کرام نے حملہ آوروں سے پہلے یہاں کی مقامی تہذیب و تمدن
پر اپنے روحانی اثرات ڈالنے شروع کر دیئے تھے۔

---

[1] دکنی پکچر: پروفیسر ہارون خاں شروانی۔ صفحہ 19 پروفیسر ہارون
خاں شروانی نے لکھا ہے کہ "اس مسجد کی بنیاد کا قصہ COCHIN
COLLING مطبوعہ ایرنا کلم صفحہ ۴۵-۴۶ میں ملے گا۔ مسجد کی تصویر
صفحہ ۴۶ کے مقابل درج ہے"۔ حاشیہ صفحہ 19

[2] عجائب الاسفار (اردو ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ: محمد حسین۔
صفحہ ۲۷۹ وغیرہ
"تاریخ جنوبی ہند"۔ محمود خاں محمود صفحہ ۵۰

بہمنی سلطنت کے قیام سے قبل جامی کے علاوہ ایران کے سبھی مقتدر
نعت گو شعراء سنائی، عطار، نظامی، سعدی، رومی وغیرہ اپنے تصوفانہ
خیالات اور ایمان افروز نصیحہ کلام کو منصہ شہود پر جلوہ گر کر چکے تھے۔ اور
سارا ایران ان بزرگان دین کی آواز سے گونج رہا تھا۔ دکنی سلطنت میں
ایرانیوں کا استیلا تھا۔ یہ لوگ مذہبی تھے اور تصوف و عقیدت میں محو و غنہ
بالا ایرانی نعت گو شعراء سے متاثر تھے۔ اس لئے دکن میں مذہب اور نعت کا
غلبہ ابتدا ہی سے دیکھنے کو ملتا ہے۔

دکن میں مسلمانوں کی خود مختار سلطنت کے بانی محمد شاہ ابن علاء الدین
حسن بہمنی نے "کربلائے معلیٰ کو آدمی بھیجے اور وہاں بھی خیرات کرائی"[1]

محمد شاہ ثانی کے دربار میں ایرانی علماء و شعراء کا بڑا جمگھٹا رہتا تھا۔
علماء کے اس مجمع میں سب سے نمایاں شخصیت فضل اللہ انجو کی تھی۔ جو
"دنیائے اسلام کے مشہور علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے۔ اور
اسی عہد میں شیراز سے دکن آئے تھے۔ ان کے علم و فضل کی بادشاہ نے
بہت قدر کی۔ اور ان کو بہت جلد صدر جہاں بنا دیا۔ جو مذہبی وزارت تھی[2]۔
فیروز شاہ جن کا زمانہ تاریخ دکن کا زرّیں عہد کہا جاتا ہے۔ انہی میر فضل اللہ
انجو کے شاگرد تھے۔ پروفیسر عبد المجید نے لکھا ہے کہ۔

"ہندوستان کی تاریخ میں صرف دو ہی بادشاہ ایسے گزرے
ہیں جو تخت و تاج کے ساتھ عالم متبحر کہے جا سکتے ہیں۔ ایک ---
سلطان محمد تغلق اور دوسرے فیروز شاہ بہمنی۔ لیکن بقول فرشتہ
فیروز شاہ کی علمیت محمد شاہ تغلق سے کہیں زیادہ تھی[3]۔
فیروز شاہ کے جد امجد شاہ اول تخت شاہی پر متمکن ہوئے ان کے

---

[1] تاریخ دکن حصہ اول مرتبہ سید علی بلگرامی صفحہ ۱۰۵

[2] تاریخ دکن۔ در عہد وسطیٰ۔ صفحہ ۹۲

[3] بہمنی سلطنت صفحہ ۹۷

زمانے میں مذہبی اثرات اور ایرانی نقوش بہت گہرے ہو گئے تھے۔ وہ خود رسول کریم صلعم اور آپ کے اہل بیت سے بے حد عقیدت رکھتے تھے تخت نشینی سے قبل کا ایک واقعہ ان کی اس عقیدت کو مترشح کرتا ہے۔

"احمد خاں جب بے در سے جان کے اندیشے سے بھاگا ہے۔ تو ساتھ میں خلف حسن بصری بھی تھا۔۔۔۔ شہر سے نکل کر ایک قصبہ میں قیام کیا جس کا نام خانان پور تھا۔ اور نیت کی کہ اگر بادشاہ ہو جاؤں گا تو اس گاؤں کا نام رسول آباد رکھوں گا۔ اور سادات مدینہ منورہ اور کربلائے معلی و نجف اشرف کے نام سے وقف کر دونگا۔"[1]

یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہیں ورنہ دکن کا سارا ماحول مذہب و عقیدت کی فضا میں ڈوبا ہوا تھا۔ مذہب کی طرف یہ رجحان، تصوف کی گود میں امن و آشتی کی تلاش اور متصوفین نعت گو ایرانی شعراء کا تاثر ـــــ اجالا" یہی امور دکنی شاعری میں نعتیہ عناصر کے وجوہ و اسباب ہیں۔ اگرچہ اردو نعت کا پہلا شاعر شمالی ہند کا رہنے والا ہے لیکن نعت کو صنفی و ادبی حیثیت دکن نے عطا کی اور دکن ہی نے اس کی اشاعت میں۔ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ ولی نے شمال و جنوب کو ایک کر دیا۔ لیکن آج تک کی دکنی شاعری میں بہت سے ایسے لسانی و ماحولی عناصر ہیں جو اس کو شمالی ہند کی شاعری سے ممتاز کرتے ہیں۔ اسی لئے اس مقالہ میں دکنی نعت گو شعراء کے ضمن میں آج تک کے دکنی شاعروں کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ اور ولی کے بعد شمال و جنوب کے شعرائے نعت کو مدغم نہیں کیا گیا۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

آپ کا نام سید محمد، کنیت ابو الفتح اور لقب صدر الدین ہے۔ آپ کی ولادت ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۴ء میں ہوئی آپ کے جد اعلیٰ حضرت

[1] تاریخ دکن صفحہ ۱۴۳

ابو الحسن جنید ی محمد غوری کے ساتھ پانچویں صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت آپ کے چچا تھے حضرت بندہ نواز گیسو دراز کا میلان طبع بچپن ہی سے تصوف کی طرف تھا۔ ۱۳۲۷ء میں سلطان محمد تغلق نے دار السلطنت کو [illegible] دیوگیری منتقل کر کے اس کا نام دولت آباد رکھا چنانچہ بہت سے علما اور صلحاء دلی سے۔۔۔ دولت آباد منتقل ہو گئے۔ خواجہ گیسو [illegible] کے والد یوسف حسین بھی جو سید شاہ راجو قتال اوّل کے ساتھ مشہور ہیں۔ ۱۳۲۸ء میں دولت آباد ہجرت کر گئے اور وہیں بمقتضائے الٰہی ۱۳۳۳ء میں فوت ہو گئے۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ کہ ان کی والدہ بی بی رانی انھیں لے کر دلی چلی آئیں جہاں آپ مشہور صوفی بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے مرید ہو گئے۔ عصری صلحاء و عابدین میں آپ کا رتبہ اتنا بلند تھا کہ آپ کے پیر شیخ نصیر الدین اودھی نے وصیت فرمائی تھی کہ سید محمد دراز مجھ کو غسل دیں گے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاء سے مرحمت شدہ خرقہ میں لپیٹ کر مع عصا و مصلےٰ کے قبر میں رکھ دیا جائے۔" وصیت کے مطابق تجہیز و تکفین کے بعد خواجہ بندہ نواز نے جب دیکھا کہ شیخ سے خرقہ، عصا و مصلےٰ میں سے کچھ بھی نہیں ملا تو گریاں و بریاں دلی شہر سے باہر آئے۔ اور دکن چلے گئے[1]۔ ہجرت سے متعلق دوسری روایت یہ ہے کہ ۱۳۹۸ء میں تیمور لنگ نے محمود تغلق کے زمانے میں دلی پر حملہ کیا جس میں محمود تغلق شکست کھا کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ فتح کے بعد تیمور نے دلی میں قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ انہی ناگفتہ بہ احوال و کوائف میں خواجہ بندہ نواز ۱۳۹۸ء میں بعہد فیروز شاہ بہمنی دوبارہ دولت آباد تشریف لائے۔ فیروز شاہ نے آپ کی آمد کی اطلاع پا کر اپنی اولاد اور ارکین۔۔۔ سلطنت کو استقبال کے لئے بھیجا۔ مولوی عبد الحق لکھتے ہیں۔

"بادشاہ کا بھائی احمد خاں خانخاناں، جو بعد میں اس کا جانشین

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۹

ان کا بہت بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ آپ نے اپنی بقیہ زندگی یہیں بسر کی اور سرزمین دکن کو اپنی تعلیم و تلقین سے فیض پہونچاتے رہے۔[1]

آپ کا انتقال گلبرگہ میں ۸۲۵ ھجری مطابق ۱۴۲۲ء میں ہوا۔

خواجہ صاحب نے دکن آکر تعلیمی و تبلیغی کام شروع کیا۔ آپ نے[2] لوگوں کے لئے جو عربی و فارسی سے نابلد تھے مقامی بولی میں تقریر فرماتے تھے۔

نصیر الدین ہاشمی، مولوی عبدالحق اور حامد حسن قادری نے معراج العاشقین کو خواجہ گیسو دراز کی تصنیف بتلایا ہے۔ لیکن ڈاکٹر حفیظ قتیل نے داخلی و خارجی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ یہ نہ گیسو دراز کی تصنیف ہے اور نہ ان کے عہد ہی کا کارنامہ ہے۔ بلکہ یہ مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری کی تخلیق ہے۔[3]

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے ایک خاص مرید شاہ محمد علی ساماتی نے "سر محمدی" کے باب پنجم میں بندہ نواز کی ۳۰ تخلیقات کا تذکرہ کیا ہے۔[4] جس میں معراج العاشقین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لسانی اشاریات بھی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ اس دور کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔

بہر حال خواجہ صاحب کی جانب منسوب کلام میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔

مولوی عبدالحق صاحب نے ۱۰۶۸ ھجری میں مکتوب ایک قدیم بیاض سے جس میں بیجاپور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نثری و شعری رسالے اور ان کے

---

[1]: اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام : مولفہ۔ مولوی عبدالحق صفحہ 19 انجمن ترقی اردو ہند علی گڈھ۔

[2]: دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۲۹۰

[3]: معراج العاشقین کا مصنف: ڈاکٹر حفیظ قتیل صفحات ۴۲-۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۶۸ء۔

[4]: سید محمدی: شاہ محمد علی ساماتی صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس سبزی منڈی الہ آباد ۱۳۴۷ھ۔

ہندی اقوال مندرج ہیں۔ ایک نعت مثلث نقل کی ہے۔ جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

اور معشوق بے مثال نور نبیؐ نہ پایا — اور نور نبیؐ رسولؐ کا میرے جیو میں بھایا

اپس اپیں دیکھار نے کیسی — ی لایا

نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں آقا حیدر حسن صاحب پروفیسر اردو نظام کالج کی مملوکہ بیاض کے حوالہ[1] سے اس مثلث سے متعلق پوری نظم نقل کی ہے۔ اس نظم میں ایک شعر ابتدا میں اور ایک شعر آخر میں ہے۔ ان دونوں کے درمیان تین تین مصرعوں کے تین بند ہیں۔ اس نظم کا پہلا شعر حمد میں اور آخری شعر خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت سے متعلق ہے۔ وسط کے تین بندوں میں پہلا بند نعت میں ہے۔ اور بقیہ دونوں بند تصوفانہ خیالات سے معمور ہیں۔ نعت والے بند ہی کو مولوی عبدالحق نے مثلث کہا ہے۔

خواجہ بندہ نواز کی وہ نعت جس کا پہلا مصرع ہے۔

اے محمدؐ ہجلو جم جم جلوہ تیرا — ذات تجلی ہوے گی سیون سپورنہ سیہرا

بہت اہم ہے کیونکہ یہ خواجہ صاحب کی نعتیہ روش کو واضح کرتی ہے۔ خواجہ صاحب کو پیغمبر اسلام سے بہت زیادہ شیفتگی و عقیدت تھی آپ کے نعتیہ اشعار دل کی گہرائی سے نکلے ہیں۔ اسی لئے آپ کا شعری سرمایہ زبان کے قدیم دکنی ہونے کے باوجود آج بھی شاداب اور دلاویز ہے۔ آپ کے سبھی شعری ذخیرہ میں نعتیہ عناصر جاری و ساری ہیں۔ آپ کے نعتیہ اشعار متصوفانہ خیالات سے سرشار ہیں۔ خواجہ صاحب کے یہاں نعتیہ اور متصوفانہ عناصر اس قدر شیر و شکر ہو گئے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہیں کئے جا سکتے۔

نعت محولہ بالا کی ہیئت یہ ہے کہ ابتدا میں ایک شعر ہے۔ جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اور اس کے بعد تین تین مصرعوں کے تین بند ہیں تیسرے بند کے پہلے

---

[1]: بیاض مملوکہ سید علی اکبر صاحب۔ بحوالہ دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ ۳۲

مصرعے میں خواجہ صاحب نے اپنا تخلص شہباز نظم کیا ہے۔ دوسرے بند میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے آپ کی افضلیت، رحمت، ہدایت اور بخشش کا تذکرہ کرتے ہوئے "لولاک لما خلقت الافلاک" کا مضمون نظم کیا ہے۔ ذیل میں مکمل نعت نظم نقل کی جاتی ہے۔

اے محمدؐ ہجا و جم جم جاوہ تبرا ذات تجلی ہوے گی سین میورنہ سبھرا

واحد اپنی آپ تھا، اپیں اپ نجھایا
پرکٹھ جلوہ کارنے الف میم ہو آیا
عشقوں جلوہ دینے کر کاف نون بنایا
لولاک لما خلقت الافلاک خالق پالائے
فاضل افضل جتنے مرسل ساجد سجود آئے
امت رحمت، بخشش، ہدایت تشریف پائے
مخفی ہاؤں معشوق کہ ظاہر شہباز کلائے
عشق کے جیتی چندر بند اپنی آپ دکھائے
الان کا کان پھر آپسیں آپ سمائے[1]

خواجہ صاحب کی ایک نظم چکی نامہ ہے جس کا تعارف ڈاکٹر۔۔۔ سید محی الدین زورؔ نے اپنی کتاب تذکرہ اردو مخطوطات میں کرایا ہے۔ اس نظم میں بارہ بند ہیں۔ جن میں ایک بند میں حمد کے درمیان نعت کہی گئی ہے۔

الف اللہ کو دستا میانے محمدؐ ہو کر بستا
پہنچی طلب یوں کو دستا کہے یا بسم اللہ ہو ہو اللہ

آپ کے کلام میں ایک بند اور اسی طرح کا ملتا ہے۔ جس میں شاعر نے حمد و نعت کو مدغم کر کے "لا موجود الا اللہ" کے فلسفہ کو حل کیا ہے۔ بند ملاحظہ ہو

پانی میں نمک ڈال مزا دیکھتا دے جب گھل گیا نمک تو نمک بولنا کیسے

[1] دکن میں اردو صفحہ ۳۳

یوں کہوی خودی اپنی خدا سات محمدؐ جب گھل گئی خودی تو خدا بن نہ کوئی دسے

اس طرح پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے یہاں تصوفانہ خیالات کا استیلا ہے۔ خواجہ صاحب متصوفانہ نظموں کے درمیان نعتیہ اشعار کہتے ہیں۔ اور کہیں کہیں نظموں کے مابین مستقلاً نعت کے ایک دو بند کہہ جاتے ہیں۔ لیکن جہاں تک روح نعت کا تعلق ہے وہ ان کی تمام تصوفانہ شاعری میں رواں دواں ہے۔

سید محمد اکبر حسینی

سید محمد اکبر حسینی خواجہ بندہ نواز کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ وہ ایک عالم تھے۔ موصوف دہلی میں پیدا ہوئے اور ۸۱۵ھ میں گلبرگہ تشریف لائے غیر معمولی زہد و اتقا کے باعث خواجہ گیسو دراز نے آپ کو خلافت عطا کر دی تھی لیکن عرس وفات کی اور ۸۲۲ھ میں والد کی حیات ہی میں انتقال فرما گئے۔ والد نے غسل دیا اور گلبرگہ میں دفن ہوئے[1]

نصیر الدین ہاشمی نے رسالہ اردو کراچی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولوی محمد باقی نے سید محمد اکبر حسینی کی ایک کتاب کو اپنے تعارفی نوٹ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ یہ کتاب تصوف میں ہے اور نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سید محمد اکبر حسینی نثر و نظم میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کے شعری سرمایہ میں جہاں تک نعت کا تعلق ہے وہ رسمی ہے۔ نظم کی ابتدا احمد سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد سرور کائنات کی نعت ہے۔ جس کے بعد شاعر نے قادر محی الدین کا تذکرہ کر کے پیر کی اہمیت پر کئی اشعار حوالہ قرطاس کئے ہیں۔ نعت کا شعر حسب ذیل ہے۔

[1] تذکرہ اولیائے دکن۔ عبدالجبار صفحہ ۹۹۶

بعد از ثنا خدا کی بھیجوں درود نبی پر بھئی آل پر ـــــ اس کے اصحاب میں

لیکن تصوفانہ خیالات ان کے سارے شعری سرمایہ میں رواں دواں ہیں۔ یہ تصوفانہ خیالات بانیٔ اسلام کے اقوال زریں پر مبنی ہیں۔ اس لئے روح لغت سارے کلام میں نظر آتی ہے۔

الفاظ کے صاف اور رواں ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو امتداد زمانہ کی وجہ سے الفاظ میں ردّو بدل ہو گیا ہے یا یہ کہ سارا کلام الحاقی ہے ڈاکٹر جمیل جالبی کا کہنا ہے کہ کسی رسالے کو ان کی تصنیف مان لینے کا اہل تحقیق کے پاس، جذباتی تحقیق کے علاوہ کوئی جواز نہیں ہے۔[1]

فخر دین نظامی

نظامی بہمنی دور کا عہد آفریں شاعر ہے۔ اس کی معرکہ آرا مثنوی ـــــ "کدم راؤ پدم راؤ" ہے۔ داخلی شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مثنوی نویں بہمنی سلطان شہاب الدین احمد شاہ ولی بہمنی کے دور میں بیدر میں لکھی گئی۔[2] اس لئے کہ احمد شاہ ولی نے ۸۳۴ھ / ۱۴۳۰ء میں اپنا دار السلطنت گلبرگہ کے بجائے بیدر کو بنایا۔ یہ مثنوی قدیم و جدید اسالیب اظہار کا دلاویز سنگم ہے اس مثنوی میں دونوں اسالیب بیان ملتے ہیں۔ وہ اسلوب جس پر ہندی روایات

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۱۴۰

[2] ۔ نظامی نے شہاب الدین احمد شاہ کو مثنوی میں ولی کہا ہے۔ احمد شاہ عوام میں واقعۂ صلوٰۃ الاستسقاء کے بعد احمد شاہ ولی کے نام سے مشہور رہا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے لفظوں میں "گمان غالب ہے کہ یہ مثنوی بیدر میں لکھی گئی"۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۱۶

[3] ۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ: مصنف فخر الدین نظامی مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۱۶ پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۷۹ء۔

کا گہرا اثر تھا اور جو مزاج کے اعتبار سے شاہ باجن اور قاضی محمود دریائی کے اسلوب سے قریب تھا۔ اور وہ اسلوب جو فارسی زبان اس کے طرز اور آہنگ و لہجے سے متاثر تھا۔ جس کا نکھرا ہوا روپ عبدل کے "ابراہیم نامہ" اور صنعتی کے "قصہ بے نظیر" میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ نظامی عبوری دور کا نقطۂ آغاز ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس کے احوال و کوائف زلیت دستبرد زمانہ کا شکار ہو گئے۔ اردو ادب کے تذکرات و تواریخ اس کے نام تک کے بارے میں ساکت و صامت ہیں۔ مثنوی مذکور میں مصنف نے بارہا اپنے لئے دو نام استعمال کئے ہیں۔ جس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا نام "فخر دین" اور تخلص نظامی تھا۔ اس سلسلے کے دو اشعار جو مثنوی مذکور کے حمدیہ ابیات کے اختتامیہ اشعار ہیں۔ درج ذیل ہیں۔

ستوئے فخر دیں توں بسر آنکھیا محمد نبی خاتم انبیاء

نظامی کہنہار جس یار ہوئے سنن ہار نغز گفتار ہوئے[1]

نظامی کے یہاں فخت مثنوی کے اجزائے ترکیبی میں سے ایک جزو کی حیثیت سے کدم راؤ پدم راؤ میں شامل ہے۔ معرض بحث مثنوی 'دکن کی' اس دور کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ جو اب تک دریافت ہوئی ہے۔[2] یہ مثنوی اردو زبان کی قدیم ترین لسانی و ادبی شاہکار ہے۔ جو بہمنی خاندان کے نویں بادشاہ کے زمانہ میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ جسے اردو زبان کی پہلی تصنیف ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اور جب تک کوئی اور تصنیف سامنے نہ آجائے... اولیت کے تخت سلطنت پر "کدم راؤ پدم راؤ" کی حکمرانی رہے گی۔" راقم نے اس مقالے کے پہلے باب میں عرض کیا ہے کہ اردو زبان کا پہلا شاعر ملا داؤد ہے۔ اور اس کی مثنوی چندائن کو اردو کی پہلی تصنیف ہونے کا افتخار.. حاصل ہے۔ مصنف تصنیف و تالیف کے عہد کی بابت اشارہ کرتے ہوئے

---

[1] ۔ کدم راؤ پدم راؤ صفحہ ۶۹

[2] ۔ کدم راؤ پدم راؤ صفحہ ۱۶۱

کدم راؤ پدم راؤ میں رقم طراز ہے۔

شہنشہ بڑا شاہ احمد کنوار — پت پال سنا (م) کرتا رادھا۔
دھینس تاج کا کون راجا بھنگ — کنور شاہ کا شاہ احمد بھجنگ
لقب شہ علی، آل بہمن ولی — ولی تھی بہت بدھ تد آگلی
جہانگیر توں شاہ گڑھوا کھیر — سمندر منوکت سمندر سریر[1]

اور اس سلطان احمد شاہ ولی بہمن کا دور ۸۲۵ھ بمطابق ۱۴۲۲ء اور ۸۳۹ھ ۱۴۳۵ء کے درمیانی عرصہ کو محیط ہے۔

مثنوی کے آغاز میں حمد نعت اور منقبت کے اشعار ہیں جس کے بعد سلطان علاء الدین بہمنی نور اللہ مرقدہ کی مدح ہے۔ پھر اصل قصہ شروع ہوتا ہے۔ اس مثنوی میں ۱۱۰۳۲ اشعار ہیں اور ۱۱۰۳۳واں شعر نامکمل ہے۔ جس کے بعد کے اشعار دستبرد زمانے کے شکار ہو کر تلف ہو گئے۔ مثنوی کے درمیان میں متعدد جگہوں پر صفحات غائب ہیں۔ قصہ میں مافوق الفطرت عناصر کی فراوانی ہے۔ مثنوی کے تمام عنوانات فارسی زبان میں ہیں۔

نظامی نے "نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان کے تحت ۱۲۲ اشعار حوالہ قرطاس کئے ہیں۔ مصنف نے منقبت کے اشعار ابیات نعت کے ساتھ مدغم کر دیئے ہیں۔ انداز بیان وصفی ہے۔ اور بانی اسلام کے باعث تخلیق کائنات ہونے، آپ کے شہنشاہ عالم ہونے، آپ کے نور مجسم اور منبع نور ہونے، شجر شرع کو زمین میں راسخ کر کے اس کی شاخوں کو آسمان تک پہونچانے، اور آپ کے بے حد شجاع ہونے کو اساسی حیثیت دی گئی ہے۔

مثنوی میں مشمول نعت کے منتخب و نمائندہ ابیات ہدیہ ناظرین ہیں۔

تہیں ایک سا چاگسائیں امر — سرے دوے تین جگ توڑ آدر کر
پتھایا امولک رتن نور دھر — کرتے دیل بلگت کرن راج کر
امولک مکٹ میں سنسار کا — کرے کام نردھار کرتار کا

---

[1] کدم راؤ پدم راؤ صفحہ ۷۵

نہ اکاس، دھرتی نہ دسبو نہ چند — نہ بھریا کچھوا دیتا نور سند
مثالا اسی کا جو دیسے گھیر — چلے جگ اس تھیں ایسے دلیپ دھیر
بڑا رکھ آپنا شرع کی اران — دھرت پیر پکڑے گگن ڈال تھان
سیوا سب تل تل کرے دن مان — یکس ہت کھنڈا یکس ہت دان
میاں جے وہوں جرم کا ہم ہوا — ہمن بل بنے گا بنی بل ہوا
نبی بیر میں دند کیتا بنار — انگل ہت کر چند کیتا دو پھاڑ
پچھاون بنی مال دھر روم رے — پچھاون بنی بھینٹ کر بلی دے
سنوار میں رتن دان دے در سر — کھڑگ مار بیری کرے ستہر
محمد بڑا ارادت جگ تھا — کہ شجرا چرن رائے جگ مگ تھا[2]

خدا سنوریا مصطفیٰ سنوریا — خدا با صفا مصطفیٰ سنوریا
سنور فخر دین اب کسی سنور سے — اولو الامر اپنا اسی سنور سے
نظامی جس اوپر بھری ایک چوک — رتن لال موتی بھرے تس مکھ[3]

نظامی کی زبان بہت مشکل ہے۔ اس میں عربی و فارسی الفاظ کے بجائے سنسکرت، پراکرت اور علاقائی زبانوں کے الفاظ بکثرت مستعمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی زبان متوسط درجے کے قاری کی دسترس سے باہر ہے۔ مثنوی کی فارسی بحر بھی سنسکرت الفاظ کے طمطراق اور ہندوی روایت کے مابین دب کر رہ گئی ہے۔

نعت کی ارتقائی تاریخ میں نظامی کی حیثیت نعتیہ مضامین کے لحاظ سے اتنی اہم نہیں جتنی لسانی اعتبار سے اہم ہے۔ نظامی کی زبان پر گجری اردو کے اثرات حاوی ہیں۔ معرض بحث نعت میں مستعمل گسائیں، سانچا، جگ، امولک، رتن، بلگت، کرن، مکٹ، سیس، سنسار، نردھار، کرتار، اکاس، دھرتی، چند، دیہ، گگن وغیرہ الفاظ آج بھی ہندو پاک کی مختلف

---

[2] مثنوی کدم راؤ پدم راؤ صفحات: ۶۹، ۷۱، ۷۳

زبانوں میں بولے جاتے ہیں۔ بالخصوص اس زبان میں جو عصر حاضر میں ہندی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس مثنوی میں مستعمل تقریباً ۱۲ ہزار الفاظ میں صرف سوا سو کے قریب عربی و فارسی کے الفاظ ہیں۔ لسان عمل اور اظہار کی وہ روایت جس کا احساس اس مثنوی میں ہوتا ہے۔ برسوں چلتی رہی اور جب اظہار نے اس سے زیادہ لطیف و دلاویز اور عام فہم و موزوں الفاظ تلاش کر لئے اور نئے تہذیبی اثرات ہندوستانی معاشرے کے اجزائے غیر منفکہ بن گئے تو اور اسی قسم کے بھی الفاظ اس کا جزو بن گئے۔ اور زبان ارتقائی مراحل طے کر کے اس جدید ادبی زبان کی حدود میں داخل ہو گئی جس کی واضح آواز ولی کے یہاں پہلی بار سنائی پڑتی ہے۔ اس مثنوی میں ہندوانہ اساطیر کا... استعمال ہے۔ لیکن تلمیحات کے باب میں جہاں ہندوانہ اساطیر سے فیض اٹھایا گیا ہے وہیں خالص اسلامی تلمیحات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ مثنوی فارسی مثنوی کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ اس کا بحر متقارب مثمن مقصور ہے جس کے ارکان فعولن، فعولن، فعولن، فعول ہیں۔ لیکن بحیثیت مجموعی اسلوب و ذخیرۂ الفاظ پر ہندوی رنگ اتنا غالب ہے کہ فارسی بحر اور فارسی و عربی الفاظ کے وجود کا احساس مشکل سے ہوتا ہے۔[1]

صدرالدین

آپ کی زندگی کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ آپ کی ولادت کے سنہ کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہے۔ آپ کا وصال ۷۶۰ھ ہجری میں ہوا[2] آپ حضرت بدرالدین چشتی سے بیعت تھے۔ اور موصوف ہی نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا کیا تھا۔ آپ ایک صوفی بزرگ تھے۔ آپ اولاً ناسک میں رونق افروز

---

[1] مثنوی کدم راؤ پدم راؤ صفحہ ۳۸

[2] اولیائے دکن حصہ اوّل۔ عبدالجبار خاں صفحہ ۴۹۴

ہوئے۔ اور وہاں سے پیپیری آ کر سکونت گزیں ہو گئے۔ جہاں آپ کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔[1]

آپ صاحب تصنیف و تالیف بزرگ ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف معرض علم میں آ چکی ہیں۔ جن میں کسب محویت (سنہ تصنیف ۷۶۰ھ ہجری) میں ایک رسالہ رموز الکا مبین اہم ہیں۔ ان کاوشوں کے آغاز میں نعتیہ اشعار بھی ہیں جن میں داخلیت اور سوز و گداز کا فقدان ہے لیکن متصوفانہ خیالات کے مابین رواں دواں روح نعت نے کلام میں ربودگی اور سپردگی پیدا کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے کلام دلاویز ہو گیا ہے۔ زبان صاف سادہ اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ سے یکسر پاک ہے۔ فارسی و عربی کے عام فہم الفاظ کی فراوانی اور بہتات ہے۔ اور جہاں کہیں ہندی کے الفاظ مستعمل ہیں وہاں بلا کی شیرینی اور لطافت آ گئی ہے۔ جو مصنف کی نکتہ انتخاب کی گہرائی و گیرائی کی مظہر ہے۔

"کسب محویت" میں احدیت، محویت و روح وغیرہ کے دقیق مسائل صاف و عام فہم طریقے میں بیان کئے گئے ہیں۔ اس سے قبل حمد و نعت میں کہا گیا شعر ملاحظہ ہو۔

ناؤں لے اللہ محمدؐ کا اوّل — کسب کا سب کو کہوں در ہر محل

صدرالدین نے "رموز الکا مبین" میں حمد و نعت کو مدغم کر دیا ہے۔ چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

کروں حمد و ثنا حق کا اوّل میں — بھی نعت مصطفیٰؐ کا خوش نما میں

ہے وہ دریائے کبریا کا ظاہر — یہ اور اک دو عالم سوں ہے باہر

اگر روں روں میری لک لک زباں ہو — پھر ہر اک زباں سوں لک لک بیاں ہو

ثنا کی کی بحر سوں یک ہندسہ سے — صفت کی کینہ کو اتا اپر سے

رسولؐ پاک پر لک لک صلوٰۃ — ہر اہل آل و اصحاباں سو تحیات

---

[1] دکن میں اردو۔ نصیرالدین ہاشمی صفحہ ۴۲

شاہ میران جی شمس العشاق

آپ کی ذات نہ صرف اردو نعت میں بلکہ اردو ادب میں کافی وقیع ہے موصوف نے اپنی ژرف نگاہی سے اس ملک میں اپنے روحانی فیضان کے ذریعہ صرف نور کی ندیاں ہی نہیں بہائیں بلکہ قدیم اردو کا سنگ بنیاد بھی رکھا تذکروں اور شجروں میں آپ کا نام میران جی شمس الدین اور ابو الدین مندرج ہے۔ لیکن رائج روایت یہ ہے کہ آپ کا نام میران جی اور لقب شمس العشاق ہے[1]۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے آپ کا نام شمس الدین بتلایا ہے[2]۔ آپ کی جائے ولادت کے بارے میں بھی شدید اختلافات ہیں۔ مولوی عبدالحق اور حامد حسن قادری نے مکہ معظمہ کو جائے ولادت بتلایا ہے[3]۔ لیکن اکثر تذکرہ نگاروں نے آپ کا مسقط الراس بیجاپور لکھا ہے۔ عبدالجبار خاں ملکاپوری لکھتے ہیں۔

"آپ کا مولد و منشا بیجاپور ہے۔ آپ نشو ونما کے بعد شہر میں علماء و فضلا کی خدمت میں علم ظاہری سے فارغ ہوئے اور دل میں محبت الٰہی کا شوق پیدا ہوا بیجاپور سے حرمین شریف گئے"[4]

---

[1] ۔ تذکرۃ الانساب صفحہ ۷۷۔ تذکرہ اولیائے دکن جلد دوم صفحہ ۸۳۵، مشکوۃ النبوۃ قلمی صفحہ ۱۹۴ مملوکہ کتب خانۂ آصفیہ سنٹرل لائبریری حیدرآباد۔

[2] ۔ نوائے ادب جولائی ۱۹۷۱ء ۔ ڈاکٹر حسینی شاہد۔

[3] ۔ اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام ۔ مولوی عبدالحق صفحہ ۳۹ داستان تاریخ اردو ۔ حامد حسین قادری صفحہ ۳۴۔

[4] ۔ محبوب ذی المنن ۔ عبدالجبار ملکاپوری صفحہ ۹۹۱

میران جی کی سال وفات کے بارے میں بھی مورخین ادب نے شدید اختلافات کئے ہیں۔ ڈاکٹر زور نے سال رحلت ۹۰۷ھ اور تاریخ وفات ۲۵ شوال اور نصیر الدین ہاشمی نے ۹۰۲ھ اور تاریخ وفات وہی ۲۵ شوال[1] بتلایا ہے۔ میران جی کے لڑکے برہان جانم نے اپنے والد کے مرثیہ کے مابین حسب ذیل اشعار کہے ہیں۔

تاریخ حضرت سال نو سو دو اس پر اگلے دو — دو دن مدت وفا تو جسے کچھ حکم الٰہی کا
اربع تسعون یو سال ہے کون شوال ہے — رحلت کئے اس حال ہے جسے کچھ حکم الٰہی کا
تاریخ نبست و پنج بود بسیار گریاں ربخ شد — در حال و اجلاگنج خود جسے کچھ حکم الٰہی کا
شب پنجشنبہ روشن کیا ہجرت منور پور کیا — جیو ڑ قبض کران جسے کچھ حکم الٰہی کا[2]

کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے دو بیاضوں میں سے ایک میں "شمس نور پور" اور دوسری میں "سرق ولی شاہ پور" "تاریخ رحلت مندرج ہے۔ جس سے ۹۰۴ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ میران جی کی سال رحلت کے سلسلے میں ۹۰۴ھ کی صحت کی تصدیق جنتری سے بھی ہوتی ہے۔ از روئے جنتری[3] ۲۵ شوال ۹۰۴ھ کا عیسوی سن مطابق ۸ مئی ۱۴۹۸ء ہے اور اس دن چہارشنبہ تھا۔ اس طرح شب پنجشنبہ کو وصال ہوا۔ جبکہ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ کا سن مطابقت ۵ مارچ ۱۴۹۶ء بروز جمعہ ہے۔ حالانکہ برہان الدین جانم نے شب پنجشنبہ یعنی چہارشنبہ کے دن کے بعد آنے والی رات کو وصال ہونا ظاہر کیا ہے۔ دوسرے شعر میں میران جی کی عمر بوقت رحلت ۹۴ سال بتلائی گئی ہے۔ اس طور پر آپ کا سنہ ولادت ۸۱۰ھ ہوا۔

---

[1] ۔ دکن میں اردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔ صفحہ ۴۹

[2] ۔ کلمۃ الحقائق ۔ مرتبہ اکبر الدین صدیقی ۔ صفحہ ۴

[3] ۔ تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ ابو النصر محمد خالد صاحب ایم ۔ اے ۔ (عثمانیہ)۔۔۔ بہ نظر ثانی مولوی محمود احمد خانصاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ اور زیڈ ۔ اے ڈیسائی انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۷۸ء۔

میران جی، شاہ کمال الدین ساسانی سے عقیدت رکھتے تھے۔ آپ ان سے بیعت تھے۔ اور آپ نے موصوف سے خرقۂ خلافت بھی حاصل کیا تھا۔ شہادت التحقیق میں پیر سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"شاہ کمال کے پاؤں لاکوں اسے چومیں رہیں"

شاہ میران جی کی ہستی اپنے عہد کی ایک برگزیدہ فیوض بابرکت ہستی تھی۔ ڈاکٹر عبدالحق لکھتے ہیں۔

"شاہ میران جی بڑے بابرکت بزرگ تھے۔ انھوں نے بیجاپور میں ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی، جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انھوں نے اس کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک و معرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشد کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ یہ اسی خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ حاصل ہوا اور وہاں سے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے"[1]

انھوں نے فارسی اور اردو ہر دو زبانوں میں خامہ فرسائی کی ہے۔ محمد ہاشم علی نے تین فارسی کتابوں ۱۔ مفتاح الکنوز ۲۔ اسرار وحدت ۳۔ درۃ التاج کی نشاندہی کتب خانہ درگاہ حضرت امین الدین علی اعلیٰ کے حوالے سے اور ایک قلمی نسخہ "معراج السالکین" کی نشاندہی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کے حوالے سے کی ہے[2]۔

---

[1] ۔ اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام۔ مولوی عبدالحق ص ۴۰

[2] ۔ میران جی شمس الشاق۔ محمد ہاشم علی۔ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد نمبر ۲۔ مئی ۱۹۷۴ء۔ صفحہ ۴۹

میران جی نے اردو کی نظم و نثر دونوں میں اشہب قلم دوڑایا ہے۔ نثر میں دو چھوٹے چھوٹے رسالے "جل ترنگ" اور "گل باس" آپ کی جانب منسوب کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ انتساب بہت زیادہ مشکوک ہے۔ ان کے سبھی رسالے مذہبی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور "شرح مرغوب القلوب" ہے۔ اس کے علاوہ رسالہ "سبع صفات" کو بھی میران جی کی تصنیف کہا جاتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر نذیر احمد نے اس خیال کی تردید کی ہے[1]۔ ان کی منظوم تصنیفات — "شہادت الحقیقت" یا "شہادت التحقیق" "مثنوی مغز القلوب" — "نوش نامہ" "خوش نام" ہیں۔ ڈاکٹر فہمیدہ[2] کو برٹش میوزیم لندن میں جو بیاض دستیاب ہوئی تھی۔ اس کی بنا پر انھوں نے میران جی کی دو اور مثنویوں — "شکارنامہ منظوم" اور "جام معرفت" کی نشاندہی کی ہے۔ نصیر الدین ہاشمی نے "بشارت الذکر" کو بھی میران جی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے[3]۔ لیکن ڈاکٹر نذیر احمد نے اس کو برہان الدین جانم کی تصانیف میں شمار کیا ہے[4]۔ کیونکہ برہان الدین جانم کے نثری رسالہ "ذکر جلی" اور منظوم رسالہ — بشارت الذکر" کے محتویات ایک ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر نذیر احمد کی بات قطعی طور پر درست معلوم ہوتی ہے۔ حضرت میران جی شمس الشاق کی ایک اور مثنوی "چہار شہادت" کا پتہ محمد ہاشم علی نے لگایا ہے۔ اور اسکو مرتب کرکے حیدرآباد اردو اکیڈمی کے زیر اہتمام ۱۹۶۶ء میں شائع کر دیا ہے۔

میران جی کو رسالت مآب علم سے بے پناہ عقیدت و شیفتگی تھی۔ انھوں نے عنفوان شباب میں دنیوی علائق ترک کرکے حرمین شریفین کا رخ کیا۔ اور بارہ برس تک مدینہ منورہ میں اقامت گزیں رہے۔ ان کی شیفتگی رسول[5]

---

[1] ۔ علی گڈھ تاریخ ادب اردو صفحہ ۲۱۷۔

[2] ۔ مقالہ ریاست میسور میں اردو مثنوی کا ارتقاء: فہمیدہ بیگم

[3] ۔ دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ ۵۰۔

[4] ۔ علی گڈھ تاریخ ادب اردو صفحہ ۲۲۸

اس حقیقت سے بھی منکشف ہوتی ہے کہ وہ حرم نبوی میں قیام کے دوران ہمیشہ ایک ہی پہلو پر سوتے رہے۔ اور انھوں نے کبھی حرم نبوی کی طرف پشت نہیں کی۔ اس واقعہ کو نظم کرتے ہوئے مظہر شاہ نے "شجرۃ الاتقیا" میں فرمایا ہے۔

سناہوں روایت مجھے یاد ہے — اس بات میں سوں دل ہر اشاد ہے
کئے ایک حاجی مدینہ بھیتر — سوتے تھے اور سر رکھ کے سڑی اوپر

شمس العشاق میراں جی منبع نعمت کے حکم کے بموجب دکن آکر سکونت پذیر ہوئے۔ اور آپ کے مشن میں لگ گئے۔ حدیقہ رحمانی میں لکھا ہے۔

"شیخ الحرم کے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک علم صلح خانہ سے ہمارے میراں جی کو دو اور آپ کو بھی فرمایا کہ شیخ الحرم سے علم لے کر دکن جاؤ تمھارے منقسوم میں نعمت ہے۔ اور جس جگہ یہ علم گڑ جائے وہ تمھاری سکونت کی جائے ہے۔ اور دونوں بھی اسی جگہ رہو گے علی الصبح آپ شیخ الحرم سے علم لیکر راہی دکن ہوئے"[1]

ارشاد نبوی کی تعمیل میں انھوں نے ساری زندگی خدا اور اس کے رسولؐ کے کاموں میں لگادی۔ اس طور پر میراں جی کا سارا کلام معنوی نعت کے زمرے میں آتا ہے۔ انھوں نے بلاواسطہ بابا بالواسطہ بابا نعت کے متعلقین و متعلقات ہی کو ہدف تحریر بنایا ہے۔ ہر نظم میں معرفت و طریقت کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ اور موقع موقع پر احادیث نبویہ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ انھوں نے تمثیلی پیرائے میں بھی نعتیں اس طور پر کہی ہیں کہ نبی صلعم کے ارشادات گرامی کے مقتضاء النص (منشا) کو کہانی کی شکل میں پیش کیا ہے۔ میراں جی نے نبی صلعم کی باتوں کو دلنشیں کرنے کے لئے کہیں کہیں ہیر مکالماتی انداز بیان بھی اپنایا ہے۔

بلاواسطہ نعت کے باب میں میراں جی کی شہادت الحقیقت بہت اہم ہے۔ یہ ایک طویل منظوم رسالہ ہے جس میں کل ۵۶۳ اشعار ہیں یعنی (۱۱۲۶) مصرعے ہیں۔ ڈاکٹر گراہام بیلی "اے ہسٹری آف اردو لٹریچر" میں لکھتے ہیں۔

[1] ۔ حدیقہ رحمانی۔ عبدالرحمن سقاف صفحہ ۳۸۱

THE FIRST 350 LINES LONG IS CALLED "KHUSH-NAMA" AND THE SECOND WHICH CONTAINS THE STORY, THE GIRL ASKING QUESTIONS AND MEERANJI REFLYING IS NAMED "KHUSH NAQZ" IT IS 146 LINES LENGTH.

MORE IMPORTENT BUT LESS CHARMING IS "SHAHADAT-HAQEEQAT A POEM OF 1, 126 LINES"[1]

شہادت الحقیق نظم کا وزن ہندی ہے۔ اور اس میں دوہے کی روایت مستولی ہے۔ اشعار چھوٹی بحر میں کہے گئے ہیں۔ میراں جی شاہ نے ایک شعر میں اس رسالہ کا نام نظم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اس نام ہے تحقیق — سن شہادت التحقیق

شاعر نے حمد و نعت اور منقبت کے بعد خاندان چشتیہ اور اپنے پیر حضرت شاہ کمال الدین بیابانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے بعد قرآن و حدیث کی روشنی میں مسائل تصوف و معرفت بیان کئے ہیں۔ خالص نعت کے اشعار حسب ذیل ہیں۔

محمد نبی تیرا — اس پر ایمان میرا
نادرس دیں اس باج — سب عالم کیرا تاج
جو اس کے رخ آوے — سو تیرا درس پاوے
اس بھول جے کوئی تھاکے — تے دوزخ مان راکھے

[1] A HISTORY OF URDU LITERATURE: By. T. GRAHAM BAILY No 17

وہ نبی اوّل نور　　بس عالم پہ منور
نورانی احمد نام　　یہ اچھا ذوق آرام
یہ میم احمد میں آیا　　تو احمد نام کو آیا

شاعر نے پہلے شعر میں محمد صلعم کو خدا کی طرف "تیرا" کے ذریعہ منسوب کیا ہے اور اس کے بعد محمد صلعم پر اپنے اذعان و ایقان کا اعلان کیا ہے۔ دوسرے شعر میں آپ کو عالم کا تاج کہا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اس امر کا انکشاف کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی آپ کے رُخ آجائے وہ درس خداوندی سے مستفیض ہو جائے گا۔ پانچویں شعر میں آپ کے تقدم بالنور کو مدنظر رکھ کر آپ کو متقدم بالزماں بتلایا گیا ہے۔ آخر میں شاعر نے "احمد" اور "میم احمد" کی بحث چھیڑی ہے لیکن یہاں بھی وہ جادۂ شریعت سے سرمو متجاوز نہیں ہوئے۔

مثنوی "مغز مرغوب" کے متعلق ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں۔

"مغز مرغوب یہ مختصر سی عارفانہ نظم، صرف دارالارجنگ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے"[1]

اس مثنوی کی بحر لمبی ہے۔ اور اس میں کل (۲۳) اشعار ہیں ابتدائی شعر حسب ذیل ہیں۔

اللہ اللہ محمد علی امام دائم ان سوں حال ۔۔۔ !
سب خاصوں سوں اللہ اللہ تو آکھیں گیان کمال

"خوش نغز" میں (۷۲) اشعار اور (۹) ابواب ہیں۔ ہر باب میں اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ یہ نظم مکالماتی انداز میں لکھی گئی ہے۔ ہر باب کا پہلا مصرع "خوش پوچھی" یا "خوش کہی" سے شروع ہوتا ہے۔ اور میراں جی اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور انہی سوال و جواب کے ضمن میں دقیق تصوفانہ مسائل عام فہم زبان میں واضح کئے گئے ہیں۔ "خوش نامہ" اور "خوش نغز" دونوں کے اوزان ہندی ہیں۔

مثنوی "شکار نامہ" میں (۱۱۵) اشعار ہیں، جس میں خالص نعت کے (۵)

[1] بحوالہ علی گڈھ تاریخ ادب اردو ص ۲۱۵، رضا حقی فہرست نمبر ۱۹۹ صفحہ ۱۴۳

اشعار ہیں۔ "بشارت الذکر" مثنوی کے اختتام پر اس مثنوی کی تکمیل کو بانی اسلام کا فضل متصور کیا گیا ہے۔

خلاصۂ مذکور نمودہ تمام　　بفضل النبی علیہ السلام

میراں جی نے پہلی بار شعوری طور پر ہندی کو وسیلۂ اظہار بنایا ہے۔ اور انھوں نے یہ کام افادی نقطۂ نگاہ سے کیا تھا۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث "اردو نعت پر عربی و فارسی کے اثرات" کے زیر عنوان کی جا چکی ہے۔ میراں جی نے خود اپنے احوال میں لکھا ہے کہ جب ایک روز شب جمعہ کو بانی اسلام نے انھیں حرم شریف سے ہندوستان جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ تو موصوف نے نہایت عجز سے یہ عذر کیا کہ وہ ہندوستان کی زبان سے ناواقف ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "ہمہ زبان بشما خواہد شد"[2] موصوف نے حسب ارشاد نبوی مقامی زبان اردو کو (جو اس وقت ہندی کہی جاتی تھی) وسیلۂ اظہار بنایا۔ ان کا سارا دستیاب کلام عوام کی زبان میں ہے۔ ان کے انداز بیان میں ادبی سے زیادہ عوامی سطح ملتی ہے۔ میراں جی کی زبان اور نظامی کی زبان میں بے حد مماثلت کے باوجود یہی فرق ہے۔ کہ نظامی کی زبان ادبی ہے، جب کہ میراں جی کی زبان عوامی، زبان کو عوامی بنانے کی دھن کی وجہ سے ان کے یہاں زبان و بیان کا ایک ہی رنگ ہے۔ اور ایک طرح کا اکھڑپن محسوس ہوتا ہے۔

خوب محمد چشتی

میاں خوب محمد چشتی کا شمار گجرات کے بڑے درویشوں اور اہل عرفان میں ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت ۹۴۶ھ ۔ ۱۵۳۹ء میں ہوئی اور "خوش"

[1] اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ۔ مولوی عبدالحق ص ۴۰

[2] تحفۃ الاکرام　　جلد اوّل صفحہ ۶

کے لفظ سے سال ولادت کا استخراج ہوتا ہے۔ آپ شیخ کمال محمد سیستانی متوفی ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۱ء کے مرید تھے۔ آپ کو فارسی زبان و بیان اور انشا پردازی پر زبردست قدرت تھی۔ آپ کی تصنیف "امواج خوبی" نارسی انشا پر آپ کی مہارت تامہ کی مظہر ہے۔ صاحب تحفۃ الکرام نے لکھا ہے کہ:

"میاں خوب محمد چشتی درویش کامل و صاحب لسان و صاحب سخن بودند۔ در تصوف دست رسا داشتہ و بہر "جام جہاں نما" شرح نوشتہ امواج خوبی و خوب ترنگ نیز از ایشاں یادگار مشہور و معروف است۔۔۔ تاریخ وصال خوب تھے" گفتہ است"[1]

آپ کی وفات ۱۰۲۳ھ میں ہوئی۔

خوب محمد چشتی نے "خوب ترنگ" فتح گجرات کے (۶) سال بعد ۹۸۶ھ ۔۔۔ ۱۵۷۸ء میں تالیف کی اور اس کے (۱۰) سال بعد اس کی شرح "امواج خوبی" ۱۰۰۰ھ ۱۵۹۱ء میں لکھی گئی۔ "خوب ترنگ" میں تصوف و اخلاق کے دقیق ۔۔ عالمانہ رموز عام فہم زبان میں بیان کئے ہیں۔ موضوع کا موضوع بہت خوشک ہے لیکن مصنف نے حکایات و قصص کے سہارے اس کو شگفتہ و شاداب بنا کر پیش کیا ہے کہیں پر بلوبت سوار کی داستان کے ذریعہ اور کہیں شیخ چلی کے قصہ کے سہارے تصوف کی باریکیاں سمجھائی گئی ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے لفظوں میں۔

"خوب ترنگ کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایک مشکل موضوع کو عام زبان میں کامیابی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے"[2]

مثنوی میں نعتیہ مضامین کثرت سے بکھرے ہوئے ہیں۔ اور کہیں کہیں خاص

---

[1] تحفۃ الاکرام بحوالہ اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام۔ مولوی عبدالحق صفحہ ۶۷۔

[2] تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی۔ صفحہ ۱۲۴

نعت کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ خوب محمد چشتی کے اسلوب میں بلا کی بداعت ہے۔ نعت میں "لولاک لما خلقت الافلاک" کا مضمون بہت عام ہے۔ خوب محمد نے اپنی ندرت ادا سے اس فرسودہ مضمون میں دلاویزی پیدا کر کے جان ڈال دی ہے۔ "امواج خوبی" سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

نانوں محمد تس کو دیت — اس تفصیل سے عالم کیت
اسی روح ارواح تمام — اسی جوس کے سب اجسام

نبی آخر الزماں کا "افضل الکل ہونا" کائنات کا آپ کا طفیلی ہونا۔ "آپ کا ابوالارواح ہونا" "جسم محمد کا عین اجسام ہونا" "آپ کا مثل نہ ہونا" وغیرہ نعتیہ مضامین مثنوی خوب ترنگ میں نادر انداز میں نظم کئے گئے ہیں۔

جو سا آرسی وحدت جان — جسم محمدؐ اسے پہچان
ایک عکس اوس ماں جو ہوے — قلب محمدؐ کا ہے سوئے
ایک عکس پھر ایک عکس جو پائے — یہی ابوالارواح کہلائے
مثل محمدؐ ہوئے نہ کوئے — سب اس کی تفصیل سو ہوئے
ذات سو ذاتوں سا نہ تمام — جسم محمدؐ عین اجسام

آپ نے ایک رسالہ صنائع بدائع میں "بھید بھاؤ" کے نام سے تحریر کیا ہے اور بموجب حدیث نبوی "کل امر ذی بال لم یبدء ببسم اللہ او بحمد اللہ فہو اقطع و ابتر" (ہر ذی شان کام، جو خدا کے نام یا خدا کی تعریف سے نہ شروع کیا جائے وہ ادھورا اور ناتمام ہے) اس رسالہ کا آغاز قبول عام کی امید پر حمد و نعت سے کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔

حمد خدا کی خوب کر کہہ صلوٰۃ رسولؐ — پچھیں صفت سخن کی کہے تو ہوئے مقبول

عبدالملک بھروچی

خوب ترنگ کی شرح "انواج خوبی" کی تصنیف کے (۹) سال بعد عبدالملک بھروچی

نے ڈھائی سو اشعار کی ایک نعتیہ مثنوی تصنیف کی، جس میں پیغمبر اسلام کے ولادت باسعادت کے مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ مصنف نے اس مثنوی کا نام مولود رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اسی مثنوی میں کہتے ہیں۔

عاجز غریب عبدالملک — پناہ محمد سوں — بخشے الٰہی توں ایسے تجے کرم سوں سب گناہ
سیر بھروچ ہے یاد وطن جس جا گاہ احمد کا ہے — بھوپوں کی تئیں جنگل منہ اکثر ملیں دے باتاں ہے
نوائے ہزار اور یہ لکھی تاریخ ہجرت کی جد ہے — اس سال اے مولود میں لکھ کر سنائے جگ سہاں

عبدالملک بھروچ نے کوشش کی ہے کہ وہ اپنے مولود نامہ میں وہی مضامین نظم کریں جن کی توثیق احادیث سے ہوتی ہے۔ انھوں نے موضوع اور ضعیف احادیث سے قطعی طور پر احتراز کیا ہے۔ انھوں نے اپنے مولود نامہ کے اس امتیازی وصف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے۔

مولود حضرت کے لکھے ہیں میں حدیثوں سے اثار — سن کر اسے کچھ خیر کر جو تجھ دیا پروردگار

مولود نامے مجالس میلاد میں پڑھنے کے لئے لکھے جاتے تھے۔ اسی لئے مولود نامہ کا ناظم کوشش کرتا ہے کہ وہ سامعین سے جگہ جگہ پر درود کا تقاضہ کرے ان کو کار خیر پر ابھارے اور اخروی زاد راہ کی تیاری پر آمادہ کرے یہی روش عبدالملک بھروچی کی بھی ہے۔ چنانچہ اس مولود نامہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

اے سو سنا غافل نہو مولود سن کر تمیں — بھیجو محمدؐ پر درود اور دیو خدا کی راہ میں
لاکھوں کرور ہوئے تو بن جائے خالی ہاتھ — جو دولی نبی کے نام پر دی پاویں گے خوبیاں عجیب
ایسے نبی کے نام پر قربان ہووے آج سوں — جے دوستے بخشے خدا فرد انبی کی لاج میں

عبدالملک بھروچی نے مثنوی کے آغاز میں حمد سے نعت کے مضمون کو بڑی

۱؎ مولود نامہ مخطوطہ (مجلہ) ۱۱۲ الف کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔
۲؎: کذا
۳؎: مولود نامہ مخطوطہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو
حیدرآباد ــــ ورق ۱۵ ــ الف۔

خوبی سے نکالا ہے۔ اور انھوں نے اس ضمن میں مبنع نعت کا سبب تخلیق کائنات ہونا نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

یا الٰہی شکر تیرا کس زبان سے ہوں کروں — تو خدا صاحب سبھوں کا حکم تیرے میں رہوں
تیں کیا پیدا احمد حبیب نبی سوں سب ہوا — عرش و کرسی لوح تینوں اور قلم چو تھا کیا

ساری مثنوی میں ایک تسلسل کا احساس ہوتا ہے، جو اس بات کا غماز ہے کہ مصنف کو موضوع پر مکمل قدرت حاصل ہے۔ اور وہ زبان و بیان کی کمزور روایت کے باوجود اپنے مافی الضمیر کو مکمل توانائی کے ساتھ بیان کرنے کی زبردست لیاقت رکھتا ہے۔ عبدالملک نے عربی و فارسی کی آمیزش سے زبان کو ایک نئے معیار سے روشناس کیا ہے۔ مصنف کو تشبیہات و استعارات پر غیر معمولی درک حاصل تھا۔ ولادت رسول مقبول صلعم سے اس سلسلہ کا ایک بیت درج ذیل ہے۔

مہینے برس سب پہلے لے کر ربیع الاوّل منے — احمد نبی پیدا ہوئے جیوں چاند چودھی رات میں

محمد قلی قطب شاہ

محمد قلی قطب شاہ اس عہد کا شاعر ہے جس عہد میں یورپ اور ایشیا ہر جگہ نشاۃ ثانیہ کا دروازہ کھل رہا تھا۔ سلطنت میں غیر معمولی لیاقت و صلاحیت رکھنے والے حکمرانوں اور مختلف علوم و فنون کے ماہروں کا اقتدار تھا۔ انگلستان میں ملکہ ایلزبیتھ اور شیکسپیئر و بیکن اپنے عہد کی نمائندگی کر رہے تھے ہندوستان میں اکبر اعظم اور ابوالفضل فیضی، عرفی، عبدالرحیم خان خاناں اور ملا عبدالقادر بدایونی نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب کہ ایران میں عباس صفوی تخت سلطنت پر متمکن تھا اور فنون و ادب و مذہب کو ہمہ جہتی ترقی دے رہا تھا۔ ہندوستان میں ایک ملی جلی تہذیب جنم لے چکی تھی۔ اور ہندو مسلم

ایک دوسرے کی تہذیب و معاشرت کے اثرات لے رہے تھے۔ برعظیم کی مقامی تہذیب و ثقافت کو اخذ کرنے والوں میں اکبر، ابراہیم عادل شاہ ثانی اور محمد قلی قطب شاہ سالار کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوی تہذیب اور ہندوی رسوم و معتقدات سے غیر معمولی وابستگی ہی کا ثمرہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ نے اپنی شاعرانہ رنگ ریزیوں میں بانیٔ اسلام کی ذات کو اسی طرح شامل کیا ہے۔ جس طرح ہندوؤں نے اپنی رسموں میں سری کرشن کو شامل کر لیا ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں کا یہ منفرد رنگ اس کے عہد کی اسی افتادِ طبع کا نتیجہ ہے۔

محمد قلی قطب شاہ ۱۴ رمضان المبارک ۹۷۳ھ ۴ اپریل ۱۵۶۵ء میں ابراہیم قطب شاہ کے گھر متولد ہوا۔ "باعث روزیٔ اہل عالم" کے الفاظ سے اس کی تاریخ پیدائش نکلتی ہے[1]۔ وہ ۹۸۸ھ میں تخت شاہی پر جاگزیں ہوا۔ اور ۱۰۲۰ھ میں ۱۶۱۱ء کو جب کہ اس کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کے دور حکومت میں علم و ادب اور فنون لطیفہ کو بہت ترقی ملی۔ اس کو مذہب سے (رسوم کی حد تک) خاص شیفتگی تھی۔ اور وہ عید میلاد النبیؐ، شب معراج وغیرہ کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مناتا تھا۔ اسی لئے اس کی نعتوں میں بے مثال رنگا رنگی ہے۔

محمد قلی قطب شاہ پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ انھوں نے اپنا اردو دیوان فارسی طرز پر باعتبار حروف تہجی مرتب کیا۔ ان کے دیوان میں پچاس ہزار اشعار تھے۔ سلطان محمد قطب شاہ نے اپنے منظوم دیباچہ میں لکھا ہے۔ مگر شاہ کہے بیت پچاس ہزار — دھرے وصف اس سو کہن بھوت عار

---

[1]: تاریخ گولکنڈہ: عبدالمجید صدیقی صفحہ ۹۱؛ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدرآباد۔

اس نے اپنی کلیات میں سترہ تخلص استعمال کئے ہیں[1]۔

محمد قلی قطب شاہ کی دلچسپی کا واحد مرکز عشق تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"علاقی ماحول کی وجہ سے حسن پرستی اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ حسین و جمیل عورتوں کی صحبت اسے دل و جان سے عزیز تھی"[2]۔

اور چونکہ اس کا اعتقاد تھا کہ خدا کی رضا کے بغیر پتہ نہیں ہلتا۔ اس لئے مذہب اس کو عزیز تھا۔ مذہب سے اس کا عشق ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ مذہب سے اس کی دلچسپی اس لئے ہے۔ کیونکہ زندگی، حکومت، عروج، دنیوی تمکنت و وقار اور رعب دبدبہ اسی کے امداد سے حاصل ہوتا ہے۔ اور عشق اس لئے دلچسپیوں کا محور ہے۔ کیونکہ اس سے لطف، رنگینی اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی شاعری میں عشق و مذہب ہر جگہ اسی طرح مدغم دکھائی دیتے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

اسم محمد تھی اہے جگ میں سو خاقانی کرے — بندہ نبی کا جم رہے سہتی ہے سلطان مجھے
تیرے مرے پیاں سکی جو، اگ ناگن مل رہے — صدقے نبی کرتا قطب کرتا تھی آبار عیش

ت کے ہوا ردائی نظم میں عورت کا حسن، قدرت کا حسن اور عاشق کا اضطراب مل جل کر سامنے آتا ہے۔ اور محمد قلی قطب شاہ اس کو بھی نبی کا طفیل سمجھتا ہے۔

نبی صدقے قطب شہ تا میں جم جم — سہاوی رنگ بھرے حسناں بھاتی

"باغ محمد شاہی" والے قصیدے میں باغ کی ساری رعنائی، برنائی، دلکشی، شادابی اور دلآویزی اس میں نام محمدؐ بسنے کی وجہ سے ہے۔ اپنے اس عقیدے کا اظہار اس نے مطلع ہی میں کر دیا ہے۔

محمد ناؤں بستا محمد کا اے بن سارا — سو طوباں سوں سہاتا ہے جنت تم نے چھپن سارا

---

[1]: کلیات سلطان محمد قطب شاہ: مرتبہ ڈاکٹر محی الدین زور، حیدرآباد دکن ۱۹۴۰ء مقدمہ صفحہ ۳۱۰

[2]: تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۴۱۰

نبی اور مولود پر اس کو اس لئے اعتقاد ہے۔ کیونکہ نبی ہی کے صدقے سے وہ فریاں روائی کر رہا ہے۔

صدقے نبی کے قطب شاہ جم جم کرو سولو تم　　حیدر کی برکت تھی سدا جگ اوپر فائز رہو

محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں بارہ قصیدے ہیں جن میں سے (۶) ناقص ہیں۔ نعت و منقبت کے علاوہ اس نے عید، عید قرباں، نوروز اور بسنت کے موضوعات پر بھی قصائد کہے ہیں۔ اس کے قصائد کا اہم موضوع مذہب ہے۔ اس نے عید و نوروز کے قصائد میں نعت و منقبت کے مضامین نظم کئے ہیں۔ بسنت کے قصیدے سے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔

بسنت کا رت بھلیا ہے، برہ آگ کو خوشیاں سے
نویلیاں مل کر و مجلس نویلا آج شاہانی
عنبر عود و مشک و زعفران کا روت آیا ہے
اسی تھے باس انو کا جگ میں کرتا ہے گلستانی
نظر ہے مصطفیٰ اور مرتضیٰ کا قطب شہ اوپر
کہ دشمن کی پشانی پر لکھے حرف پشیمانی

نوروز کے قصیدے سے صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

بیا کہا وہ یہ آئیا نوروز نج دو بار　　آو کہ سکھ تھے کریں تا ہے قرآں ہم عید ہم نوروز

محمد ہور علی کا ہے محمد قطب شہ واسا　　کریں سیوا اسے جو پھر پریا ہم عید ہم نوروز

محمد قلی قطب شاہ نے ایک بغیر تشبیب کا قصیدہ "عید میلاد النبی" پر لکھا ہے۔ جس کا مطلع حسب ذیل ہے۔

ہی مولود پیا یا ہے خبر سر تھے خوشی کا　　سدا صلوات بھیجو سب محمد ہور علی کا

یہ پورا قصیدہ مربوط ہے اور اس میں مثالی تسلسل ہے۔ مذہبی عقیدت کا اظہار بہت فطری ہے۔ قصیدہ کا اختتام دعا اور مناجات پر ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے درست لکھا ہے کہ:

"مذہب کو دنیوی کامیابی کا ذریعہ سمجھنے کی بنا پر اس کی

توجہ مذہبی رسوم کی طرف ہے۔ یہاں تصور مذہب میں اخلاق و فکر کا وہ پہلو نہیں ہے۔ جس کی بنا پر رسول خدا حضرت علی اور آل رسول علویت کے نمائندے بن جاتے ہیں۔ محمد قلی کے لئے یہ عظیم ہستیاں اس لئے عظیم ہیں کہ وہ کسی غیبی مدد سے اسے کامیاب بنا رہی ہیں۔ اس کا مذہب ہندوؤں کی طرح رسمی درجہ کا ہے۔ جس میں رسوم کی ادائیگی ہی اصل مذہب ہے۔"[1]

مناظر فطرت کی گل کاریاں، وصل کو دعوت دینے والی فضا، عیش و نشاط کی ہیجانی کیفیت، بارش کے تقاطر کے مابین عورت کے رنگ رنگ کی جسمانی پکار، بدن کا لرزہ، جوبن کا گھن گرج حتیٰ کہ ناری کی کنچلی کا بکسنا سبھی کچھ حضرت مصطفیٰ کے صدقے ہے۔ اس طور پر اس نے اکثر مقطعوں میں نعتیہ مضمون نظم کیا ہے متعلقہ نظم ملاحظہ ہو۔

روت آیا کلیاں کا ہوا راج　　ہری ڈال سر پھولاں کے تاج
مینھوں بند کا لیو ہت پیالا　　روت ناریاں ساجیں انکیں تھا یک ساج
تن ٹھنڈٹ لرزت جوبن گرجت　　پیا مکھ دیکھت کنچلی کس بکسے آج
ناری مکھ جھلکے جیسے بجلی　　انجلی پاوک میں سوہے اس لاج
کیں پھول دیسے ستارے اسماں　　اس زمانے کی پری پدمنی آئے آج
چوندھر گرجت ہور مینھوں برست　　عشق کے جمنے جمن نوراں کا ہے آج
حضرت مصطفیٰ کے صدقے آیا برش کالا　　قطب شہ عشق کرو دن راج

ڈاکٹر محمود الٰہی لکھتے ہیں۔ کہ

"محمد قلی قطب کو نبی اور علی سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ غزلیں ان کے نام معنون کر دیتا تھا۔"[2]

---

[1]: تاریخ ادب اردو : ڈاکٹر جمیل جالبی۔ صفحہ ۴۱۴

[2]: اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ : ڈاکٹر محمود الٰہی۔ صفحہ ۱۳۴، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۳ء

اس کی نعتیہ کاوشوں میں کسی قسم کا ارتفاع یا علویت نہیں ہے۔ اخلاقی احساس کا اُن میں شائبہ تک نہیں ہے جسمانی لذت کوشی اور وصل کی رنگ رلیوں تک کو منبع نعت سے منسلک کرتے ہیں، اس کو کوئی تعجب و پیش نہیں ہوتا۔ اس کی نعتیہ شاعری کا یہ عنصر اس بات کا مظہر ہے کہ وطنیت اور قومیت کے بعد بد ارضی تصور نے اس عہد کے مسلمانوں کے ذہن کو ضمیاتی (MYTHICAL) بنا دیا تھا۔

محمد قلی قطب شاہ کا مسلک عشق، ہوس کے حدود کو چھو رہا ہے۔ اس کے نزدیک عاشق "بھنور" ہے۔ جو ہر پھول پر بیٹھتا ہے۔ جب تک رس رہتا ہے بیٹھا رہتا ہے۔ اور جوں ہی اس کی آخری نمی آنی بند ہو جاتی ہے۔ اُڑ جاتا ہے عاشق پروانہ نہیں جو ایک کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور معشوق پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے قطب شاہ کے یہاں عشق (دل) کو عقل پر تفوق حاصل ہے۔

عالم مجھے سکھائیں کہے کیا اپنا اسلم — وہ نانوں کے حروف ہمن دل میں ہیں کلام
عشق کی کتاباں کیا عشق سوں — قطب شہ نبی صدقے جاوید ہے

شاعر کو بانی اسلام سے والہانہ محبت و عقیدت تھی۔ وہ بانی اسلام کا تو رہین منت ہے۔ کہ آپ ہی کے طفیل میں دکن کی شہنشاہیت ملی ہے اس کو اس بات پر فخر ہے کہ بانی اسلام کا اسم مبارک اس کے نام کا جز بنا ہوا ہے۔ اور اسی نے اس کو خاقانِ دوراں بنا دیا ہے۔ بانی اسلام کے نام نے اس کو سربلندی و سرافرازی عطا کی ہے۔ اب نہ وہ فرعون سے ڈرتا ہے نہ سامری کے سحر سے خوف کھاتا ہے۔ اور عصائے موسیٰ اس کے لئے بمنزلہ سیف اللہ ہے متعلقہ غزل ملاحظہ ہو:

اسم محمد تھے اہے جگ میں سو خاقانی مجھے — بندہ نبی کا جم رہے ہستی ہے سلطانی مجھے
شاہان غزلی ٹھاؤں تھے کرتے ہیں اپنے دھن تھے — مستی میرے تاؤں تھے کیتی ہے دیوانی مجھے
اس ناؤں کی بڑمن جھلک مج سر بلندی کا فلک — آکہیں سدا سارے ملک تو یوسف ثانی مجھے
کیا ڈر مجھے فرعون کا ہور سامری افسوں کا — موسیٰ عصا زیتون کا ہے تیغ ربانی مجھے[1]

[1]: کلیات سلطان قلی قطب شاہ نعت: مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین زور صفحہ ۱۰

اردو نعت گو شعرا میں محمد قلی قطب شاہ کی ہستی اس لئے غیر معمولی طور پر اہم ہے کیونکہ ان کی نعتوں میں بلا کی شعریت ہے۔ محمد قلی قطب شاہ تک کے نعت گو شعراء کے یہاں رسمی نعتیں ملتی ہیں۔ اور اگر کسی نے نعت کو مستقل موضوع بنا کر کچھ کہا بھی ہے تو اس میں شعریت کا فقدان ہے۔ اور واقعاتی انداز کا غلبہ ہے۔ مثلاً کے طور پر بہت سے شعراء نے میلاد نامے، معراج نامے اور سیرت نامے لکھے لیکن یہ کسی بھی کاوشیں منظوم واقعات سے آگے نہ بڑھ سکیں لیکن محمد قلی قطب شاہ کی نعتوں میں مضامین اور ہیئت دونوں اعتبار سے تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ اس نے غزل، قطعہ، رباعی اور نظم کی شکل میں نعتیں کہی ہیں۔ ان کی کلیات میں پانچ نعتیہ غزلیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

چاند سورج روشنی پایا تمھارے نور تھے — آب کوثر کو شرف تھڈی کے پانی پور تھے
دل پرم جیتے تھے دتیا گل صبا بوئے وصال — کیا رہنا ہے منج کو آؤں یا نہ آؤں دور تھے
کیا کھلے گلدعا کیا پھول دل گلزار میں — ناز جیتے سوں میرے دل کو ڈگا گی دور تھے
دور ہوں فرسنگ در فرسنگ تیرے وصل تھے — دل کا خیال تیرے شیوے بن تا دور تھے
تو سلیماں ثانی و تج برج فیروزی و فتح — مشتری پایا شرف تیری نظر منظور تھے
اے معافی رات دن نام محمد ورد کر — تج دعا یا مدعا ہے رتبہ منصور تھے[1]

اس غزل کا بنیادی خیال یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنی رعنائی، بر نائی، شادابی اور رونق میں آپ کی رہین منت ہے۔ اور آپ کے عاشق کو کسی قسم کا کوئی خوف یا خطرہ نہیں ہوتا۔ آپ کے اسم مبارک کے ورد کرنے سے مرتبہ میں بلندی آتی ہے۔[2]

اسم محمد تھے رہے جگ میں سو خاقانی مجھے — بندہ نبی کا جم رہے ہستی ہے سلطانی مجھے

(مکمل غزل سابق میں نقل کی جا چکی ہے)

لیا بندے کو حق نبی کا خطاب — حکم دے دیا نور جوں آفتاب

---

[1]۔ کلیات سلطان قطب شاہ صفحہ ۱۲۰
[2]۔ " " " " صفحہ ۱۰

تج مکھ اجت کے جوب تھے عالم و نہار ہوا　　تج دین تھے اسلام سے مومن جگت سارا ہوا
بانا ں گہر سیاں تو ملیاں وار یا جو تیرے نا نو پر　　سو جا ئے کر آسمان پر ہر یک بچن تارا ہوا[1]

دل کی گہرائیوں سے شاعر کا یہ عقیدہ ہے کہ سارے عالم کی تابانی کا بانی اسلام کے نورانی چہرے کی شرمندۂ احسان ہے۔ شاعر کو اس کا بھی اذعان ہے کہ اسکی باتیں بانیٔ اسلام کے اسم مبارک کی آمیزش سے گہر کے مانند ہیں۔ اور فلک شاعری پر ستارہ بن کر چمک رہی ہیں۔

خدا منج بھکر سوں آپی نبی صدقے کیا رافع　　منجے تخت سلیماں جوں وہی آپی دیا رافع
یقیں کر دل میں مانیاں ہوں خدا جسکو اپنے دیتا　　وہ ہرگز زیر ہوتا کیا جس کوئی خدا رافع
جو کوئی دل میں محبت دھر کر رہیا ہے ایمان کا　　سو اسکا ہات پکڑ کر آپ کرتے ہے[2]

اس غزل کا اساسی خیال پچھلی غزل سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی یہ کہ کے صدقے شاعر کو تخت سلیمانی کی بلندی ملی۔ جو شخص آپ کی محبت سے منسلک کر لیتا ہے بانی اسلام خود اس کو رفعت اور بلندی عطا کرتے ہیں۔ شاعر کے لفظوں میں ہاتھ پکڑ کر اس کو بلند کر دیتے ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کی رباعیاں بھی عشق مصطفوی سے سرشار ہیں۔

نمونہ ملاحظہ ہو۔

جیا ناں دل و جیو سوں قرآں دیکھے　　احمد کے سو حق پر قوں سب احسان دیکھے
دیکھ حلقہ خاتم النبیین میں توں　　دل نبی دں تا اصبع رحمان دیکھے[3]

محمد قلی قطب شاہ نے (۱۱) نعتیہ نظمیں بھی کہی ہیں۔ جن میں سے (۶) "عید میلاد النبی صلعم" کے مضمون پر اور (۵) "عید بعثت النبی" کے مضمون پر ہیں۔ اور سبھی شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔

---

[1]: کلیات سلطان قلی قطب شاہ　صفحہ ۹۰
[2]: کلیات سلطان قلی قطب شاہ　صفحہ ۱۳۰
[3]: کلیات سلطان قلی قطب شاہ ۔ نعت مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری　صفحہ ۴۶

ان کی نعتوں میں خود غرضی اور مطلب پرستی کے عناصر کی فراوانی ہے لیکن خاص بات یہ ہے کہ اس خود غرضی میں وہ خلوص و صداقت ہے جو بے لوثی میں کم دیکھنے کو ملتی ہے۔ انھوں نے بھلا برا جو کچھ بھی کہا دل کی گہرائی سے کہا ہے۔ ان کی ہر نعت ایک جذبہ اور ایک موڈ کی ترجمانی کرتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خوش الحان پرندہ شاخ پر بیٹھا بے ساختگی سے الاپا اور اڑ گیا۔ ان کی نعتیں شعریت سے معمور لیکن فنی شعور سے یکسر عاری ہیں۔

عبدل

عبدل کا پورا نام اور حالات زندگی نامعلوم ہیں۔ پروفیسر محی الدین قادری زور نے قیاس کیا ہے کہ ان کا نام عبدالغنی ہے[1]۔ سخاوت مرزا کا خیال ہے کہ ان کا نام عبدالگیتی ہے[2]۔ جب کہ پروفیسر مسعود حسین خاں[3] نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کا نام عبداللہ تھا لیکن اتنی بات تو وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ انکا تخلص عبدل تھا۔ عبدل، جگت گرو (ابراہیم عادل شاہ) کے دربار سے منسلک تھا۔ دربار میں فارسی فضلا، علماء کی قدر دانی دیکھ کر عبدل بھی اپنے جوہر دکھانے کے لئے کوئی شعری کارنامہ منظر عام پر لانا چاہتا تھا۔ مگر اس کی فارسی کی لیاقت اس سلسلے میں ناکافی تھی۔ جگت گرو نے عبدل کو اپنی ہی زبان میں شعری کمالات دکھلانے کی تلقین کی۔ متعلقہ ابیات ملاحظہ ہوں۔

---

[1]: تذکرہ مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو: مرتبہ محی الدین زور۔ جلد اول صفحہ ۲۶۷ مطبوعہ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن۔
[2]: تاریخ ادب اردو: مرتبہ عبدالقیوم جلد اول صفحہ ۳۷۸ مطبوعہ کراچی۔
[3]: ابراہیم نامہ ۔ مرتبہ مسعود حسین خاں۔ صفحات ۷۰۸
مطبوعہ شعبہ لسانیات علی گڈھ ۱۹۶۹ء

زبان ہندوی مجھ سوں ہوں دہلوی — نہ جانوں عرب ہور عجم مثنوی
کہیا شاہ استاد عبدل سوں یوں — توں ہر ایک زبان شعر کو بات کہوں
شعر فن سب ملک میں ایک دھات — عشق ایک پرگٹ چھپن روپ بات
زبان روپ پرگٹ جو جس ملک کر — اسی بچن سوں شاعری بول دھر
سوتوں شعر ہر ایک زبان بول یوں — بھرے جوت معنی رتن تول یوں

اور نتیجتہ "نوی بات" کہنے کے چکر میں اس نے (۷۱۳) ابیات پر مشتمل ایک مثنوی "ابراہیم نامہ" کے نام سے لکھ ڈالی عبدل نے ابراہیم نامہ کو مختلف عنوانات کے تحت منقسم کیا ہے۔ جس میں حمد و نعت، در مدح یاراں، در تعریف گیسو دراز کے بعد بادشاہ کے احوال زندگی با تفصیل بیان کئے گئے ہیں۔ یہ مثنوی تاریخی، تہذیبی اور معاشرتی نقطۂ نگاہ سے اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے اس میں شعریت اور تخیل کا دلاویز رنگ ہے مثنوی میں ہندوی تلمیحات اور دیومالا کے ساتھ ایرانی تلمیحات اور اشارات بھی استعمال کئے گئے ہیں عبدل نے اس مضمون میں نعتیہ مضامین رسماً نظم کئے ہیں۔ شاعر نے نبی صلعم کے تقدم بالزمان — تقدم بالشرف، آپ کے باعث تخلیق عالم ہونے اور احد بلا میم کے مفہوم کو موضوع نعت بنایا ہے۔ عبدل نے احد بلا میم کے فرسودہ مضمون کو نظم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ خدا اکیلا تھا۔ اس نے محمد صلعم کی تخلیق کی اور آپ کی وجہ سے لاکھوں عالم بنائے۔ مخفی خزینہ ظاہر کرکے آرسی میں احد کے ساتھ میم بھی دکھلادی۔ اس طرح احد سے احمد ہو گیا۔

گوسائیں ایکٹ تھا نہ ہور کچھ موجود — بنایا محمدؐ سوں لک جگ وجود
جو گنج مخفی سو پرگٹ دکھائے — عشق آرسی میم شکل پھرائے
احد دور کر میم احمد کیا — حرف چار مل بھید چار ودیا

شاہی

علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ/۱۶۵۶ء — ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء) کا تخلص شاہی تھا۔ وہ سلطان محمد عادل شاہ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ شاہی ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۸ء میں ایک کنبھولی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ عادل شاہی خاندان کی روایت اور خلیفہ سلطان کی تربیت نے اس کو — "استاد عالم" بنا دیا۔ وہ بہت منتشر اور پراگندہ حالات میں بعمر ۱۹ سال تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اس نے بڑی جوانمردی سے حالات پر قابو حاصل کر لیا۔ اور مغل جنرل جے سنگھ کو ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء میں فاش شکست دی ہنگامہ پرور حالات میں بھی وہ عیش و عشرت کی مجلسیں سجاتا رہا۔ اور شعراء و ادباء، علماء و فضلاء کی سرپرستی کرتا رہا[1]۔ وہ فارسی میں بھی شاعری کرتا تھا مگر اس کا اساسی رجحان دکنی کی طرف تھا[2]۔

شاہی کی کلیات میں چھ قصیدے، تین مختصر مثنویاں، ایک خمسہ، ایک ہجو، ایک قطعہ، ایک رباعی، ایک پہیلی، تین فردیات اور چند مراثی کے علاوہ گیت، کبت، دوہرے اور کئی بھوتنا ملتے ہیں[3]۔ ان کے چھ قصائد میں ایک حمد میں، دوسرا نعت میں، تیسرا منقبت علی میں، چوتھا مدح دوازدہ امام میں پانچواں حوض علی داد محل و باغ کی تعریف میں اور چھٹا چار در چار

---

[1]: تاریخ ادب اردو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۳۲۲

[2]: " " " " " " " " صفحہ ۳۲۲

[3]: کلیات شاہی۔ مرتبہ زینت ساجدہ۔ اردو اکیڈمی حیدر آباد و کلیات شاہی، مرتبہ سید صابر الدین رفعت۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ۔

"ایک پیکر پری تمثال کی تعریف میں ہے۔ نعتیہ قصیدہ کی تشبیب بہاریہ ہے"۔ جس کے مطلع میں نوروز کی رعایت سے زمین پر پھولوں کے کھلنے اور آسمان پر سورج کے جشن عروسی کی بہت جاندار تصویر کھینچی گئی ہیں۔ شاعر تشبیب میں کہتا ہے کہ سورج نے ماہ و انجم کو اپنے گھر میں دعوت دی ہے۔ اس لئے اس نے اپنے گھر کو جنت کی طرح سجایا ہے۔ سورج کی جشن عروسی میں چاند تارے براتی بن کر آئے ہیں۔ مشتری نے سورج کو مہندی لگائی ہے۔ اور سورج۔ زمین کے چمکیلے لباس پہن کر نوشہ بن کر نمودار ہوا ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں ندرت، جدت، اور تازگی ہے پوری تشبیب بہت توانا اور جاندار ہے شاعر نے اس چربہ قصیدے میں آسمان سے متعلق خیالات، تزک و احتشام کے ساتھ موزوں الفاظ، مناسب اشارات اور مناسب استعارات کے سہارے ظاہر کئے ہیں۔ اور اس طرح شادی کے لوازم دکھلا کر جشن عروسی کا سماں باندھا گیا ہے۔ مدحیہ اشعار میں تخیل کی لطافت، اور اس کا حسن قابل داد ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

ہوا پیرو انجے کا کرستاریاں کا ٹنگٹ تس پر — مشاطا مشتری ہو کر ہلد سورج لگایا ہے
براتی سب بلایا ہے شرف اپنا دکھایا ہے — زری کسوت سراپا کر سورج نوشہ ہو آیا ہے
الہا عیش بزم کو اپنے دیا تشریف پاناں کو — ابر شربت کے مشکاں کر دہ خواں میں بلایا ہے
چنبیلی بو چھپیلی ہے پتی نازک نویلی ہے — گلاں کی نت سہیلی کر کھلا عجلس میں لیایا ہے
بنفشہ باس، کے دعوے عروس کے کرنت بیٹھی — نرالا دیکھتے اس کی نین نرگس کھلایا ہے
پنکھی خوش مغز ہو سیارے اس میں آپ لگے گا — ہوراں ناچنے تھارے بدل بہ دنگ بجایا ہے

تشبیہات کی شگفتگی و شادابی کے سلسلے میں اسی نعتیہ قصیدے کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

ازن صندل شفق کاں سیں منگا دے جشن کے کاں
گلاں میں یو بھنور دستے مشک پیالے میں بھرایا ہے

چنبیلے کے جھاڑ کی خوبی و سادے نین میں یوں ہے
مگر شجر زمرد کا کیچن سوں بار پایا ہے

نصرتی

محمد نصرت نصرتی متوفی ۱۰۸۵ھ "بسنہ ۱۶۷۴ء" کے والد نے اس کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لی جس کی طرف — اس نے اپنی مثنوی "گلشن عشق" میں واضح اشارے کئے ہیں۔

ع معلم جو میرے بتے خاص تھے

کتب بینی کے شوق نے اس کے عشق میں چار چاند لگا دیئے۔ اسی لئے غالب کے مانند آبائی پیشہ سپہ گری ترک کر کے قلم رہا تھ میں لیا۔ اس (نصرتی) نے شاعری کی بدولت شہرت بھی کمائی اور دولت بھی دربار کی طرف سے ملک الشعراء کا اور عوام کی جانب سے ملا نصرتی کا خطاب ملا۔ اس کی علمی و شعری شہرت کے باعث حاسدوں نے سازش کر کے اسے قتل کروا دیا۔ یہ واقعہ ۱۰۸۵ھ کا ہے۔

نصیر الدین ہاشمی[۵۱] نے مرتبہ ذیل قطعہ تاریخ وفات نقل کیا ہے۔

ضرب شمشیر سے یو دنیا چھوڑ — جا کے جنت میں خوش ہو رہے
سال ولادت آملا یک نے — یوں کہے "نصرتی شہید ہوا"

نصرتی دکن کا سب سے بلند پایہ قصیدہ نگار ہے۔ اس نے قصائد میں نعتیہ مضامین کو خاص جگہ دی ہے۔ "قصیدہ در بیان معاشوراء" کی تشبیب میں جس کا مطلع ذیل میں لکھا جا رہا ہے۔ حمد و نعت اور منقبت کے مضامین نظم کئے گئے ہیں۔

کہتا ہوں اول احمد میں عالم کے سرجنہار کا — افلاک کا اونچا بھجا باندیا ہے کس بستار کا

نصرتی کا قصیدہ معراج تشبیب کی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہے۔ اس

---

۵۱ - اردو مخطوطات: نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۶۰ کتب خانہ سالار جنگ

قصیدے کی تشبیب فلکیات سے متعلق ہونے کی باعث معراج سے مکمل مناسبت رکھتی ہے۔ اس نے رات کے منظر کو دلکش استعاروں سے دلربا اور دلآویز بنایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تخت پر جب دن پتی سیج پہ کیتا گون — نس کا سیدہ وار تب گرم کرے انجمن
صبح کا فراش چک شمع سے روشن کرے — ریگ سے تاریاں کی نت ناچ گگن کا لگن

نصرتی واقعہ نگار اور حقیقی شاعر تھا۔ قصائد میں عام طور پر زمین آسمان کے قلابے ایک کئے جاتے ہیں۔ لیکن نصرتی واقعات اور مناظر کے بیان میں حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔ اس کے باوجود وہ مبالغہ آرائی اور تخیل آفرینی میں کسی سے کم نہیں ہے۔ نصرتی کا قصیدہ معراج، بیان کی گھن گرج، الفاظ کی شوکت، بیان کے تسلسل اور فکری صندبت کی بنا سے کافی اہم ہے۔ تشبیہات و استعارات کی ندرت، خیالات کی تازگی، زبان کا وقار و شکوہ، تخیل کی بلند پروازی اور بیان کا زبردست زور قاری و سامع کو اپنی طرف مبذول کئے بغیر نہیں رہتا۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر لکھتے ہیں۔

"انھوں (نصرتی) نے اپنے قصائد کا مواد رسمی موضوعات سے الگ ہٹ کر حقیقی حالات و واقعات سے حاصل کیا اور اس کو عموماً واقعیت پسندی سے نظم کیا۔ ان کی مبالغہ آرائی اور تخیل آفرینی بھی اپنے پیچھے حقیقی شان و شکوہ کا تاثر اور توانائی رکھتی ہے۔ اس لئے محض جھوٹی اور خیالی باتوں کی طرح بے سر و پا نہیں معلوم ہوتی۔ اس لحاظ سے ان کے قصیدے اردو شاعری میں غیر معمولی اہمیت کے مالک ہیں۔"[1]

نصرتی نے تین لاجواب مثنویاں تخلیق کی ہیں۔ انھوں نے اپنی مثنویوں میں حمد کے بعد نعت کے مضامین بہت شگفتگی سے نظم کئے ہیں۔ انھوں نے۔

گلشن عشق (مصنفہ ۱۰۶۸ھ ۔ ۱۶۵۷ء) میں نعت کے (۱۳۷) ابیات

[1] ۔ اردو میں قصیدہ نگاری : ڈاکٹر ابو محمد سحر ۔ صفحہ ۷ و صفحہ ۲

اسلوب خوبی سے کہے ہیں کہ اگر ان کو مثنوی گلشن عشق سے الگ کر لیا جائے تو وہ ایک مستقل نعتیہ مثنوی بن جائے گی۔ نصرتی نے پوری مثنوی کو عنوانات کے ذریعہ مختلف حصوں میں منقسم کیا ہے۔ نعت کے حصے کو علاحدہ کرنے والا عنوان کا شعر حسب ذیل ہے۔ (کذا)[1]

یو نعت سرور عالم محمد مصطفےٰ کا ۔ کھلایا گلشن ہستی اول جس نور کا پانی

شاعر نے نعتیہ مضامین کے مابین اوصاف بھی بڑے دلکش اور دلپذیر انداز میں بیان کئے ہیں۔ انھوں نے حسن توازن اور شاعرانہ محاسن کا خیال ہر جگہ رکھا ہے۔ نعتیہ ابیات میں واقعیت اور عقیدت و خلوص کا حسین سنگم ہے۔ اس قسم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رہے نامور سید المرسلین — کہ آخر ہے وے شافع المذنبین
ادا ہوئے نہ حمد احد کے بچن — نہ اسکے جگ مدح میں من
عجب آفرینش کے دریا کا در — کہ جس نور نے بحر بہتی ہے پر[2]

اس کا عقیدہ ہے کہ نام محمد میں بلا کی تاثیر ہے۔ اس کے ورد سے دل میں صفائی آجاتی ہے۔ احد با میم اور احمد بلا میم کا مضمون شعرائے نعت کے جولانیوں کا ہدف رہا ہے۔ نصرتی نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

جب خدا توجہ سے اسے مصطفےٰ — تب ناؤں تسبیح ہوئے دل صفا
احمد ہوئے احد میں جا کون عظیم — میما ہوئی گرچہ میانے کی میم[3]
اس میما تھے بن میما شگاف — دیکھیں عین عہد کون (تجھ) چہ احمد کی صاف[4]

نصرتی نے رسمی نعت کے مابین ایک ضمنی عنوان دے کر معراج کے واقعات نظم کئے ہیں۔ ذیلی عنوان کا شعر حسب ذیل ہے۔

---

[1] : مثنوی گلشن عشق : مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق صفحہ ۱۰ ۔ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی ۱۹۵۲ء

[2] : مثنوی گلشن عشق : مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق صفحہ ۱۰

[3] : مثنوی گلشن عشق : مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق صفحہ ۱۱

صفت معراج کی جس تس ترنگ — پھر آیا لامکاں تک جا کرے لگ ہم جنباتی

موصوف نے واقعۂ معراج پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے دیدار خداوندی اور قدیم و حادث کے مابین، ناز و نیاز کا منظر کیفیہ دیا ہے۔ انھوں نے بانیٔ اسلام کے عرش پر عروج کے سحر و ساعرانہ ذہن سے شگفتہ و شاداب بنا دیا ہے۔ منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

دوسرا پردہ سوز جہاں جب حجاب — ہوئی تجلّی راز کوں نہیں نقاب
کھولی بات طالب کی مطلوب دھیر — مقاماں ہو۔ ۔ ۔ صل کے دلپذیر
جو تھی من میں مطلوب طالب کی آس — انبڑے کی باری اپی آئی پاس

سمند ہوا وہ نورد جہاں — دیکھا یا الجا منزل لامکاں
لکھی جائے تالا مکاں کی صفت — کہ اس شرح میں ہے سخن بے سکت
مکاں لامکاں ہے جم اس ذات کی — نہ تمثیل اچھے تس کسی دھات کی
تشاریف رحمت کے برکات کی — عنایت لگی ہوے کئو ۔ عات کی
محبت کے دریا کو تھا عین جوش — خلاصی کیاں موجاں دھرے دوش خروش
او فیاض ساقی کی بزم لطیف — دیکھیت ہو ریا خلوتی ات حریف

نعتیہ شعری میں نصرتی کی زبان حداق، سادہ، عام فہم اور رواں دواں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی جرّار فنکار ٹھاٹھیں مار رہا ہے خشک تاریخی واقعات کو جس شاعرانہ حسن بیان اور تر و تازگی کے ساتھ نصرتی نے نظم کیا ہے۔ وہ عام اور متوسط طبقہ کے شعراء کی دسترس سے باہر ہے۔

نصرتی کی دوسری مثنوی "علی نامہ" ایک رزمیہ مثنوی ہے۔ شاعر نے اس کو بھی عنوانات کے ذریعہ مختلف حصوں میں اس خوبی کے ساتھ منقسم کیا ہے کہ اگر عنوان کے اشعار یکجا کر لئے جائیں تو یہ مجموعہ ایک مرصع مکمل لامیہ قصیدہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ نصرتی نے عنوان کے سبھی اشعار ایک بحر اور ایک

۱؎ : مثنوی گلشن عشق : صفحات ۱۳ - ۱۶

زمین میں کہے ہیں۔ مثنوی کا آغاز حمد سے ہوتا ہے پھر مناجات، نعت، ذکر معراج، منقبت اس کے بعد مدح سلطان علی عادل شاہ، سبب تالیف صنعت جلوس کے تحت اشعار نظم کئے گئے ہیں۔ صنعت جلوس کے اشعار کے بعد نصرتی نے علی عادل شاہ کے ابتدائی دس سالہ دور حکومت کی منظوم تاریخ بیان کی ہے۔ نعت اور معراج کے اشعار نصرتی کے جوش عقیدت اور فرط شیفتگی کے مظہر ہیں۔ زبان کی شیرینی، تخیل کی پرواز اور چند الفاظ میں معانی کا دفتر بیان کر دینے میں جو ملکہ نصرتی کو حاصل ہے وہ دنیائے ادب کے بہت کم شاعروں کے نصیب میں آیا ہے۔

سیّد میراں میاں خاں ہاشمی

(م ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۷ء)

سید میراں خاں[1] ناؔ اور ہاشمی تخلص ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی کے دور میں بقید حیات تھے۔ جب عالمگیر نے بیجاپور فتح کیا تو ہاشمی ارکاٹ چلے گئے ان کی ولادت و وفات کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہے۔ وہ اب تک کی دستیاب معلومات کی رو سے رنجیتی کے موجد ہیں[2]۔

۱؎ - بساتین السلاطین - میرزا ابراہیم زبیری، صفحہ ۴۳۱
مطبع سیدی حیدر آباد دکن۔

۲؎ - ڈاکٹر خلیل احمد صدیقی لکھتے ہیں۔ "حقیقت تو یہی ہے کہ رنجیتی کی ابتدا ہاشمی سے ہوتی ہے۔"
رنجیتی کا تنقیدی مطالعہ — ڈاکٹر خلیل احمد صدیقی ص ۲۵۹
تسلیم بکڈپو لکھنؤ۔ بار اوّل۔ اگست ۱۹۷۲ء

ہاشمی کا دیوان غزل زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ انھوں نے مثنویاں بھی لکھی ہیں اور مقصد بھی مثنوی "یوسف زلیخا" ان کی طویل ترین مثنوی ہے۔ جس میں (۵۱۰۰) ابیات ہیں[1]۔ انھوں نے ایک معراج نامہ بھی لکھا ہے۔ لیکن انھوں نے نعت کے میدان میں کوئی جدت پیدا نہیں کی۔ خیالات اور مضامین دونوں ہی فرسودہ اور کہنہ ہیں نعتوں میں واقعاتی انداز اپنایا گیا ہے۔ بانیٔ اسلام کا تقدم بالشرف ہاشمی کا خاص پسندیدہ موضوع ہے۔ معراج نامہ کے چند منتخب اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

نبیاں میں جسے سب نے افضل کیا — تو ہے وے محمدؐ رسول انبیاء
اول کر محمد کوں پروردگار — یزداں سب خدائی کیا آشکار
اول نور ذاتی ہو پیدا کیا — بتراں سب پوا عالم ہو بدا کیا
دیکھ کیا ہے قدرت خدا کی نوں — تو داد دے تے کر پوتر سے کو اول
نبیاں کا داد اہے آدم صفی — کہ روحاں کا داد اہے خاتم نبی

ہاشمی کا معراج نامہ ہیئت کے اعتبار سے ایک مثنوی ہے جس میں معراج کے واقعہ کو ہدفِ سخن بنایا گیا ہے۔ قدماء کے یہاں مذہبی مثنویوں اور نظموں میں نعت سب سے پہلے مستقل طور پر کچھ اشعار بیانِ معراج میں فرض کہے جاتے تھے۔ علی عادل شاہ کے دور میں مثنوی کے اجزائے غیر منفکہ سے الگ ہٹ کر واقعۂ معراج نظم کیا جانے لگا۔ معراج کے یہ منظوم واقعات مذہبی محفلوں میں پڑھے جاتے تھے۔ اسی لئے ہاشمی نے اپنے معراج نامہ کو ترنم رکھی تاکہ وہ لحن اور لے کے ساتھ پڑھا جا سکے اور سامعین کو مسحور کر سکے۔ ہاشمی نے واقعۂ معراج کے جزئیات کو کاتی انداز میں اتنے جاندار طور پر پیش کئے ہیں کہ سارے واقعات نظروں کے سامنے وقوع پذیر ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ہاشمی کے

[2]: تاریخ ادب اردو۔ جلد اول۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ صفحہ ۳۵۴

معراج نامے کی بابت لکھتے ہیں۔ کہ ——

"بیان کی پُراسراریت سے سننے والوں کے ذہن پر جلال و جمال کا ہلکا سا پردہ پڑا رہتا ہے اور محفل میں مخصوص لحن کے ساتھ پڑھنے سے اس کے اثر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ ایک بحوائی مثنوی ہے۔ جو اپنی ترتیب مواد اور ہیئت کو ایک کرنے میں فنی کوشش اور مجموعی ساخت کے اعتبار سے آج بھی قابلِ قدر ہے"

معراج نامے میں مناظر کی تصویر اتنی سچی اور واقعی ہیں کہ تذکرہ نگاروں کا یہ قول کہ ہاشمی پیدائشی نابینا تھے، غلط معلوم ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں ——

"ہاشمی بچپن ہی میں آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ تذکرہ نویسوں نے انھیں پیدائشی اندھا بتایا ہے۔ لیکن کلام کی داخلی شہادت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی اندھے نہ تھے۔ مختلف رنگوں کا احساس کسی پیدائشی اندھے کو اس طور پر ہرگز نہیں ہو سکتا جس طور پر ہاشمی کے کلام میں موجود ہے"[2]

اس کے مخمس در نعت و مدح مہدی جونپوری میں حمد، نعت، معراج، مدح آلِ رسولؐ و مدح آلِ علیؑ کے بعد مہدی جونپوری کی مدح ہے۔ بیان عشق ہاشمی کا محبوب مشغلہ ہے۔ حمد و نعت و معراج کے اشعار میں عقیدت و شیفتگی کی آگ کی تمازت محسوس ہوتی ہے۔ متعلقہ ابیات پڑھنے سے احساس ہوتا ہے کہ یہ نظم نہیں بلکہ نظم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی کوئی آتش سیال ہے جو خالق و مخلوق دونوں ہی کو اپنی تپش کی زد میں کھینچ رہی ہے۔ عشق خواہ

[1]: تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی جلد اول صفحہ ۳۵۵

[2]: تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر جمیل جالبی جلد اول صفحہ ۳۵۴

ارضی ہو یا مذہبی کیشمیر کے نامور تاجدار کی حسین و جمیل لڑکی کی صورت میں ہو یا نعت و معراج کے مابین بانیٔ نعت کے دلاویز اوصاف کی شکل میں، معراج کے دلکش مناظر کی شکل میں ہاشمی کو سحر زدہ کر دیتا ہے۔ اور جب وہ ان احساسات کو اشعار کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ تو وہ خود بھی مست ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی مست کر دیتا ہے۔

ملا وجہی

ملا اسد اللہ وجہی قطب شاہی دور کے ممتاز شاعر و نثر نگار ہیں جنھوں نے ابراہیم قلی قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ اور عبد اللہ قطب شاہ چاروں بادشاہوں کا عہد دیکھا۔ وہ قلی قطب شاہ کے دربار کے ملک الشعراء تھے۔ ان کے سنہ ولادت کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ملتی۔ ان کی وفات کا سنہ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء ہے۔ یہ صوف فارسی شاعری اور اردو نثر و نظم میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے فارسی میں "دیوان وجہی" اردو نثر میں "سب رس" (۱۰۴۵ھ - ۱۶۳۵ء) اور نظم میں قطب مشتری (۱۰۱۸ھ - ۱۶۰۹ء) بطور یادگار چھوڑا تاج الحقائق بھی وجہی سے منسوب کی جاتی ہے۔ لیکن یہ انتساب غلط ہے تاج الحقائق وجہی کے بہت بعد ۱۲۷۹ھ - ۱۸۵۷ء میں معرض وجود میں آئی اور اس کے مصنف سید انصار علی شاہ ہیں۔[1]

مثنوی قطب مشتری میں رسمی نعتیہ ہے۔ لیکن ان رسمی نعتوں کے مابین۔ ملا وجہی نے اپنے اسلوب کی بداعت کے سہارے بہت سے انوکھے نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ اس میں حمد کے بعد ۲۶ ابیات نعت کے ہیں۔ اور (۲۴)

[1] تاریخ ادب اردو — ڈاکٹر جمیل جالبی — صفحہ ۴۳۴

ابیات معراج کے ذکر میں ہیں۔ وجہی رسمی نعت میں اولاً بانیٔ اسلام کے سایہ نہ ہونے کی توجیہہ دیتے ہوئے آپ کا سایہ عرش کے اوپر بتلاتا ہے۔ اور اس کے بعد دیگر انبیاء و رسل کے مابین آپ کے مرتبہ کو واضح کرنے کے لئے تشبیہہ کا سہارا لے کر کہتا ہے۔ کہ آپ صلعم سورج ہیں جب کہ دیگر انبیائے کرام ستاروں کے مانند ہیں جس طرح ستارے سورج کی عدم موجودگی میں درخشاں و تاباں رہتے ہیں۔ لیکن سورج کے سامنے پردہ خفا میں چلے جاتے ہیں، اسی طرح آپ کی موجودگی میں سارے انبیاء و مرسلین کا نور چھپ گیا۔ معراج کی رات کا نقشہ کھینچتے ہوئے وجہی نے اپنی سحر بیانی سے رات کو دن سے لاکھوں کروڑوں گنا روشن کر کے دکھایا ہے۔ ابیات ملاحظہ ہوں۔

محمد نبی نانو تیرا ہے — عرش کے اوپر چھانو تیرا ہے
کرچودہ فلک کا تو سلطان ہے — علی سا ترے گھر میں پردہ ہے
اسی ہور ایک لاکھ پیغمبر آئے — ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
چھپا نور سب کا ہے تیرے انگے — کہ جیوں تارے چھپے رہے سورانگے
صفت کرتوں معراج کی رات کا — کہ جاگیا ہے بخت نج بات کا
اتھا اس زمین کو شب کچھ نور — کہ لاکھاں تھے چاند کروراں تھے سور[1]

پیغمبر اسلام کے سایہ نہ ہونے کی توجیہہ شعراء کا عام موضوع رہا ہے۔ اور ایک ایک نعت گو شاعر نے کئی کئی توجیہات نظم کی ہیں۔ وجہی کوہ طور اور حضرت موسیٰ کی تجلیہ کا خاکہ اٹھا کر ایک انوکھی توجیہہ پیش کرتا ہے۔ کہ اجالا اور "اندھیرا" "چھانو" اور "نور" ایک دوسرے کے اضداد ہیں۔ جہاں ایک آیا دوسرا رخصت ہوا۔

کہ تو نور نج چھانو بھی نور ہے — اندھارا اجالے ستی دور ہے
اجالا ہے جان وان اندھیرا انہیں — اندھارا ہے جان وان اجالا نہیں

[1] قطب مشتری : مرتبہ : عبد الحق صفحہ ۹

تراچھانو وو ہے جو کہہ طور تے نکلتیج جھلکیا اوکھ سورتے
تری چھانو کا نور سبھ دیک کر خبر سن کے موسیٰ ہوا بے خبر[1]

شاعر نے آخر میں شفاعت کا مضمون نظم کیا ہے۔ اور اس کے تحت آپ[2] کے اوصاف "شفیع المذنبین" اور "محبوب کبریا" کے مفاہیم کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ ابیات ملاحظہ ہوں۔

امید وار ہے جگ تیرے پیار کا کہ بخشائے تو پاپ سنسار کا
شفاعت کر نہار سب کا نہیں اپی لاڈلا ایک رب کا نہیں

وجہی کی نعتوں میں شریعت کے علاوہ فنکارانہ شعور بھی ہے ــــ محمد قلی قطب شاہ ایک سُریلی چڑیا کی طرح ہے۔ جو شاخ پر بیٹھتی ہے بے ساختہ الاپتی ہے۔ اور پھر فوراً اُڑ جاتی ہے۔ لیکن وجہی کے یہاں شعر کو بنانے اور سنوارنے کا شعور کارفرما نظر آتا ہے۔ ایک مقام پر وہ خود کہتا ہے۔

اگر خوب محبوب جیوں سور ہے سنوارے تو نور علیٰ نور ہے

نعت کے مرقومہ بالا اقتباسات میں فنی شعور کے ساتھ سنوارنے کا یہ عمل مفاہیم اور الفاظ دونوں میں کارفرما نظر آتا ہے۔ جذبات و احساسات کو موزوں الفاظ میں دلکش تشبیہات کے ذریعہ پیش کرنے کا عمل بھی لطیف اور دلاویز ہے۔

عبداللہ قطب شاہ

سلطان عبداللہ قطب شاہ ۱۰۲۳ھ بمطابق ۱۶۱۴ء[2] میں پیدا ہوئے

---

[1]: قطب مشتری۔ مرتبہ عبدالحق صفحہ ۹

[2]: دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۹۰

تاریخ گولکنڈہ میں تاریخ پیدائش ۲۸ شوال ۱۰۲۳ھ مرقوم ہے۔ حضرت میر مومن استرآبادی نے "کام بخش جاہنا" سے اس کی تاریخ اخذ کی تھی۔[1]

آپ نے ۱۰۳۵ھ مطابق ۱۶۲۵ء میں عنان حکومت سنبھالی اور ۱۰۸۳ھ م ۱۶۷۲ء میں وفات پائی آپ اپنے نانا محمد قلی قطب شاہ کی طرح موسیقی اور شاعری سے فطری وابستگی رکھتے تھے۔ عبداللہ قطب شاہ نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں کے دیوان مرتب کئے۔ وہ قسمت کے دھنی نہ تھے اور اپنی زندگی میں سب کچھ گنوا بیٹھے۔ مغلوں کے "صلحنامہ" کے بعد بادشاہت نام کو رہ گئی تھی۔ لیکن انھوں نے اپنے جبلی صبر و شکر کے سہارے داد عیش دیتے ہوئے زندگی کے بقیہ دن ہنستے کھیلتے گزار دیئے۔

ان کا نعتیہ کلام محمد قلی قطب شاہ کے نہج پر ہے۔ ان کے یہاں سامنے کے جذبات سیدھے سادے الفاظ میں منظوم ہیں۔ ان میں جذبات کی گہرائی اور تجربات کی گیرائی مفقود ہے۔ شراب، پیالہ، محبت کا رس، وصل اور عورت کے انگ انگ سے لذت کوشی ان کی شاعری کے موضوعات ہیں اور بزعم خود ان کو یہ بھی کچھ نبی صلعم کے طفیل سے حاصل ہوا ہے۔ ان کے ہاں اکثر مقطع میں نبی صلعم کے فیض والی بات کہی گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جوانی وہی ہے جو عاشق کو کام آئے کہ عاشق ہے جانی یہ عاشق بیچارا
توں محبوب مطلوب ہے حظ دینے باری توں معشوق عاشق ہے حظ لینے بارا
بتوحیں، توجوبن، توگالاں، توہونٹاں ہمیں اس کے عاشق توحق ہے ہمارا
ملیا سیج پیرنج سوں موہن پیاری نبی صدقے عبداللہ سلطان پیارا

---

[1]: تاریخ گولکنڈہ حصہ چہارم صفحہ ۱۳۲ از عبدالمجید صدیقی ۱۹۳۹ء

حضرت میر مومن استرآبادی کے فرزند میر عبدالدین نے دو تاریخیں نکالی تھیں: "قرۃ العین الانسان" "اول فتح و طفر آخر رنج و الم است" اور نظام الدین نے ۱۰۲۳ھ تاریخ کہی تھی: بہ تاریخ عقل دور اندیش۔ گفت سلطان صورت معنی ۱۰۲۳ھ

حاشیہ تاریخ گولکنڈہ حصہ چہارم۔

نبی کے صدقے عبداللہ کرم کلا بخشے کوں لا
تجے بلا لیا ملا محل گلا چندر کلا

عبداللہ کے یہاں ضائع میں سے صنعت ایہام اور لزوم مالایلزم کا بے ساختہ استعمال ہے۔ موسیقی سے جبلی وابستگی کی بنا پر ہر مصرعے میں ہم قافیہ الفاظ کے استعمال سے ایک لے، ایک صوتی جھنکار پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ایک نعت ملاحظہ ہو۔

لکھ فیض سوں پھر آیا دن دین محمدؐ کا
آفاق صفا پایا، دن دین محمدؐ کا
یوں عید ہمن ساجے نصرت کے بجیں باجے
ہے جگ کے بنجارے، دن دین محمدؐ کا
گلشن میں شریعت کے پھل کھلے طریقت کے
پرمل سوں حقیقت کے، دن دین محمدؐ کا
روشن ہوئے اسماناں، جمکائے رتن کھاناں
خط لیوائے مسلماناں، دن دین محمدؐ کا
جو بارہ اماماں ہیں، لاکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں، دن دین محمدؐ کا
صدقے نبی عبداللہ، شہ کوں ہے مدد اللہ
پنجتن گرا باللہ، دن دین محمدؐ کا

مجموعی طور پر اسکی نعتیہ شاعری ملمع کی شاعری ہے۔ انھوں نے اردو نعت کی روایت کو اپنی شاعری سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا۔ یہ بات ضرور درست ہے کہ امتداد زمانہ سے ان کی زبان محمد قلی قطب شاہ کے مقابلے میں زیادہ صاف ہوگئی ہے۔ اب ہندوی تہذیب کا رنگ بھی قدرے ہلکا ہوگیا تھا۔ اور اس کی جگہ فارسی زبان و تہذیب کا رنگ گہرا ہونے لگا تھا۔ تاریخ ادب میں ان کی اہمیت اس لئے مسلم ہے کیونکہ ان کی

اس قصہ کو موضوع سخن بنا چکے تھے۔ اس مثنوی (مینا ستونتی) کی نعت میں بھی نبی صلعم کے اوصاف کا واضح بیان ہے۔ اس میں آپ کا شفیع خاص و عام ہونا، شفیع الانبیاء والمرسلین ہونا، سرور اولیاء ہونا، اسلام کو نور بخشنا۔ اور خاتم الانبیا ہونا آپ کو شرف و لولاک عطا ہونا وغیرہ مضامین کو شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ اس نعت کا اختتامیہ بہت جاندار ہے۔ اور خلوص و عقیدت و جوش سے بہت معمور ہے۔ شاعر اپنے جیسے ہزاروں نیک ناموں کو آپ کی نعلین شریفین پر قربان کرتا ہے۔ چند چیدہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمدؐ نبی سروری اولیا — نبیاں، مرسلاں پر شفاعت کیا
منور کیا جسنیں اسلام کوں — شفاعت دیا خاص ہور عام کوں
محمد نبی خاتم الانبیاء — شرف جسنیں حق جگمیں ہمنا دیا
دیا جس کو تشریف لولاک کا — ہوا جسنیں مظہر یہ افلاک کا
تصدق ہمن سار کی کئی ہزار — محمدؐ کے نعلیں پر بار بار[1]
ہزاروں ہمن سار کی نیک نام — محمدؐ پر صدقے ہیں ساری تمام

اس کی تیسری مثنوی "طوطی نامہ" مصنفہ ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء اس دور کی تخلیق ہے جب کہ وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اور فارغ البالی کے ساتھ حیات مستعار کے بقیہ ایام گزار رہا تھا۔ طوطی نامہ کے فتیہ اشعار پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں مینا ستونتی اور سیف الملوک کی قدیم دکنی کی چھاپ ہلکی پڑ گئی ہے۔ اب شاعر کو طول طویل مفاہیم و مضامین کو کم سے کم الفاظ میں ادا کرنے کا سلیقہ آگیا ہے۔ مثنوی سیف الملوک میں

(بقیہ صفحہ ۱۱۹ کا) چند ائن ہی میں سنہ تصنیف درج کرتے ہوئے لکھا ہے۔
"برس سات سے ہوئے اکہاسی" چند ائن۔ ملا داؤد۔ صفحہ ۱۵۰ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقالہ ہذا۔ صفحہ ۴۲

[1] مینا ستونتی مرتبہ علام عمر خاں (قدیم اردو) جلد اول مطبوعہ حیدرآباد دکن۔ صفحہ دالا حصہ شکستہ ہے۔

علم پرستی کی وجہ سے ایران، توران، روم اور شام کے اہلِ کمال نے گولکنڈہ آکر علم و ادب کے دریا بہا دیئے۔ ابن نشاطی، غواصی، اور سید بلاقی جیسے نعت گو شعراء اسی دور میں داد سخن دے رہے تھے۔

غواصی

سلطان محمد عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر غواصی اپنے عہد کا بہت بڑا شاعر ہے۔ اس کے نام کے سلسلے میں تواریخ اور خود اس کی تصنیفات ساکت ہیں۔ اس نے اپنے کلام میں کہیں غواصی اور کہیں غواص کو بطور تخلص استعمال کیا ہے۔ خود پسند وجہی کا غواصی کو اپنا حریف سمجھ کر چوٹ کرنا، اس کی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ وجہی نے غواصی کا نام لے کر کہا تھا۔

اگر غوطے لگ برس غواص کھائے ۔۔۔ تو یک گوہر اس دھات امولک نہ پائے

اور غواصی نے "سیف الملوک و بدیع الجمال" لکھتے وقت اپنے حریفوں کو خطاب کرتے ہوئے ببانگ دہل کہا تھا۔

جتے ہیں طوطی ہندوستان کے ۔۔۔ بھکاری ہیں منج شکرستان کے

تنگ دستی کے زمانے میں وجہی اور غواصی کے تعلقات خوشگوار تھے۔ غواصی ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء میں گولکنڈہ میں سفارت کے فرائض انجام دینے کے لئے تعینات کیا گیا تھا۔ اس نے شاعری میں ایک کلیات (جس میں غزلیں، قصائد، نظمیں، رباعیاں، مراثی اور ترکیب بند نظمیں شامل ہیں۔) اور تین مثنویاں بطور یادگار چھوڑیں۔ اس کی مثنویات مثال کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سیف الملوک و بدیع الجمال مصنفہ ۱۰۳۵ھ جو الف لیلیٰ سے ماخوذ ہے غواصی کی اس میں (۲۱) اشعار نعت کے

کہے ہیں۔ اس نے خلفائے اربعہ کی منقبت میں بھی اشعار کہے ہیں۔ اس کے یہاں نعت و منقبت میں اوصاف کا بیان مستوفی ہے۔ نبی صلعم کے بیان اوصاف میں قرآنی آیات کو مکمل طور پر مدنظر رکھا گیا ہے مثنوی سے معرض بحث سے چند ابیات بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

سچّا تو محمد سچّا مصطفےٰ ۔۔۔ سچّا ہے توں احمد مرتضےٰ
توں طٰہٰ توں یٰسین توں ابطحیٰ ۔۔۔ توں امی توں مکی توں مرسل سہی
توں اول توں آخر توں ہی ہے امیر ۔۔۔ توں ظاہر توں باطن نبی بے نظیر
نہیں ہاشمی ہور قریشی رسول ۔۔۔ جگت تو کہے سو کرے رب قبول
توں قائم توں حجت توں حافظ سچّا ۔۔۔ توں شافع توں سابق تو واعظ سچّا
تقی ہور سخی توں ولی ہور خلیل ۔۔۔ دیا تج بنی ناؤں رب الجلیل
خدا کے نبیاں کا سو سلطان توں ۔۔۔ دیو نہار ساریاں کو ایمان توں[1]

غواصی نے اس مثنوی میں محی الدین کی مدح کے مابین تغزلیہ مضامین پیدا کئے ہیں۔ اور سرور کائنات کی مدح لکھی ہے۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

قسم کھاؤں میں سورہ یٰسین سوں ۔۔۔ کہ حق بعد ہے جیو میرا تین سوں
حمایت جو مج ہے تین کا ۔۔۔ محمد علی ہور محی الدین کا

اس مثنوی کی متبع ہیں مقیمی نے "چندبدن و مہیار" لکھی۔ غواصی کی "مینا ستونتی" یا "چند اور نورک" کی تصنیف کا سہ پردہ خفا میں ہے داخلی شہادات سے علوم ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق "سیف الملوک و بدیع الجمال" سے پیشتر ہوئی ہوگی۔ ۷۸۱ھ ۱۳۷۹ء[2] میں ملا داؤد بہمنی فیروز شاہ خلق

---

[1] مثنوی سیف الملوک بدیع الجمال: مرتبہ میر سعادت علی صاحب رضوی صفحات ۴ و ۸ ــــ

[2] تاریخ ادب اردو جلد اول کے صفحہ ۴۷۵ میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے ملا داؤد کی چندائن کا سنہ تصنیف ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء درج کیا ہے۔ جو کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ ملا داؤد نے مثنوی (بقیہ اگلے صفحہ ۱۲۰ پر)

غواصی نے سخن کی اہمیت واضح کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ سخن ہی انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ اس نے شاعری کے میدان میں روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا تھا کہ شاعری کے لئے ربط لازمی ہے۔ اور تخیل، نیا مضمون، نئی تشبیہ، رس بھرے الفاظ، نئی طرز، سلاست، نزاکت، نازگی، لطافت اور سحر (اثر آفرینی) شاعری کی جان ہیں۔ شاعری کے ان معاییر کی کارفرمائی معرض بحث مثنوی میں نظر آتی ہے۔ غواصی نے "طوطی نامہ" میں نعت کے (۲۴) اشعار کہے ہیں جن میں محمد صلعم کے نور سے عالم کا آشکارہ ہونا، بانی اسلام کا ازل و ابد سے تعلق، نبی امی کا خاتم المرسلین ہونا، جبرئیل کا انگبیں نبوی کا مگس ہونا، شاعر کا نبی کے غلام ہونے پر اپنے طالع کو نیک متقین کرنا اور لولاک وغیرہ طولانی مفاہیم مختصر الفاظ میں جدید تشبیہات، موثر اسلوب، بدیع عبادت، سلیس و نازک طرز و توانا الفاظ کے ذریعہ ادا کئے گئے ہیں۔ معرض بحث مثنوی کے نمائندہ نعتیہ ابیات ہدیۂ ناظرین میں ملاحظہ ہوں۔

رتن خاص دریائے لولاک کا — جھلک لامکاں نور افلاک کا
محمد نبی سید المرسلین — سدا روشن اس تے ہے دنیا و دیں
عدم میں تے عالم کو پروردگار — اسی کے کیا نور سوں آشکار
رواج آفرینش کیا سود ہیچ — چراغ اہل بینش کیا سود ہیچ
ازل محض اس کا خزینہ دسے — ابد عین اس کا مدینہ دسے
ہوئے ختم اس پر نبوت کے گن — بجے طبل اس کا قیامت لگن
تم اس کے دسے لطف کا سلسبیل — مکھی اس کے ہے شہد کا جبرئیل
حرم کبریا کا سوا اس کا مقام — بندۂ شمس ہور بدر اس کا غلام
بڑے بخت جو میں غواصی غلام — ہوں ایسے نبیؐ کا علیہ السلام
سدا پاؤں سکھ میں اسے یاد کر — ہزاروں درود اس کی اولاد پر

۱۔ طوطی نامہ مصنف غواصی۔ مرتبہ میر سعادت علی رضوی۔ ص ۵ و ۴

نعتیہ نقطۂ نگاہ سے غواصی کی یہ مثنوی غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ اسمیں نعتیہ عناصر کثرت سے بکھرے ہوئے ہیں۔ اور بانی اسلام کی تعلیمات کی روح ہر جگہ جاری و ساری ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے لفظوں میں۔

"طوطی نامہ میں وہ قناعت پسندی، دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے عشق الٰہی کے بحر عرفان میں غواصی کرنے اور خواب گراں سے بیدار ہونے کا درس دیتا ہے۔ اب وہ فانی دنیا کے علائق سے دل توڑ کر ازلی و ابدی حیات کا غواص ہونا چاہتا ہے[1]"

ان کی (غواصی) نعتوں میں شیفتگی کا وہ نور محمد قلی قطب شاہ جیسا نہیں ہے لیکن فنکاری اور فن کی ذمہ داری کے اعتبار سے وہ محمد قلی قطب شاہ سے بہت آگے ہے لیکن جب فنکارانہ شعور میں اسکا مقابلہ وجہی سے کیا جاتا ہے تو وجہی غواصی سے کہیں زیادہ قد آور نظر آتا ہے۔

احمد

شیخ احمد کی نعتیہ شاعری صرف اس لئے اہم ہے کیونکہ وہ ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہے جہاں سے قدیم اسلوب (ہندوی اسلوب) کا سورج غروب ہوتا ہوا اور جدید اسلوب (فارسی اسلوب) کا سورج پوری تابناکی کے ساتھ طلوع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ احمد کا وطن اصلی گجرات تھا۔ اور وہ بعہد محمد قلی قطب شاہ ہجرت کر کے گولکنڈہ آیا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ نے اسکو درباری شاعر بنایا[2] اس نے تین مثنویاں "مصیبت اہلبیتؑ" "یوسف زلیخا" اور "لیلیٰ مجنوں"

۱۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۴۸۲
۲۔ پنجاب میں اردو حافظ محمود خاں شیروانی ص ۔ 199
نیم بک ڈپو ۱۹۷۵ء

لکھیں۔ اس کی ان تینوں مثنویوں میں رسمی طور پر سرور کائنات صلعم کی نعت ہے تینوں مثنویوں کی زبان اور اسلوب میں نمایاں فرق ہے۔ یوسف زلیخا کی زبان میں دیسی عناصر کی فراوانی ہے عربی و فارسی کے الفاظ کم سے کم استعمال کئے گئے ہیں۔ مصنف نے خود ہی کہا ہے۔

عرب الفاظ اس قصے میں کم لیاؤں　　نہ عربی فارسی بھوتیک میلاؤں

اور چونکہ وہ عہد فارسی سے مرعوب تھا اس لئے قدیم اسلوب میں لکھی گئی یہ مثنوی "نقش و نگار طاق نسیاں" ہو گئی کیونکہ اس عہد میں ہندوی روایت کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ صنعتی نے قصہ بے نظیر (۱۰۵۵ھ - ۱۶۴۵ء) میں کہا تھا۔

رکھیا کم سنسکرت کے اس میں بول۔

نصرتی نے علی نامہ (۱۰۷۶ھ - ۱۶۶۵ء) میں لکھا تھا کہ۔

کیا شعر دکھنی کو جیوں فارسی۔

اور کبیر نے نویں صدی ہجری میں صاف صاف کہہ دیا تھا۔

سنسکرت ہے کوپ جل، بھاشا بہتا نیر۔

اسی رجحان کو محسوس کر کے جب اس نے محمد قلی قطب شاہ کے حکم پر دوسری مثنوی "لیلیٰ مجنوں" لکھی تو اس میں جدید اسلوب کو اپنایا۔ اور فارسی عربی کے شیریں لطیف الفاظ بکثرت استعمال کئے جہاں تک روزمرہ محاورے اور ضرب المثال کا تعلق ہے ان کی تینوں مثنویوں میں ان کی فراوانی ہے۔ احمد نے مثنوی "یوسف زلیخا" میں (۲۶۸۴) اشعار کہے ہیں۔ اولیت کے اعتبار سے وہ اردو مثنوی کی پہلی روایت کا بانی ہے اور "کدم راؤ پدم راؤ" و "چندا بن" کو مستثنیٰ کرتے ہوئے دکن گجرات اور شمالی ہند کی سبھی معلوم مثنویاں "یوسف زلیخا" کے بعد منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں لیکن زمانہ کی روش سے منحرف ہونے کے باعث اس کو وہ داد سخن نہ مل سکی جو اس سے کم تر درجہ کے شعراء کو مل رہی

تھی! احمد کو اس بات کا بیحد افسوس تھا جس کا اظہار اسنے اکثر غزلوں میں کیا ہے[1]

موضوع ہئیت اور مضمون کے اعتبار سے ان کی نعتیہ کاوشیں خواہ وہ آغاز مثنوی میں ہوں یا اثنائے مثنوی میں، خالص رسمی ہونے کے باعث غیر اہم ہیں۔ مثنوی "مصیبت اہلبیتؑ" کے ضمن میں شامل کئے گئے دو اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

سنو قصہ مصطفےٰ کا جو ہے سرور انبیاء　　جنکے واسطے پیدا ہوئے دونوں عالم دین و دنیا

جنکا نانوں عرش اوپر رحمت للعالمین　　اول انکو پیدا کر کر بعد ازیں دنیا و دیں

شاعر نے مثنوی اہلبیتؑ میں واقعہ شہادت حضرت امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ منظوم کیا ہے۔ مضمون کے اعتبار سے اس مثنوی میں مشمول نعتیہ کاوشیں جذبہ و واقعہ کی سچی ترجمان ہیں۔ مثنوی میں واقعات نگاری، جذبات نگاری اور نفسیات انسانی کی سچی اور صحیح عکاسی نظر آتی ہے۔

بلاقی

محمد قلی قطب شاہ کے دور میں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ہندوی رسوم و معتقدات کا اچھا خاصہ استیلا و غلبہ تھا اسی لئے اس عہد کے شعراء کا رجحان "میلاد نامہ" "وفات نامہ" اور "قلندر نامہ" کی طرف مبذول ہوا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے لفظوں میں۔

"اس زمانہ میں "معراج نامہ" "وفات نامہ" اور "قلندر نامہ" کثرت سے لکھے گئے اور ان کو پڑھنے کے لئے محفلیں منعقد ہوتیں۔ شیرینی تقسیم ہوتی اور فاتحہ پوری ہونے پر میلاد اور بیان معراج

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو ج ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ۔ ص ۴۲۸

کی محفلیں مانی جاتی ہیں۔

بلاقی کا نام سید بلاقی اور تخلص بلاقی تھا۔ وہ کسی دربار سے منسلک نہ تھا۔ اس لئے اس نے اپنے معراج نامہ میں دربار سے وابستہ شعراء کے برخلاف "مدح سلطان زماں" کی جگہ پر خلفائے اربعہ کی منقبت کو "چاریاراں" کے عنوان سے شامل کیا ہے۔ بلاقی کا معلوم شعری کارنامہ یہی معراج نامہ ہے جسمیں اس نے سرور کائنات کے واقعہ معراج کو بالتفصیل (۵۲۵) ابیات کے مابین نظم کیا ہے۔ راقم کی معلومات کی رو سے یہ پہلی نعت ہے جسمیں بیانیہ انداز میں نبی اکرم صلعم کی حیات طیبہ کے بلکہ انسانی حیات کے عظیم واقعہ پر روشنی ڈالی گئی ہے شاعر نے اشہب قلم اور سمند تخیل کے سہارے واقعات کی ایسی توانا اور جاندار تصویر کھینچی ہے کہ معراج کے واقعاتی البم کی ضمنی تصویریں آنکھوں کے سامنے افعالِ حیات کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ بلاقی کے معراج نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۶۵ھ ہے جس کو بلاقی نے اپنی تصنیف میں نظم کر دیا ہے۔

قصہ یہ ہوا سب خلق میں عجیب — کیا چاند شش میں سو ماہ رجب
ہزار ایک پنج شصت تھیں سال میں — سو انور کے روز خوش حال میں

بلاقی نے حمد باری سے متعلق اشعار میں صنعت براعت الاستہلال کے طور پر قدرت خداوندی کی تعریف کی ہے اور اس کی تخلیقات میں سے انہی کا تذکرہ کیا ہے جن سے شب معراج کو سابقہ پڑا تھا در حقیقت معراج قدرت الٰہی کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ خدائے بزرگ برتر نے اپنے پاک حبیب کے لئے زمین و آسمان کے حصار توڑ ڈالے اور سورج، چاند، تارے، حور و ملک اور جن و انس کو منشائے سفر رسول کے تابع بنا دیا۔

اوّل نام اللہ سو بولوں احد — ثنا و صفت اس کی ہے بے عدد
ثنا اس پرنت سزاوار ہے — کرنہار قدرت میں کرتار ہے
کیا چاند، سورج ستارے فلک — زمین، آسماں، حور، جن و ملک

۱؎ تاریخ ادب اردو، ج ۔ ۱، ڈاکٹر جمیل جالبی ص/ ۴۹۳

بلاقی کا معراج نامہ فارسی کے کسی معراج نامہ کا ترجمہ ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ہی اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے۔

کہ معراج نامہ کی سنیو خبر — حکایت جو بولا ہوں میں مختصر
کیا فارسی کو سو دکھنی غزل — کر ہر عام ہور خاص سمجھیں غزل
جو سید بلاقی نبی کا غلام
قصہ یو کہیا ہے لطف سو تمام

بلاقی نے یہ معراج نامہ اپنے عہد کے معاشرتی و مذہبی معتقدات و مقتضیات کو مدنظر رکھ کر محافل میلاد کے لئے لکھا تھا جس میں وہ کامیاب رہا۔ اس کے معراج ناموں کے نسخوں کی کثرت اس حقیقت کو مترشح کرتی ہے کہ اس کا یہ معراج نامہ اپنے زمانے میں مقبول خاص و عام تھا۔ بلاقی کہتا ہے۔

اگر کوئی پڑھے گا تو اس کوں ثواب — نہ کہنے میں آتا ہے اس کا حساب

ڈاکٹر جمیل جالبی نے پیرس، لندن، حیدر آباد، کراچی کے کتب خانوں میں محفوظ نسخوں کا تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ انجمن ترقی اردو پاکستان کے قلمی نسخے کے علاوہ آٹھ اور قلمی نسخے ان کے نظر گذار ہوئے ہیں۔ لیکن ان نسخوں میں تصنیف سنہ ۱۰۵۶ھ مرقوم ہے۔ راقم السطور کے نزدیک یہ کتابت کی سہو اور کاتبوں کی سہل پسندی کا ثمرہ ہے۔ کہ وہ (۵) اور (۶) کے تقدم و تاخر کو ملحوظ نہ رکھے۔

بلاقی نے معراج نامہ کی بحر میلاد خوانوں کا لحاظ رکھتے ہوئے رواں دواں اور مترنم رکھی ہے جسکو لَے کے ساتھ مسحور آواز میں پڑھا جا سکتا ہے۔

۱؎ تاریخ ادب اردو جلد اول۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ص/ ۴۹۳ حاشیہ نمبر ۲
ڈاکٹر جمیل جالبی نے خود بھی لکھا ہے "سید بلاقی نے ۱۰۵۶ھ/ ۱۶۴۶ء میں معراج نامہ کے نام سے ایک نظم لکھی"۔ تاریخ ادب اردو ج ۔ ۱ ص/ ۴۹۳؛ سید بلاقی کے بیت مذکورہ پر ص/ ۱۲۵ مقالہ ہذا کی روشنی میں بلاقی کے معراج نامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۶۵ھ متعین ہوتا ہے۔ لہٰذا ۱۰۵۶ھ غلط ہے۔ راقم

معراج نامہ ہندوستانی ضمنیات سے متاثر ہے۔ اور اس پر دیوتاؤں کی مدحت سرائی کی گہری چھاپ ہے یہی وجہ ہے کہ بلاقی کے معراج نامہ میں مافوق الفطرت موضوع روایات کثرت سے آ گئی ہیں۔ باقر آگاہ نے بہشت بہشت میں اور شاہ کمال (۱۷۸۱ھ/۱۷۶۷ء) نے اپنے معراج نامہ میں غلط اور موضوع روایات نظم کرنے پر بلاقی کی مزمت کی ہے۔

ہندوستانی صنم پرست ذہنیت نے عوام پر دیوتاؤں کی عظمت و جلالت کا سکہ بٹھانے کے لئے محیر العقول کارناموں کا انتساب دیوتاؤں سے کیا ہے۔ بلاقی نے صنم پرست ذہنیت سے متاثر ہو کر اپنی فنتیہ کاوش کو مقبول عام بنانے کی غرض سے معراج نامہ میں محیر العقول مستبعد عناصر ضعیف و موضوع روایات کا سہارا لیکر داخل کر دئے مثلاً اس نے یہ روایت نظم کی کہ دور نبوی میں ایک یہودی نے معراج کو (عیاذاً باللہ) غلط متصور کر کے واقعہ کی تضحیک کی۔ وہ اپنی بیوی کو مچھلی بنا کے چھوڑ کر غسل کرنے گیا غوطہ لگاتے ہی اس کے جنس تبدیل ہو گئی اور وہ مرد سے ایک جمیل و شکیل عورت کی شکل میں متبدل ہو گیا۔ ایک مرد اس کو پکڑ کر لے گیا اس کے بطن سے سات لڑکے متولد ہوئے کئی سال بعد جب وہ دوبارہ نہانے گیا تو غوطہ لگاتے ہی اس کی اصلی جنس اور کر آئی۔ اور گھر جا کر اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی اسی طرح مچھلی بنا رہی تھی۔ یہودی نے اس واقعہ کو لوگوں سے بیان کیا تو بری طرح جھٹلایا گیا۔ آخر وہ نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

بلاقی نے یہودی کے عورت بن جانے کے بعد اس کے حسن و جمال کی تعریف اسی مبالغہ آمیز انداز میں کی ہے جس انداز میں "بدیع الجمال" "مشتری" "چند ربدن" اور "سمن بر" وغیرہ ملتی ہیں۔

بلاقی نے معراج نامہ میں آسمانوں کی سیر، سابقہ انبیاء و مرسلین سے نبی صلعم کی ملاقات، جنت و دوزخ کی سیر آخر میں بارگاہ ایزدی میں شرف یابی کے احوال تفصیل سے بتلائے ہیں۔ لیکن اس (بلاقی) نے اکثر جگہ

عصری معراج کے تحت شعور احسنت کی تمنا میں موضوع روایات کا سہارا لیکر واقعات میں افسانویت پیدا کرنیکی کوشش کی ہے اور دیوتاؤں کی آسمانی سیر کا تاثر پیدا کیا ہے۔ نمونے کے طور پر بلاقی کے معراج نامہ کے فلک اول کی سیر سے متعلق چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

کہ پہلے سما کے سو دربان کوں	کیا کھول بیگی دروازہ توں
سو دربان بولا کہ کون ہے	کہ آیا اوسی رات کیا کام ہے
کہا میں جبرئیل کچھ کام تھا	گیا تھا زمیں پر جو فرمان تھا
دربان بولا دوجا کون ہے	کہ محبوب حق کا نبی خاص ہے
کہا مرحبا بیگی در کھول کر	تجھے دیکھنے میں کھڑا منتظر
کہ اپرال پہلے طبق کے ملک	دیکھے نور کا واں پڑا سب جھلک
کہ صلوٰۃ بولے و کہے سلام	دیئے جواب ان کو علیک السلام

بلاقی کے اسلوب نگارش میں سادگی ہے۔ الفاظ عام فہم اور سادہ و سلیس ہیں۔ محاکاتی و مکالماتی انداز نے کلام میں جان پیدا کر دی ہے۔

یہ دور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے دکن کی تاریخ میں کافی انتشار و اضطراب کا دور تھا۔ ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء دکن پر مغلوں کے حملے شروع ہو گئے تھے جن کی وجہ سے عوام پر خوف اور سراسیمگی کا ماحول طاری ہو گیا تھا۔ ان حملوں نے ۱۰۴۶ھ/۱۶۳۶ء میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کو صلح پر مجبور کر دیا۔ عبداللہ قطب شاہ کے مغلوں سے اس معاہدے[1] کے بعد عوام کے مذہبی رجحان میں مزید شدت آ گئی۔ اور سارا معاشرہ اس مذہب میں سکون تلاش کرنے لگا جو پیری مریدی اور چند خود ساختہ رسوم و رواج میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ اسی لئے اس دور میں کثرت سے "میلاد نامے" "وفات نامے" اور "معراج نامے" لکھے گئے۔

عبداللطیف کا "مولود نامہ" اور "وفات نامہ" اسی دور انتشار کی تخلیق

---

[1] "تاریخ ادب اردو جلد اول" جمیل جالبی صفحہ ۵۱۱

ہے۔ موصوف نے اپنے "وفات نامہ" میں جزئیاتی واقعات بڑی احتیاط کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ اس نے حضور صلعم کے غسل، تجہیز و تکفین و تدفین اور اس عظیم سانحہ کے اصحاب کرام پر اثرات کے احوال و کوائف مع تمام جزئیات بہت دلپذیر انداز میں بیان کئے ہیں۔ انکی زبان رواں دواں توانا اور پُرزور ہے۔ لیکن شریعت و ادبیت کی روایت کو آگے بڑھانے میں انکا کوئی مقام نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے شعری سرمایہ میں ہر جگہ اپنا پورا نام عبداللطیف نظم کیا ہے۔ اور اپنے کو از راہ کسر نفسی عاجز لکھا ہے نصیرالدین ہاشمی نے مغالطہ میں پڑکر عاجز کو عبداللطیف کا تخلص کہہ دیا ہے[1] عبداللطیف کا یہ وفات نامہ طبعزاد نہیں ہے۔ بلکہ فارسی کے ایک وفات نامہ کا ترجمہ ہے۔ عبداللطیف نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

کہا ترجمہ اس کو دکھنی زباں — دے ہر کسے زیب ہونے عیاں
اٹھے سال پیمبر کہ ہجرت کیرا — ہوا اس وقت دکھنی یو ترجما
کہ دس سو اوپر شصت ہور چہارہ — اٹھاہ چاند اوّل ربیع نیک ماہ
کہ ہوں بندۂ عاجز بدرگاہ الٰہ — کہ عبداللطیف دین عسکر اللہ

اسی اور کا دوسرا وفات نامہ عالم گجراتی نے ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۶۶۹ء میں مرتب کیا انھوں نے اپنے وفات نامہ کا سنہ تصنیف نظم کرتے ہوئے اسی وفات نامہ میں کہا ہے۔

خواجہ عالم ہو کے تم — عالم اوپر کرو رحم
ہزار برس پر اسی اور سات — سنہ ہجرت ترتیب عالم بات

عالم کے وفات نامہ میں ہندوی روایت کا غلبہ ہے۔ اور اس کی بحر بھی ہندوی ہے اور اس نے وزن بھی خوب محمد چشتی کی "خوب ترنگ" اور اشرف کی "نوسرہار" کا تتبع کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔ کہ

"ہندوی بحر آٹھویں صدی ہجری سے گیارھویں صدی ہجری

---

[1] ۔ وضاحتی فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ

تک عام مقبول رہی۔ یہی بحر میراں جی، جالم اور شاہ داول نے بھی استعمال کی ہے۔ اس بحر میں بہت سی مذہبی نوعیت کی نظمیں سارے برعظیم کی طول و عرض میں ملتی ہیں اسکی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحر چھوٹی تھی اور اسے محفلوں میں ترنم کے ساتھ نہ صرف پڑھا جا سکتا تھا بلکہ اشعار بھی آسانی سے یاد ہو جاتے تھے اسی لئے قدیم اردو کی نصابی کتابیں جیسے حمد باری وغیرہ بھی اسی بحر میں لکھی گئی ہیں[1]"

ادبی نقطۂ نگاہ سے اس وفات نامے کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ عالم نے الفاظ کو وزن میں لانے کے لئے انکو بے وجہ مسخ کیا ہے۔ وہ روایت کو نظم کرنے میں صحت و صداقت کا قطعاً خیال نہیں رکھتے۔ مثال کے طور پر "ذکر صعوبت مرض آں حضرت علیہ السلام" کے عنوان سے جو اشعار رقم کئے گئے ہیں ان میں صداقت واقعہ سے روگردانی کرتے ہوئے بیجا تحریفات کی گئی ہیں۔ چند اشعار ہدیۂ قارئین ہیں۔

میمونہ کیاں تھے نبی — اس دن ان کی باری تھی
او تھاں نبی کوں نا سکھ آئے — عائشہ کے گھر جایا جائے
پوچھاں اس تھی پھر پھر کر — کال میں رہوں گا کس کے گھر
تب بیبیوں نے پائی بات — سب راضی ہو ہاتیں ہات
بی بی کے گھر لیائے درحال — نبی ہمارے ہوئے خوش حال
نبی کا دھکتا جو روڑ — پھر پھر سوتے پاسے موڑ
ایسی آئی تاپ پر تاپ — پاس بیٹھے فلاوے تاپ
ابوسعید نے پوچھا جائے — بھوت بتی ہے نبی خدائے
چادر جو تم اوڑھی ہے — جانے آگ پر چھوڑی ہے

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو جلد اول (قدیم دور)
ڈاکٹر جمیل جالبی صفحات ۱۳۷/۱۳۸

تم جو ہے گے رسولؐ خدا تم کو ایسا دھکنا ہے کیا
فرمایا کہ بھوت بلا انبیاؤں پر آئی سدا

معراج ناموں کی دنیا میں عادل شاہی دور کے اہم شاعر معظم کا معراج نامہ کافی وقیع ہے۔ انھوں نے اس معراج نامہ میں واقعاتِ معراج مختلف عنوانات کے تحت اس خوبی کے ساتھ نظم کئے ہیں کہ اگر عنوانات کے اشعار یکجا کر لئے جائیں تو ایک ایسی مربوط نظم بن جاتی ہے جسمیں پورے معراج نامہ کا خلاصہ بھی آجاتا ہے۔ لسانی اعتبار سے اس معراج نامہ کی اپنی اہمیت ہے اس کی زبان پچھلے پچیس سال کی زبان سے نمایاں طور پر مختلف ہے معظم نے معراج نامہ کے علاوہ قلندر نامہ لکھا اور غزلیں نیز مرثیہ حزنی بھی لکھی ہیں۔

مختار

عادل شاہی دور کے ممتاز نامی شاعر کی وہ نعتیہ کاوشیں منصہ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔ یہ دونوں نعتیہ کاوشیں "مولودنامہ" اور "معراج نامہ" ہیں۔ "مولودنامہ" کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی میں محفوظ ہے اور "معراج نامہ" کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں اور دوسرا انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی میں موجود ہے۔ مختار کا مولودنامہ اپنے زمانہ میں کافی مقبول ہوا اس مولودنامہ کا سنہ تصنیف ۱۰۸۳ھ یعنی ۱۶۷۲ء ہے اس میں بنیادی طور پر حضور صلعم کی ولادت کے حالات و واقعات نظم کئے گئے ہیں۔ اور ضمناً درود کی فضیلت، نورِ محمدی، امت محمدی، عبد کی فضیلت اور ان کے اخلاق، نبی اکرم صلعم کے معجزات اور آپکے شمائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ مختار کی دوسری تصنیف معراج نامہ ہے۔ جسمیں تقریباً (۳) ہزار اشعار ہیں۔ مختار نے اپنے معراج نامہ میں انہی روایات کو جگہ دی ہے جو اس دور میں مقبول خاص و عام تھیں۔ انھوں نے معراج کے احوال و کوائف بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں اس معراج نامہ کا سنہ تالیف ۱۰۹۲ھ ہے۔

مختار کہتے ہیں۔

محمدؐ یو مختار کوں کر فدا تو ایمان اہمکوں اچھیگا سدا
یو معراج نامہ لکھیا یادگار لبی کے کرم کا اسے ہے ادھار
یو معراج نامہ ہوا ہے تمام سلامٌ علی روح خیر الانام
سنہ تھا یو ہجرت کا دن قرار تھے گذرے نو د چار پر ایک ہزار[1]

یہ معراج نامہ مثنوی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ شاعر نے حمد باری سے متعلق ابیات میں صنعت براعت استہلال استعمال کرتے ہوئے مثنوی کے آغاز ہی میں معراج کا تذکرہ کیا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اس مثنوی کا ہدف واقعات معراج کا بیان ہے ملاحظہ ہو۔

کہو حمد اول اسی راج کا نبیؐ کو دیا تاج معراج کا

نعت کے اشعار میں لولاک کا مضمون رسول اکرم صلعم کے خلاصۂ کائنات ہونیکا مفہوم، قرآن کے شفاء للناس ہونیکا مضمون، احمد اور احد کے ایک ہونیکا فرقہ مضمون وغیرہ بیان کئے گئے ہیں اور اسی ضمن میں لفظ محمد میں شامل چاروں حروف کی نادر تشریح کیساتھ ان (حروف) کے شارٌ الیہم معین کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کے چند ابیات ہدیۂ قارئین ہیں۔

اس چار حرفاں کا ہے ناؤں آج رکھے اسکوں لولاک کا سر پر تاج
سو پر حرف کا میں کہوں یوں بیان کہ ہے میم محبوبیت کا نشان
سو حی لے ولالت حمایت اپر حمایت کی ساری شفاعت اپر
سو میم دگر سب مدد کی خبر قیامت میں دیتا ہے امت اپر
کہوں واں ہے ادنا نی دوا جو ہے درد عصیاں کا ادہے شفا
خزینہ سو دارد کا قرآن ہے کہ سب مرمناں کا او ایمان ہے
دیکھے درد جیا سو دیا علاج کرے او کہ ہے سب خلائق کا تاج

[1] معراج نامہ مختار مملوکہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد۔ ورق ۱۲۰ الف

نتیجہ کئے اس کوں داریں کا خلاصہ کئے اس کوں کونین کا

کہتے ہیں اور احمد ہیں لامیم کا ہے نقطہ جلالین کے جیم کا

اس نعت ہی کے ضمن میں نعتیہ فضا کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے عجز بیانی کا اعتراف بڑے نادر و بدیع انداز میں کیا ہے۔

عجب نور نورٌ علیٰ النور ہے جہاں سب سمجھتے تی او دور ہے

سمجھتے بنے او سماتا نہیں زباں سوں کہتے کوں او آتا نہیں

بیاں میں سوا سکوں عیاں کیوں کروں حقیقت اسی کا بیاں کیوں کروں

بیاں کو نہیں ٹھار اس ٹھار میں تنکو کھول اسرار بازار میں

ولے کھولنا کس کو آتا نہیں جو او پوچھنے میں سماتا نہیں

مختار نے منقبت اصحاب میں بھی نعتیہ عناصر کو متوازی کر دیا ہے۔ وہ شفیعی رسولؐ کو حاصل ایمان سمجھتا ہے اسی لئے اس نے منقبتیہ اشعار میں اصحاب کے دیگر اوصاف کی بہ نسبت عشق رسولؐ کے وصف کو زیادہ نمایاں کر کے پیش کیا ہے انھوں نے منقبتیہ اشعار کے اختتام پر غوث اعظم اور اپنے پیر عبدالصمد کی مدح کے بعد اصل واقعہ کا آغاز اس طرح کیا ہے۔

اتا کچھ بیان کر توں معراج کا بنیاں ہور ولیاں کے سرتاج کا

جواہر جو ردلوں اسی تاج کے کیتک ہیں ہیں اس معراج کے

معراج کے اسباب میں اس نے پانچ روائتیں نظم کی ہیں۔ اس کے بعد معراج کا سفر اور اس کے تفصیلی حالات بیان کئے ہیں۔ حضرت جبریل کی تشریف آوری اور نبی صلعم سے ان کی ہم کلامی یوں نظم کی گئی ہے۔

کہے جبرئیل آ کے قم یا حبیب بڑا ہے خدا کے تجھ نصیب

سو جبرئیل نے حق تے ان پر سلام پچھیں ان سوں یوں کئے ہیں کلام

---

۱ معراج نامہ ورق ایک۔ دو (ب) ۳ (الف) و ۳ (ب)

۲ معراج نامہ ورق ۱۲ (الف)

کہیا حق تعالےٰ نے حق تجھے سو کام بھی صلوٰت بولیا درود و سلام

کیا حق تعالےٰ نے یوں تم کوں سب جو پیدا کیا تم کوں میں اس سبب

شفاعت منگے سب گناہ گار کی جو بخشاوے سب انکوں یکبار کی

چلو بیگی مکے کے جنگل منے سب امت کے اعمال کو دیکھنے

تو عبرت ہوے گی تن دل اپر کہ یو وقت میں نیند کا سر بسر

پکڑ ہاتھ جبرئیل کا ہوشیار تب آئے ہیں سرور مکے کے بہار[1]

شاعر نے ہر آسمان کے احوال و کوائف الگ الگ بیان کئے ہیں۔ اس نے فلک ہفتم سے سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں سے دیدار خداوندی کے عجیب و غریب کوائف تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ مختار نے معراج نامہ میں مختلف عنوانات کے تحت ابیات کہے ہیں۔ عنوانات فارسی میں ہیں اور معنوی طور پر اساسی حیثیت کے حامل ہیں۔

مختار کی زبان اس عہد کی دیگر مثنویوں کی طرح صاف، شستہ، رواں دواں ہے۔ اور مجموعی طور پر رختہ سے بہت قریب ہے۔ اس معراج نامہ کی لسانی اہمیت یہ ہے کہ اسمیں زبان اور ذخیرۂ الفاظ کی تبدیلیوں کے خدوخال بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر فلک ششم کی سیر سے چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

چھٹے آسمان پر نبیؐ جب چڑھے دیکھے واں عجائب تماشے بڑے

نبیؐ جب چڑھے ہیں اس آسمان پر اٹھا پہرہ دار اس پہ کیتے نظر

او عائیل ہے نانوں اس کا مدام کیتے تھے اسے پردہ دار اس مقام

پیمبر کئے ہیں تو اوس کو سلام ادب سوں علیکی دیا ہے تمام

---

۱ معراج نامہ ورق ۱۲ (ب) و ۱۳ (الف)

طبعی

اس عہد کے شاعروں میں طبعی کی شخصیت کافی توجہ کے لائق ہے۔ وہ شاہ اجمیر کے مرید اور ابوالحسن نانا شاہ کے پیر بھائی تھے۔ اگرچہ انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ لیکن انکا زندہ جاوید کارنامہ انکی مثنوی "بہرام و گل اندام" ہے اس مثنوی میں (۱۳۴۰) ابیات ہیں یہ مثنوی صرف چالیس دن میں مکمل ہوکر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔ اس مثنوی کی تصنیف کا سال ۱۰۸۱ھ مجم ۱۶۷۰ء ہے طبعی نے تین ابیات میں اس مثنوی کا سنہ تصنیف عرصۂ تکمیل اور اشعار کی تعداد نظم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کیا ہوں میں چالیس دن میں کتاب — بھوت فکر کر رات دن بے حساب
گنا بیت بتیاں کوں میرا ایک دن — ہزار اور ہے تین سو پر چھسل
اٹھاہ سال تاریخ کا خوب نیک — سنہ ایک ہزار اور ہشتا دپیک

انھوں نے اپنے پیر مرشد کی پیشین گوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ۔۔ "ابوالحسن بادشاہ ہوگا" دو سال قبل ہی ابوالحسن کو شاہِ دکن کہہ کر خطاب کیا ہے مثنوی کا قصہ فرسودہ ہے جس پر امیر خسرو، امین، دولت شاہ اور ملک خوشنود کے علاوہ کئی نثار بھی خامہ فرسائی کر چکے تھے۔ طبعی نے اپنی مثنوی کی بنیاد ایرانی شاعر نظامی کی مثنوی ہفت پیکر پر رکھی ہے۔ اور بحر بھی وہی اپنائی ہے۔ ان کی (طبعی کی) زبان و بیان و فن اور ترتیب قصہ کے اعتبار سے امین دولت اور ملک خوشنود کی مثنویوں سے زیادہ پختہ معلوم ہوتی ہے۔

مثنوی "بہرام و گل اندام" میں حمد کے بعد رسماً نعت ہی کہی گئی ہے۔ لیکن یہ رسمی نعت بھی شاعر کے شیفتگیٔ عشق کے مظہر ہے۔ طبعی نے شاملِ مثنوی نعت میں

دیگر انبیاء و مرسلین پر بانیٔ اسلام کے تفوق کو ثابت کرنے کے لئے شطرنج کے پیادہ اور سوار کی اصطلاحات مستعار لے کر کلام میں ندرت پیدا کر دی ہے۔ [1] انھوں نے پیغمبر اسلام کے لئے گلشن رسل کے پھول کا لطیف استعارہ استعمال کیا ہے۔ اور آخر میں التجا کی ہے کہ وہ بہت گنہگار ہے۔ کوئی اس کی پشت پناہی کرنے والا نہیں ہے امید ہے کہ آپ روز حشر اس کو سرخرو رکھیں گے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

محمدؐ نبی توں خدا کا رسول — یو پیغمبراں باغ ہی توں منو پھول
خدا نے کہا تجکوں اپنا حبیب — یو منصب نہیں ہر کسی کو نصیب
سہاتا ہے ہر نبوت بچی — یو دولت ہوا ہی عنایت بچی
نبیاں جگ میں ایک لاکھ اسّی ہزار — یوں ساری پیادے ہیں تو ہی سوار
ہوئے میرے بات تے کئی گناہ — نہیں کوئی تجھ باج اشت پناہ
کہ تیری شفاعت کے دھرنا امید — قیامت میں طبعی کو رکھ روسفید

ابن نشاطی

آپ کا نام محمد مظہر الدین اور والد کا نام فخر الدین ہے۔ آپکا تخلص ابن نشاطی ہے۔ تاریخ پیدائش، تربیت، تلمذ اور دیگر احوال زندگی پردہ خفا میں ہیں۔ [2] آپ بنیادی طور پر انشا پرداز ہیں لیکن آپنے اپنے عہد میں مثنوی شاعری کی قدر منزلت دیکھ کر اپنی جودت طبع کا اظہار شاعری میں کرنے کے لئے (۱۷۴۴) ابیات کی مثنوی "پھول بن" لکھ ڈالی موصوف نے یہ مثنوی ۱۰۶۶ھ مجم ۱۶۵۵ء

---

[1] ۔ مثنوی بہرام گور و گل اندام ۔ طبعی ص/۴ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن۔

[2] ۔ دکن میں اردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ص/۱۳۰

میں دکنی زبان میں نظم کی تھی جس کا اظہار انھوں نے خود اس طرح کیا ہے۔

اتھاہ تاریخ لایا تو یو گلزار اگیارا سو کوں کم تھے قیس پر چار

اس مثنوی میں رسمی نعت کے اشعار کی تعداد خاصی ہے۔ اس میں حمد کے (۲۴) مناجات کے (۲۴) اور نعت کے (۲۹) اشعار ہیں۔ رسمی نعت کے شروع میں ایک شعر بطور عنوان استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ ابن نشاطی اساسی طور پر انشا پرداز تھا اس لئے اس نے مثنوی معرض بحث میں الفاظ کا استعمال تلفظ اور املا کی صحت کے ساتھ کیا ہے اور صحت تلفظ و املا کو ضرورت شعری کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے سے بچایا ہے مثنوی میں رواں دواں زور بیان اور موزوں تشبیہات اس کی انشا پردازی کی دین ہیں۔

بانیٔ اسلام کا سرخیل انبیاء ہونا، نبی صلعم کے نور کا متقدم بالزمان ہونا، آپؐ کا باعث تخلیق کائنات ہونا، آپ کا سبب تکریم آدم ہونا، آپکا رحمت للعالمین ہونا وغیرہ مضامین ابن نشاطی کی نعتیہ کاوش کے اہم موضوعات ہیں موصوف نے اس نعت میں شق القمر کا معجزہ نظم کیا ہے اور قرآنی و احادیثی تلمیحات سے اپنی نعت کو مزین کیا ہے۔ "کنت نبیا" و "آدم بین الماء والطین" حدیث کو لطیف شعری جامہ پہنایا گیا ہے۔ شاعر نے وافعاتی انداز میں شریعت، طریقت و معرفت کو آپ کا رہین منت بتلایا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ راستہ آپ سے متعلق ہو کر اتنا مقدس ہو جاتا ہے کہ حوران بہشتی از راہ صفا اپنے گیسو جاروب کشی میں استعمال کریں جبرئیل جیسا مقدس فرشتہ آپ کے چہرے کا شیدائی ہے شاعر نے ذکر معراج کو اپنے بدیع و نادر اسلوب سے تر و تازگی عطا کی ہے۔ بانیٔ اسلام کے باعث فلک کا رنگ گلشنی ہے، جنت آپکے خلق حسنہ سے معطر اور طوبیٰ آپ کے کرم سے مثمر (پھلدار) ہے۔ ابن نشاطی التجاریہ میں کہتا ہے کہ جب قیامت کے دن دھوپ کی تمازت شدید ہوگی اس وقت آپ صلعم اپنی شفاعت کے سائے سے اس کی حفاظت کریں گے۔ شاعر نعت کا اختتام درود و سلام پر کرتا ہے

پھولبن مثنوی کے نعتیہ اشعار نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں۔

کہوں میں نعت سرور کا شفیع المذنبین برحق
کہ جس کے نور سے پرتو کیا دو جگ کون تابانی

محمدؐ پیشوا ہے سروراں کا اہے سرخیل سب پیغمبراں کا
محمدؐ توں نبی ہے آج برحق قمر کوں ایک اشارت میں کیا شق
ہوا عالم بنج احمد کی خاطر پیالہ جیوں کو آیا مد کی خاطر
تری تعریف کا اونچا ہے پایا خدا قرآن میں تجکو سرایا
نبی توں پاک تیرا پاک دین ہے سچا توں رحمت للعالمین ہے
اگر ہوتا نہ تو، آدم نہ ہوتا نہ آدم بلکہ یہ عالم نہ ہوتا
شرف پایا ہے آدم تجھ طرف تے ہوا موجود عالم تجھ طرف تے
تری تعریف کرنے کس کوں حد ہے ہوا تو روح اور آدم جسد ہے
شریعت کا ستیا آوازہ جگ میں طریقت کوں کیا تو تازہ جگ میں
حقیقت تجھ سوں ہے حق کا ہویدا خدا کا معرفت تجھ سوں ہے پیدا
صفاداری کی رہ میں تیری ہر سو کریں جاروب حوراں اپنے گیسو
ہے تجھ مکھ نور کا دیوانہ جبرئیل اے ہے تجھ شمع کا پروانہ جبریل
شب معراج ہے تجھ مہ سوں روشن فلک کا سبزہ ہے تجھ شہ سوں گلشن
ہے تیرے خلق سوں جنت معطر کرم سوں ہے تیرے طوبیٰ مثمر
سُرج کو چھانوں کئی دیکھے نہیں کیں توں سورج تھا اسی تے چھانوں تجھ میں
شہا جس دن جو رستاخیز ہو گا سُرج کا آنچ بھونچ تیز ہو گا
تو کر ابن نشاطی کے سر اوپر شفاعت کو ترے سایہ کوں چھپتر
تیری اولاد پر ہو رنج پہ ہر دم ہزاروں سو اچھو صلوات سلم[1]

---

[1] ۔ پھولبن ۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری صفحات ۷، ۸، ۹

فتاحی

فتاحی کے متعلق تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہیں۔ ان کی مثنویوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا نام محمد رفیع اور تخلص فتاحی تھا۔ وہ کسی دربار سے منسلک نہ تھا اور مذہبیات کے بارے میں بہت متشدد تھا۔ اس کی دو مثنویاں ـــــ "مفید الیقین" اور "شعب ایمان" منصہ اکتشاف پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔ ـــــ مفید الیقین کے دو قلمی نسخے کتب خانہ سالار جنگ کی فہرست میں شامل ہیں[1]۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی میں محفوظ ہے۔ مثنوی شعب ایمان مصنفہ ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ء کا قلمی نسخہ سالار جنگ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[2]۔ اس مثنوی میں عقائد و فقہ کے مسائل مندرج ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۱۳۳ھ لکھا ہے[3]۔ راقم الحروف نے فتاحی کے مندرجہ ذیل ابیات پر استدلال کر کے سنہ تصنیف ۱۱۳۰ھ لکھا ہے۔

محمد رفیع نام اپنا دھریا ہوں — سو فتاحی تخلص اب کیا ہوں
سو شعب ایمان رفیعی اس کا کیا نام — تو کر اب آخرت کے سب انجام
ہزار ایک سو پر سن تیس اب برس میں — سنے ہیں سال ہجرت کے سبھ میں

مثنوی معرض بحث کے حمد اور رسمی نعت سے متعلق دو ابیات درج ذیل ہیں۔

کہوں حمد و ثنا اس پاک رب کی — جنے پیدا کیا خلقت عدم سوں

---

[1] ۔ فہرست کتب خانہ سالار جنگ صفحہ ۱۴۵
[2] ۔ فہرست کتب خانہ سالار جنگ صفحہ ۳۵
[3] ۔ دکن میں اردو نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۱۵۶

شرف دیا خلق نے سب بشر کوں — شفع کر مصطفےٰ روز حشر کوں

فتاحی نے اپنی مثنوی مفید الیقین (مولود نامہ) میں حقیقت سے زیادہ تخیل سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اشہب تخیل کے تعاون سے بہت سے واقعات فضائے بسیط سے اٹھا کر لکھ دیئے ہیں۔ موضوع میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ضعیف روایات نظم کر دی ہیں۔ ان کی نعتیہ مثنوی میں داستانی و افسانوی عناصر کثرت سے منتشر ہیں[1] بالخصوص معجزات کے بیان میں غلط و موضوع روایات کا ازدحام ہے۔ مولانا آگاہ نے انہی موضوع روایات کی شمولیت کے باعث فتاحی کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب فتاحی لکھا ہے معجزات — اکثر اس میں ہے غلط اور جھوٹ بات
اور یوں نور و شمائل کا بیان — اور یوں معراج نامہ اے میاں
اور وفات شاہ کا ذکر اس نمط — اکثر ان نسخوں کا مضمون ہے غلط[1]

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

"فتاحی کا مولود نامہ (۱۰۸۴ھ ۔ ۱۶۷۳ء) جو مختار کے مولود نامہ کے ایک سال بعد لکھا گیا تقریباً (۲۷۰۰) اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں بھی بحر ترتیب واقعات کا وہی ڈھنگ ہے جسے آسانی کے ساتھ ترنم سے محفل میلاد میں پڑھا جا سکے موضوع کے بیان میں روایات اور احادیث قرآن سے مدد لی گئی ہے۔ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے انھیں ضعیف روایات کا بھی سہارا لیا گیا ہے جن کی حیثیت قصہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ فتاحی کے مولود نامہ میں روزمرہ کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ لہجے میں بات چیت اور داستان گوئی کے سے انداز کا احساس ہوتا ہے[2]۔"

---

[1] ۔ ہشت بہشت ورق ۲۴ (الف)
[2] ۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ڈاکٹر جمیل جالبی ص/ ۵۱۱

مثنوی مفید الیقین (مولود نامہ) کی تصنیف کا سنہ ۱۰۹۵ھ/۱۶۸۳ء ہے خود فتاحی نے اس مولود نامہ کا سنہ تصنیف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

سو ہجرت بعد ازاں برس یکہزار — نود پر اتھا پانچ کا بھی شمار
اوسی میں مرتب ہوا یو تمام — کہ صلوٰۃ بھیجو نبیؐ پر مدام
یو فتاحی تیرا کمینہ غلام — ترے سو پنج دل باندھیا ہے مدام
کیا خوش بیاں یہاں معجزہ یو تمام — فتاحی ہے محمد نبیؐ کا غلام

فتاحی نے مفید الیقین میں ایرانی نعت گو شعراء کے تتبع کے عنوانات قائم کرکے سیرت نبوی بیان کی ہے عنوانات فارسی میں ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

در بیان دیباچہ کتاب مفید الیقین کہ مجرات و تولد نور و ذات حضرت خیر الانام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم در دست مولود

در بیان آنکہ حق سبحانہ و تعالیٰ نماز را بر صورت حروف احمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ساخت در بیان آنکہ حق سبحانہ و تعالیٰ آدم را بر صورت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ساخت در میان آنکہ ابوجہل ملعون و یاران او معجزات دیگر طلب نمودند و بر غلابندہ بادشاہ دیگر برائے آزمودن معجزات۔

در بیان معجزات ابوجہل ملعون بادشاہ ہے را برائے طلب معجزہ شق قمر در مکہ معظمہ آوردہ بود۔

شق قمر را جا ملیبار دیدہ نجوم میانرا حاضر کردہ پرسید نجومیان در علم فلکی ندیدہ حیران شدند و از فیض ملاقات علیہ السلام سامریرا بشارت دادند" وغیرہ ہیں۔

فتاحی نے اپنی نعتیہ مولود کو مولود سے موسوم کیا ہے "تولد نور و ذات حضرت خیر الانام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحتی عنوان میں فتاحی یوں گرم سخن ہے۔

یو مولود ہے سرور انبیاء — جو نی کئی ہیں عالم نے حور اصفیا
یو سن کان دھر ابتدا سوں بیاں — کہ دکھنی زباں سوں ہوا ہے عیاں
خدا نے جو یک جھاڑ پیدا کیا — اس جھاڑ شاخاں ہو پیدا کیا

بڑا خالق ہے او سورت المتین — رکھیا جھاڑ کا نا تو شجر الیقین
بزان اجلے موتی کے سروری بہتر — رکھیا نور احمد کوں پیدائش کر
دیا محور کا شکل اس نور کوں — ہوا فلک او جھاڑ اس نور کوں
کہ بغلی رکھے نور اس جھاڑ پر — سو تسبیح نت ادا کرے واں فکر
یو تسبیح کر سال ستر ہزار — یو مدت کا واں جب ہوا ہے شمار
بزان آدسی یک شرم کے کیا — ایسے نور کی تب مقابل دیا
دیکھیا نور کا مصور اپنے کمال — بہوت خوب اپنا اور دیکھیا جمال

فتاحی کی نعتیہ کاوشوں کی امتیازی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی نعتوں میں صنیع نعت کے سوانحیاتی عناصر کثرت سے نظم کرتا ہیں حتیٰ کہ خالص نعت کے اشعار میں بھی وہ سرور کائنات کے ان اوصاف کو بیان کرتا ہے جن سے بانی اسلام کی حیات مقدسہ کے کسی نہ کسی واقعہ کا استحضار ہو جائے اس سلسلہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سواد ہاشمی ابطحیٰ پاک ذات — محمد قریش جو عالی جناب
اتھے خوب سالی میں او نیک نام — سو چھورو او مل شاہ بولہن تمام
برس آٹھ اور نو کے جب تھے رسولؐ — یو سردار ہیں کر گئے تھے قبول

شاعر نے آنحضرت صلعم کی حضرت خدیجہ سے شادی کا جو حال بیان کیا ہے وہ اس کے اسلوب اور بیان کی اکثر خصوصیات کو واضح کرتا ہے اس سلسلے کے چند ابیات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

گئے ہیں محمدؐ اپنے گھر کوں جب — لگے بیا کا ساماں کرنے سو تب
مرتب ہوا بیا کا ساماں سب — کئے ہیں خدیجہ کو معلوم تب
خدیجہ بھی ساماں سب کچھ کئے — بو طالب کیتیں یوں خبر تب دئے
بولائے قریشاں بو طالب نے سب — بولائے ہیں بارگاہ جیتے تھے عرب
قبیلے قریشاں کے سب آ ملے — عجب نور عینی کے سب در کھلے
نبی نے عمامہ بندھے سروری — پہنے تن پہ جامہ سو پیغمبری

بلند قد اتھے لیلۃ القدر سوں — جھمکتا اچھے موہنے بدر سوں
سیہ زین واللیل یغشیٰ کی جوں — منور جبیں والضحیٰ کے سو تیوں
سو خوش مون اتھا نور پر نور جیون — ہزاراں سوں شرمندہ ہیں سور جیون

فتاحی کو زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے وہ قرآنی فقروں کو برجستگی اور موزونیت کے ساتھ نظم کرتا ہے۔

قدرتی

قدرتی عادل شاہی دور کا عظیم شاعر ہے افسوس کی بات ہے کہ دست برد زمانے نے اس عظیم شاعر کے تفصیلی حالات پر اتنے دبیز پردے ڈال دئے ہیں کہ ان تک ہماری رسائی ناممکن ہوگئی ہے۔ وہ ایک قادرالکلام مذہبی شاعر تھا اس نے "قصص الانبیاء نام کی ایک ضخیم مثنوی تصنیف کی جس میں دس ہزار سے زائد اشعار ہیں اور اس طرح ــــ یہ رستمی کے "خاور نامہ" کے بعد اب تک کی دستیاب دکنی مثنویوں میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ قدرتی نے مثنوی معرض بحث میں مختلف انبیاء کے حالات زندگی روایات، واقعات و قصص ۱۳۹ عنوانات کے تحت بہت جاندار پیرایہ میں بیان کئے ہیں مثنوی میں حمد و نعت کے بعد اکیس مشہور انبیاء و مرسلین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں محفوظ نسخہ ناقصۃ الاخر ہے جس میں نبی آخرالزماں کے احوال زندگی ہجرت حبشہ تک محفوظ ہیں۔ قدرتی کی قصص الانبیاء کا اگر کوئی مکمل نسخہ دستیاب ہو جائے تو یقین کے ساتھ کہا جاسکے گا کہ اس نے کتنے اشعار لکھے اور بانی اسلام کی حیات طیبہ کا کس مرحلہ تک احاطہ کیا۔ مثنوی کی بحث مترنم و رواں دواں ہے۔ زبان میں تازگی اور شادابی ہے جس کا احساس خود قدرتی کو بھی تھا۔

کیا قدرتی خوب تازہ کلام — کہ بر صدق یوسف علیہ السلام

حمد و نعت کی تین ابیات ملاحظہ ہوں۔

کہ الحمد اللہ پروردگار — کیا جگ اپس نورتے آشکار
سراوں اوّل میں جو سبحاں کوں — جب کوئی جیو دیا ہے سو سلطان کوں
خلیفہ ہے اس کا نبی مصطفیٰ — کیا جس کیتو لیل ہور والضحیٰ

قدرتی کا کلام واقعاتی صداقت اور شاعرانہ صداقت کا لطیف سنگم ہے۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عقد سے ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے۔

نہیں سخرانی یو ہے جان توں — قبولی ہوں ہیں اپنی ایمان سوں
سو جتنے تمارے اچھینگے جو خویش — بلا کر جمع کرتوں سارے قریش
سو میرا اچا درقہ نوفل کیتیں — بلالیای تو میری منزل کیتیں
محمدؐ کو ہاں تم بلالیائے کر — کرو خواستداری میرے آئے کر
نہیں مرد منج کوں کوئی محمدؐ بغیر — اس باج منکن نہیں کار خیر
بو طالب سنے ہے خدیجہ نے بات — سو خوش حال ہو کر اپی دھاندھات
بلا سیج سیارے اکا برکتیں — صنادید سارے قریش جو دیں
بلائے ورقہ نوفل کیتیں ایک بار — جو آئے ہے سب مل خدیجہ کے ہنار
پلاتے ورقہ نوفل کئیں تب شراب — دبعضیاں پوسارا جو جس کے گلاب

ولی

ولی اردو شاعری کا بابا آدم کہا جاتا ہے۔ اس نے جنوب کی زبان کو جو بولی ٹھولی کی حدود سے باہر نکل کر زبان کی سرحد میں داخل ہو چکی تھی شمال کی زبان سے اس طرح ملا دیا کہ دونوں شیر و شکر ہوگئیں اور شمال و جنوب ہر طرف ولی کی روشن کی ہوئی مشعل سے استفادہ کیا جانے لگا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے درست لکھا ہے کہ ــــ!

"ولی آئندہ دو سال کی شاعری کے نظام شمسی کا وہ سورج ہے [1]
جس کے دائرہ کشش میں اردو شاعری کے مختلف سیارے گردش کرتے ہیں"

جب ولی ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء سنہ ۴۲ جلوس اورنگ زیب میں سید ابوالمعالی کے ہمراہ دلی آیا تو شاہ سعد اللہ گلشن سے بھی ملا شاہ صاحب نے ولی سے ان کا کلام سن کر مشورہ کے طور پر کہا۔ "ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بے کار افتادہ اند، در ریختہ خود بکار بہر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت" [2]

ولی نے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ایک زبان کو دوسرے سے ایسا بے تعلق جوڑ لگایا کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے مگر پیوند میں جنبش نہیں آئی" [3] اور جب ولی کا دیوان ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء دو جلوس محمد شاہ میں دہلی آیا تو شمال کے شعراء نے فارسی کو چھوڑ کر اسی رنگ سخن میں شاعری شروع کر دی اور اس طرح جدید دور کا آغاز ہوا۔

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو جلد اول ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۵۳۰

[2] مخزن نکات قائم چاندپوری مرتبہ ڈاکٹر اقتدا حسین۔ ص ۲۱/۲۲ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء۔ الفاظ ملاحظہ ہوں "در سنہ چہل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ میر ابوالمعالی نام سید پسر بہ کہ دلش فریفتۂ او بود، بہ جہان آباد آمد" لکھنؤ جنوری ۱۹۶۲ء

[3] ۔ نکات الشعراء میر تقی میر مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی ص ۹۱ دانش محل امین الدولہ پارک ۱۹۶۲ء

[4] ۔ آبحیات: مولانا محمد حسین آزاد ص ۹۷ پروگریسو بک ڈپو دہلی بار اوّل۔

[5] ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو جلد اوّل ص ۵۳۱ میں ولی کے دیوان کی دلی میں آمد ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء لکھی ہے۔

[6] ۔ تذکرہ ہندی مصحفی ص ۱۸۰ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن طبع اول ۱۹۳۳ء
تذکرہ ہندی کے الفاظ ہیں "در سنہ دویم فردوس آرام گاہ دیوان ولی در شاہجہان آباد آمدہ و اشعار بزبان خود و بزرگ جاری گشتہ و تاریخ ادب اردو جلد دوم حصہ اول از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۱۸۷ و جلد اوّل ص ۵۳۱

ولی کا نام ولی محمد ہے۔ ولی کے باپ یا دادا گجرات سے ہجرت کر کے دکن آئے تھے لیکن وہ اپنی شخصیت کو علاقائیت سے بلند و بالا مان کہتے ہیں

غرض ہرگز ولی کے پاس تم باتاں وطن کی مت کہو جو نیہ کے کوچے میں ہے اس کو وطن سے کیا

ولی کے نام اور سنہ ولادت کی طرح اس کی سنہ وفات کی بابت بھی مختلف و متضاد اقوال ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس کی وفات ۱۱۳۳ھ ۱۷۲۰ء اور ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۵ء کے درمیان ہوئی [1]

ولی کی فطرت جوہر کی طرح امتزاجی تھی۔ اسکی اس امتزاجی فطرت نے شعر و شاعری کے شعبہ میں امتزاج کیا۔ حجاز میں حقیقت کا امتزاج، ہندی روح میں ایرانی روح کا امتزاج، خارجیت میں داخلیت کا امتزاج، دکن زبان میں شمالی زبان کا امتزاج سفلیت میں علویت کا امتزاج، لطافت و شائستگی میں نرم روی، بے نیازی، درویشانہ قناعت کا امتزاج، پرانی آواز میں نئی آواز کا امتزاج اسی امتیازی ذہنیت کی وجہ سے وہ جدید شاعری کا علمبردار بنا اور سرخیل شعرائے جدید کہلایا۔

ولی کی کلیات میں غزل کے علاوہ قصائد، ترکیب بند، ترجیع بند، مثنویات رباعیات اور قطعات بھی ملتے ہیں۔ اس نے قصائد کا استعمال بادشاہوں کے لئے نہیں بلکہ حمد و نعت و منقبت اور مدح مرشد طریقت کے لئے کیا ہے ترکیب بند اور ترجیع بند میں بھی قصیدوں کے رنگ کا غلبہ ہے۔ رباعیوں میں بے ثباتی دہر درس اخلاق اور نصیحت رسول کے مضامین نظم کئے گئے ہیں۔

ولی کی نعتیہ کاوشیں غزل، قصیدہ مثنوی، مخمس و مستزاد کی ہیئت میں ملتی ہیں ولی کو مذہب سے خاصا شغف تھا۔ اور وہ بانی اسلام سے بے حد عقیدت و شیفتگی رکھتا تھا۔ وہ ذات رسول کی محبت کو زندگی کا ماحصل اور تمناؤں

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو جلد اول۔ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ص ۵۳۳/۵۳۴۔

[2] ۔ " " " " جمیل جالبی ص ۵۳۹

کا مرکز سمجھتا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار میں اس کے عقیدت کا خلوص اور جذبہ کی صداقت قابل داد ہے۔

ہم کو شفیع محشر وہ دین پناہ بس ہے — شرمندگی ہماری عذر گناہ بس ہے[1]
مغفرت میں تیری ولی سہل بلاریب ہے یوں — نام احمد کا جو لب پر تیرے ہر دم آیا[2]

ولی کے تمام قصائد خواہ نعتیہ ہوں یا غیر نعتیہ روح نعت سے معمور ہیں۔ ان کے غیر نعتیہ قصائد بھی دنیوی طمع و حرص کے نتیجے میں منصہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئے۔ انھوں نے ان قصیدوں میں ممدوح کے وہی اوصاف نمایاں کئے ہیں جو صنف نعت کے منشا کے مطابق ہیں اس لئے وہ بانی اسلام کی عقیدت ہی زمرے میں آتے ہیں۔ ولی نے حضرت میران محی الدین اور حضرت شاہ وجیہ الدین کی مدح میں لکھے ہیں۔ قصیدوں میں موصوفین کے وہی اوصاف و فضائل بیان کئے ہیں جو بانیٔ اسلام کے تتبع میں نشو نما پائے ہیں۔ حضرت میران محی الدین والے قصیدے کو چھوڑ کر ولی کے تمام قصائد تمہیدیہ ہیں۔ ولی نے کہیں بہاریہ تشبیب لکھی ہے۔ کہیں اخلاقیہ، کہیں آسمان کی شکایت کی ہے کہیں زمانہ کی، کہیں عشق و عاشقی کے مسائل نظم کئے ہیں تو کہیں متصوفانہ مضامین سے تشبیب کی رونق بخشی ہے۔ ولی کی کلیات میں چھ قصائد ملتے ہیں جن میں سب سے طویل قصیدہ وہ ہے جو حمد و نعت و منقبت اور عشق میں ہے۔ اس قصیدہ میں (۱۲۳) اشعار ہیں ان کا قصیر ترین قصیدہ بیت الحرام کی تعریف میں ہے جو کل (۲۰) اشعار پر مشتمل ہے۔ ایک قصیدہ حضرت علیؓ کی منقبت میں ہے۔ ایک قصیدہ خالص نعت میں ہے۔ اور ایک ایک قصیدے شاہ وجیہ الدین اور حضرت میران محی الدین کی شان میں ہیں اس طور پر ولی کی کلیات میں دو قصیدے نعت پر ہیں۔ ایک میں خالص نعتیہ مضامین نظم کئے گئے ہیں

---

[1] ۔ کلیات ولی ۔ مرتبہ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء ص/ ۲۷۴
[2] ۔ کلیات ولی ۔ مرتبہ انجمن ترقی اردو ص/ ۵۹

اور دوسرے میں مضامین نعت ضمنی طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ آخر الذکر قصیدے کا انداز منفرد اور نرالا ہے۔ اس میں شاعر نے حمد و نعت کے بعد خلفائے راشدین اور ائمۂ ماجدین کے فضائل بیان کئے ہیں بعد میں دنیوی حرص و حوس کی مذمت کے ساتھ عشق کی تلقین کی گئی ہے۔ اور آخر میں معشوق کا سراپا کھینچا گیا ہے۔ عاشقانہ مضامین کے مابین ایک غزل شامل کی گئی ہے۔ اور دعا کے بعد شاعر از تعلی پر قصیدے کا اختتام کیا گیا ہے شاعر نے نعتیہ اشعار میں رسول مقبول صلعم کے جلی و خفی محاسن و فضائل، عدل و انصاف جلال و عظمت غیض و غضب، فصاحت و بلاغت کے مضامین شاعرانہ انداز میں بیان کرتے ہوئے آپ کے نام کو "حرز مومن" اور دافع کلول بتلایا گیا ہے قصید بغرض بحث سے نعتیہ اشعار کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

بعد حمد خدائے بے ہمتا — یاد کر نعت سید مرسل
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں — دو جہاں مثل دانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا — صف آخر میں جوہر اوّل
گر ہو وہ آفتاب گرم عتاب — آسماں جایئ مثل موم پگھل
دیکھ اس کے جلال و عظمت کوں — بادشاہوں کا رنگ ہے دنگل
کاملاں سے سنا ہے نکتہ — عشق اس کا ہے ہادی اکمل
نام اس کا ہے جز ز مہر مومن — یاد اس کی ہے دافع کلول
دیکھ اس زلف و خط کو دل بے جا ہے — بحر اور بر میں عنبر و صندل

تقریباً پونے تین سو سال کے طویل عرصہ کے بعد یا باوجود زبان و بیان میں کہنگی کا احساس نہیں ہوتا صغیر بلگرامی نے ولی کی شاعری کو زبان کے اعتبار سے تین قسموں میں منقسم کیا ہے پہلی قسم میں وہ اشعار آتے ہیں جو اسوقت کے ہیں جب کہ ولی بقید حیات تھے دوسری قسم میں وہ اشعار آتے ہیں جو ہلکے سے تغیر کے ساتھ اس (عصر حاضر) کے ہو سکتے ہیں۔ تیسری قسم ان اشعار کی ہے

جو آج کی زبان و تراکیب میں ہیں[1]۔ ولی کا معرض بحث قصیدی تیسری قسم کی شاعری کے زمرہ میں آتا ہے۔

دوسرا نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع ہے۔

عشق میں لازم ہے اوّل ذات کو فانی کرے ہو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے

خالص نعت میں ہے۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ وہ شخص بڑا بد نصیب ہے جس کا دل عشق سے خالی ہے۔

عشق سے ہوں فارغ جو کئی دنجس اکبر ہے مدام
ساتویں کھنڈ پر اگر ایوان کیوانی کرے

ولی کی گریز سیدھی سادی، لیکن بہت برجستہ ہے۔ شاعر عشق رسولؐ سے سرشار ہے وہ محمد صلعم کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ آپ صلعم کی ذات دو دو جہاں کی عید ہے مخلوق پر لازم ہے۔ کہ وہ آپ پر اپنی جان قربان کر دے۔

گریز ملاحظہ ہو۔

زندگی پاوے ابد کی جگ میں وہ خضر و قت جو ایس کو فدوئی محبوب سبحانی کرے
یا محمدؐ دو جہاں کی عید ہے تجھ ذات سوں خلق کو لازم ہے جی کو تجھ پہ قربانی کرے

ولی کی مدح میں ایک شعر میں غضب نبوی کی اس طرح تعریف کی گئی ہے کہ اس سے آپ کے رحم و کرم کی بے مثال تعریف بھی نکلتی ہے اس طور پر اس شعر میں صنعت تجرید کا استعمال ہوا ہے۔

نوح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پایا نہ تھا تجھ غضب کا گر سمندر جوش طغیانی کرے

آپ عقل و فرزانگی کے منبع ہیں جہاں آپ کی فکر روشن ہے وہاں عقل اول کے پاس نادانی کے اعتراف کے علاوہ کوئی چارہ نہیں اگر افلاطون آپ کے مکتب میں زانوئے تلمذ کرنے آئے تو فرزانگی مکتب کا رعب اس پر اس حد تک مستولی ہو جائے کہ وہ عقل و دانش کی کل کتابیں دھو کر مٹا دے متعلقہ اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

جس مکان میں ہے تمہاری فکر روشن جلوہ گر عقل اول آ کے وہاں عقل نادانی کرے
حکمتاں کی سب کتابیں دھوئے یکبارگی گر فلاطوں تجھ دبستاں میں سبق خوانی کرے[1]

پورا قصیدہ تلمیحات سے معمور ہے، مذہبی عاشقانہ، ملکی اور تاریخی تلمیحات جمع کی گئی ہیں۔ مذہبی تلمیحات میں حضرت اسمٰعیل، نوح، خضر، سلیمان، کلیم اللہ، داؤد عشقیہ تلمیحات میں لیلیٰ مجنوں، شیریں اور فرہاد، تاریخی تلمیحات میں گلستان ارم، عقل اول افلاطون اور ماہ کنعان، فلکی تلمیحات میں نحس اکبر، کیوانی، قرآنی تلمیح میں "راضیۃ مرضیۃ" اور حدیثی تلمیح میں "زینوا لھائکم" کا برجستہ استعمال ہے قصیدہ میں از ابتدا انتہا شیفتگی و عقیدت کا جوش موجزن نظر آ رہا ہے شاعر شراب عقیدت سے اس قدر سرشار ہے کہ وہ مقطع میں تعلّی کے طور پر کہتا ہے کہ اس کی نعت کے گوہر افشانی سے عارفین کی جماعت دل و جان سے لاکھوں بار آفریں کہے گی۔

فنی نقطۂ نگاہ سے بھی معرض بحث نعتیہ قصیدہ ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے ولی کی قصیدہ نگاری پر محاکمہ کرتے ہوئے درست کہا ہے۔ کہ

"جتنی خوبیاں قصیدے میں ہونی چاہئیں وہ سبھی موجود ہیں"[2]

ولی کی وہ غزلیں جو نعتیہ مضامین سے معمور ہیں سوز و گداز و شیفتگی عقیدت میں آپ اپنی مثال ہیں انھوں نے ایک نعتیہ گوئی میں عروسی فضا قائم کر کے بانی اسلام کو قاب قوسین کا نوشہ آدم سے عیسیٰ تک کے انبیاء و مرسلین کو براتی اور جبرئیل امین کو سہرا ساز کہا ہے۔ اور "لولاک لما خلقت الافلاک" کا مضمون نظم کرتے ہوئے انکا یہ استفہام کیا ہے کہ "ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا؟" غزل کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] ۔ جلوہ خضر۔ سید فرزند احمد صفیر بلگرامی۔ صفحات ۷۹/۷۶۔ مطبع نور الانوار آگرہ بار اول

[1] ۔ کلیات ولی: ولی، انجمن ترقی اردو۔ صفحات ۳۶۱/۳۶۲

[2] ۔ مختصر تاریخ ادب اردو: ڈاکٹر اعجاز حسین۔ ص ۴۶/ ادارہ فروغ اردو لکھنؤ گیارھواں ایڈیشن ۱۹۶۵ء۔

لامکاں پر بنا احمد جو بنا بٹھلایا — تب ملائک نے وہیں صلّوا علیکم گایا
حور و غلماں نے ترانے سوں وہ نغمے بولے — قاب قوسین کا نوشہ تو ہے سب کو بھایا
تجھ براتی وہاں آدم سوں لگا تا عیسیٰ — اور جبرئیل امیں گوندھ کے سہرا لایا
حق نے فولاک نما حق میں محمدؐ کے کہا — ان سوا کون سے مرسل نے یہ رتبہ پایا[1]

کلیات ولی میں صرف دو مثنویاں ملتی ہیں ایک مثنوی مکمل طور پر حمد و نعت و مناجات میں ہے۔ اس مثنوی کی زبان صاف سادہ اور سلیس ہے مضامین کے سلسلے میں وصفی و واقعاتی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔ شاعر نے بانیٔ اسلام کو باعث تخلیق عالم، مظہر کل، بے دلوں کا دلکشا باغ، عاشقوں کا مرہم کونین کا مرکز، عاشقین و عارفین کی مشعل راہ بتلایا ہے نمونہ کے طور پر چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

محمدؐ وہ کہ جس کے حق میں فولاک — کہا ہے خالق املاک و افلاک
عجب گلزار ہے وہ مظہر کلؐ — کہ ہے جس باغ کا خورشید اک گل
وہی ہے بے دلاں کا دلکشا باغ — وہی ہے عاشقاں کا مرہم داغ
اسی کا ذکر ہے ایمان مومن — اسی کی یاد اطمینان مومن
وہی ہے باغ اقدس سرور دیں — کہ جس کے باغ کا رضوان ہے گل چیں
کھلا کونین میں وہ دین کا گل — دو جگ مشتاق اس کے مثل بلبل
دکھلایا عاشقاں کوں عشق کی راہ — کیا عارف کو عرفاں بیچ آگاہ[2]

ولی کی کلیات میں بارہ[12] مخمس ہیں جن میں ایک نعتیہ ہے۔ اگرچہ اس مخمس میں دوسرے مضامین بھی نظم کئے گئے ہیں نعتیہ فضا ہر جگہ چھائی ہوئی ہے۔ قرآنی تلمیحات کثرت سے مستعمل ہوئی ہیں۔ اور خلوص و شیفتگی، عقیدت و محبت اور رعنائی و برنائی ہر جگہ تاباں و درخشاں ہے شاعر اپنا دل سینہ لب اور طبیعت میں سے ہر ایک کو بانیٔ اسلام سے الگ کرنا چاہتا ہے نعتیہ مخمس کے دو بند ذیل میں ۔

---

[1] ۔ کلیات ولی۔ انجمن ترقی اردو ۱۹۲۷ء صفحات ۵۸ - ۵۹
[2] ۔ کلیات ولی ۔ صفحہ ۳۴۸

نقل کئے جاتے ہیں ۔

یٰسین وطٰہٰ والضحیٰ نازل ہوئے تجھ شان میں — والّیل اور والشمس ہے تجھ زلف دیکھ کے دھیان میں
افلاک کے سب پیدا ہوئے تو لاک کے الحان میں — تجھ یار رسولؐ را حت اچھوں ہر مومناں کی جان میں
تیرے چرن کی خاک سوں روشن نین سب دان اچھو[1]

دل کے صدف میں کر جتن تجھ عشق کا گوہر رکھوں — سینے کے معدن کے بھتر تجھ مہ کا جوہر رکھوں
دائم سخن کے لب اپر تجھ قول کی شکر رکھوں — ہر دم طبع کے سیس پر تجھ یاد کا افسر رکھوں
تیرے محبت کا رتن دل میں جتن سب دن اچھو[2]

ولی کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہ رسالت سے بے نظیر عقیدت و شیفتگی کے باوجود اس کا اسپ قلم جادہ شرع سے سرمو متجاوز نہیں ہوا۔ انھوں نے طاہر و مطہر نرم و مودب لہجے میں عقیدت کے پھول منبع نعت کی بارگاہ میں پیش کئے ہیں۔ زبان و بیان، معانی و مفاہیم کی نقطۂ نگاہ سے آج بھی ان کی نعتیں مشعل راہ کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ اس قسم کی نعتیں ولی سے قبل کے دکنی شعراء کے یہاں مفقود ہیں۔ اور بعد کے شعراء بھی شاذ و نادر ہی ایسی نعتیں کہہ پائے ہیں۔ اردو نعت گوئی کی تاریخ میں ولی حیثیت ایک مجدد کی سی ہے۔

سراج اورنگ آبادی

سراج کی ولادت ۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۵ء[3] میں ایک مقدس خانوادے میں بمقام اورنگ آباد ہوئی۔ ان کے جد اعلیٰ سید محمد سادات مدینہ منورہ سے ترک وطن

---

[1] ۔ کلیات ولی صفحہ ۳۳۰
[2] ۔ کلیات ولی صفحہ ۳۳۱
[3] ۔ تاریخ ادب اردو ۔ جلد اول ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ص/ ۵۶۶

کر کے ہندوستان میں وارد ہوئے۔ یہ خاندان علم و فضل اور تقویٰ و طہارت میں بہت نمایاں تھا۔ سراج بلا کے ذہین اور طباع تھے۔ انھوں نے کم عمری میں ہی تحصیل علم سے فراغت حاصل کر لی تھی جب وہ (۱۸) سال کے تھے تو ان پر وحشت طاری ہوئی اور سیر و سیاحت کرنے لگے۔ اس دوران میں وہ حضرت شاہ برہان الدین کے مزار پر کثرت سے حاضری دیتے تھے۔ تین سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا اسی عالم بیخودی میں منظوم کلام ان کی زبان پر جاری رہنے لگا۔ سراج نے منتخب دیوان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اگر اسی اشعار تمام بتحریر درآمد دیوان ضخیم ترتیب می یافت۔[1]

۱۱۱۴ھ میں جب سراج کے برادر طریقت نے ان کا دیوان مرتب کر کے پیر مرشد شاہ عبدالرحمٰن چشتی کی خدمت میں پیش کیا تو انھوں نے شعر گوئی سے کنارہ کشی کا مشورہ دیا۔ اس طرح سراج نے شعر گوئی ترک کر دی۔ سراج وحشت سے افاقہ کے بعد درویشانہ زندگی کی طرف مائل ہو گئے۔ اور شاہ عبدالرحمٰن چشتی کے مرید ہو گئے۔ سراج نے ۱۱۶۱ھ میں مرشد کے وصال کے بعد ترک لباس کر کے مکمل طور پر فقیرانہ زندگی گزارنا شروع کر دی۔ ان کا وصال ۱۱۷۷ھ میں ہوا۔[2]

سراج کا مکمل دیوان پانچ چھ سال کے عرصہ میں جبکہ ان کی عمر صرف (۲۴) سال کی تھی معرض وجود میں آیا۔ انکی کلیات غزلیں، مثنویاں، قصیدے، ترجیع بند، مخمس اور رباعیاں شامل ہیں۔ سراج کی شاعری میں عشق و عاشقی کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ فی الحقیقت ان کی شاعری انکی زندگی کی آئینہ دار ہے۔ موضوع سخن کچھ بھی ہو سراج عشق و عاشقی کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں چلتے۔ گداختگی، سوز اور شیفتگی نے ان کے کلام کی سادگی، بے ساختگی اور شگفتگی سے منور کر دیا ہے۔ سراج کی کلیات میں (۴۳) اشعار حمد میں (۱۲۷) اشعار مناجات

---

[1] دیباچہ منتخب دیوان نگار خیمستان شعراء ص ۳۹۹ مطبوعہ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۴۳ء — [2] دکن میں اردو — نصیر الدین ہاشمی ص ۴۵/۴۶
[3] تاریخ ادب اردو — ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۵۶۷/

ہیں (۲۳) اشعار نعت میں اور (۲۰) اشعار خلفائے اربعہ و اہلبیت کی شان میں ملتے ہیں۔ کلیات کے آخر میں ایک مناجات بھی شامل ہے جس میں شاعر نے یہ دعا کی ہے۔ کہ اس کو حشر میں رسول پاک صلعم، اہلبیت نبی، صحابہ عظام، ائمہ کرام، بڑے پیر صاحب، خواجہ اجمیری اور دیگر صلحائے امت کی معیت نصیب ہو۔ کلیات میں ایک منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں علحدہ ملتی ہے سراج کے یہاں نعتیہ مضامین، حمد نعت و منقبت کے مابین ملے جلے ہیں شاعر نے ایک نعتیہ غزل بھی کہی ہے۔ اس غزل میں چھ اشعار ہیں۔ جن میں (۳) اشعار حمد میں اور (۳) نعت رسول میں ہیں۔ انھوں نے قرآنی آیات "کل من علیہا فان" "یبقیٰ وجہ ربک" سے کلام میں ندرت پیدا کی ہے۔ انھوں نے نعت میں احمد بے میم کا مضمون بھی نظم کیا ہے۔ نعتیہ غزل ملاحظہ ہو۔

نام تیرا مطلع فہرست ہے دیوان کا — ہے زبان کا درد خاصا اور وظیفہ جان کا
جی سے "یبقیٰ وجہ ربک" کی صدا سمرن کو پھیر — دور کر من سے خیال "من علیہا فان" کا
یا محمد تجھ کرم سیں ہوں سدا امیدوار — جلوۂ ایمان دے اور بھید کہہ انسان کا
کر سراسر شوق میں بیہوش مجھ کو یا حبیب — دے مجھے بھر کر پیالہ نشاۃ دوم ذان کا
توں احد ہے نام تیرا احمد بے میم ہے — زیب پایا تجھ صفت میں ہر ورق قرآن کا
اے سراج اپنی خودی کو بیخودی میں محو کر — شغل جاری رکھ ہر اک دم ذکر الرحمٰن کا

شاعر منبع نعت سے ایسا ساغر عرفان چاہتا ہے جو اس کی وفور شیفتگی سے بیہوش کر دے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ بانی اسلام کی غلامی سے سروری فیض حاصل ہوتا ہے اس کا ایقان و اذعان ہے کہ وہ محمد صلعم پر ایمان لا کر خوف محشر سے بے نیاز ہو گیا ہے۔

---

[1] سراج سخن سراج — مرتبہ عبدالقادر سروری مطبوعہ — اعجاز برقی مشین پریس — پھتا بازار حیدرآباد دکن ۱۹۵۴ء — ۱۳۷۴ھ — ۳۳

جو دل ہے غلام احمد ہے — حق سیں اسے فیض سروری ہے
محشر میں سراج کیا تجھے خوف — ایمان میرا محمدی ہے[1]

مثنوی کے مابین سراج کی نعتیہ کاوش خلوص و شیفتگی اور کیف و عقیدت سے معمور ہے۔ اور زبان کے اعتبار سے صاف، سادہ، سلیس اور رواں دواں ہے لیکن اسکی سادگی میں بھی بلا کی رعنائی اور دلآویزی ہے سراج مضامین نعت میں بہت زیادہ محتاط رہتا ہے۔ اور وہ قرآن و حدیث سے متجاوز ہونا ادب کے خلاف متصور کرتا ہے۔ وہ جادۂ نعت کی دشوار گذاری سے بخوبی واقف ہے۔ چنانچہ وہ خود کہتا ہے:

سراج اب نہ کر گفتگو — ادب کے محل سے نہ جا بیشتر
کہ دم مارنے کی یہاں نہیں ہے بات — اگرچہ وہی ذات یہاں ہوئی صفات
وہی نور یہاں آکے ظاہر ہوا — آپس آپ قدرت پر قادر ہوا
ولیکن ادب تجھ کو درکار ہے — شریعت کی یے راہ دشوار ہے[2]

لیکن حیرت ہے کہ "پاس ادب" اور "دشوار گذاری راہ شریعت" سے اس قدر آشنا احمد بے میم کے مضمون میں کیونکر "ادب محل سے بیشتر" چلا گیا۔

شاعر نے مثنوی میں مشمول نعت میں اوصاف نبی بیان کئے ہیں مثنوی کی بحر چھوٹی ہے اور اس کا صوتی رنگ جاذب سامعہ ہے۔ اس مثنوی میں حضور صلعم کا "خلاصۂ کائنات" ہونا "آپ کا باعث تخلیق عالم" ہونا "جانشین مسند نبوت" ہونا "دوسالار صف اصفیاء" ہونا "امام جماعت انبیاء" ہونا "تاجدار اقلیم دو عالم" ہونا "شہنشاہ ملک عرفاں" ہونا وغیرہ مضامین میں نظم کئے گئے ہیں۔ چند فصیحہ ابیات ملاحظہ ہوں۔

رسول خدا سید المرسلین — قیامت کے دن شافع المذنبین
نبوت کی مسند کا ہے جانشین — کیا جس کی تعظیم روح الامین

---

[1] ۔ غزلیات سراج ۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۵۲۹
[2] ۔ مثنویات سراج ۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری ص ۱۲۹

عجب روز محشر کا سردار ہے — صفا اصفیا میں دوسالار ہے
جگت میں روئے سلطنت ہے مدام — جماعت میں ہے انبیاء کی امام
رہ شرع کا ہادی مستقیم — شریعت کے دریا کا در یتیم
حبیب خدا وائی روزگار — دو عالم کی اقلیم کا تاجدار
مشہ انس و جاں صب کا مقبول ہے — نبوت کے گلزار کا پھول ہے
کہ جس واسطے خلق پیدا کیا — زمین آسماں سب ہویدا کیا
کہا حق نے لولاک جس شان میں — شہنشاہ ہے ملک عرفان میں
سدا گمرہوں کا وہی رہنما — ہے خیر الوریٰ احمد مجتبےٰ
عجب ذات مقبول کونین ہے — کہ کونین کا قرۃ العین ہے[1]

عبدالمحمد ترین

عبدالمحمد ترین کی زندگی کے حالات کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہوسکیں۔ صرف اسقدر معلوم ہوسکا ہے کہ وہ گیارہویں صدی ہجری میں بقید حیات تھے۔ اور انھوں نے گیارہویں صدی کے اوائل میں ایک مثنوی "شمائل النبی ؐ" کے نام سے لکھی۔ یہ مثنوی طبزاد نہیں ہے بلکہ پشتو سے دکنی زبان میں منتقل کی گئی ہے مصنف نے اس حقیقت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔

کیا قصد عبدالمحمد ترین — شمائل نبی ؐ کا کہوں بہترین
اخوندداد نیزائی جو پشتو منے — کیا ہے سو منکتا ہوں میں بولنے
شمائل نبی ؐ کا منگو بولنے — کر یا کرم کر زباں کھولنے
قریب الفہم نظم دکھنی اچھے — ہر ایک کس کا دل اسکو لکھنے اچھے

---

[1] ۔ مثنویات سراج ۔ مرتبہ پروفیسر عبدالقادر سروری ص / ۱۲۸
[2] ۔ دکن میں اردو ۔ نصیرالدین ہاشمی ص / ۳۵۰

ترین نے اپنی مثنوی میں شمائل نبی علیہ التحیۃ والتسلیم نظم کی شکل میں پیش کئے ہیں۔ انھوں نے بہت خلوص و عقیدت کے ساتھ نبی کریم صلعم کا سراپا، آپکے خصائل و عادات غرضیکہ آپکے جبلی و خلقی اوصاف و اطوار تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ شمائل نامہ کے مصنفین نے زیادہ تر معلومات امام المحدثین حافظ الحجۃ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی کی شمائل سے اخذ کی ہیں۔ ترین نے مثنوی کا آغاز حمد باری سے کیا ہے اور اسی ضمن میں ذات باری عز سمعہ سے نظم شمائل میں مدد چاہی ہے۔

الٰہی سچا تو ں ہے پروردگار — دونوں جگ میں قدرت سے تیرا آشکار
سچا تو ں ہے صانع، سچا تو ں رحیم — سچا قول ہے قادر سچا تو ں حکیم
سراؤں تجھے میں سدا یاد کر — محمدؐ کے کلمے تے دل شاد کر
محمدؐ پہ پیغمبری کر ختم — کیا ان پر مہر نبوت کرم
شمائل نبیؐ کا لگوں بولنے — کریاں مکرم کر زبان کھولنے
کیا قصد عبدالحمد ترین — شمائل نبیؐ کا کہوں بہترین

ترین نے شمائل نامہ میں تشخصات و تعینات سے کام لیا ہے۔ بہ مثال کے طور پر شمائل نامہ سے حسب ذیل اقتباس ملاحظہ ہوں جس میں نبی صلعم کے راس اطہر کے موئے مبارک کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

محمدؐ کے اس سر مبارک اوپر — اتھے بال کیتے رکھو یاد کر
اتھے لاک بار اور تیرا ہزار — دیکر تین سو تین اندر شمار

نوازش علی شیدا

نوازش علی المتخلص بہ شیدا نواب نظامی کے میر سامان شاہی عاشور خانہ کے منتظم اور علم و منقبت وغیرہ کے نگراں تھے۔ موصوف نے عزاداری اور مرثیہ خوانی کو بہت ترقی بخشی آپ نے متعدد ضخیم مثنویاں تخلیق کیں، جن میں سے تین: گلشن ایمان،

روضۃ الاطہار اور اعجاز احمدی، منصہ[۱۵۸] دریافت پر جلوہ گر ہو چکی ہیں نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں کہ گلشن ایمان میں نعتیہ قصائد ہونے کا پتہ چلتا ہے[۱]۔ لیکن یہ مثنوی نایاب ہے روضۃ الاطہار ایک طویل مثنوی ہے جو کہ دکنی روایت کی آخری یادگار ہے اسمیں تاریخی حالات کے ضمن میں معجزات اور روایات بیان کی گئی ہیں اس مثنوی کی یہی وہ خصوصیات ہیں جنکی باعث اس مذہبی تخلیق کی اہمیت لیل و نہار کی گردش سے کم نہ ہو پائے گی! اعجاز احمدی کا سنہ تصنیف ۱۱۸۲ھ ہے اس مثنوی میں نبی کریم صلعم کی مفصل سیرت مختلف عنوانات کے تحت چار جلدوں میں بیان کی گئی ہے پہلی جلد خلق نور محمدی سے چالیس سال تک کی عمر کے احوال و کوائف کو محیط ہے دوسری جلد میں بعثت سے ہجرت تک کے حالات مرقوم ہیں جبکہ تیسری جلد میں معجزات نبویہ وغیرہ کا بیان ہے اس مثنوی کی ضخامت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس مثنوی میں تقریباً ۴۷۶ صفحات اور تین ہزار چھ سو اڑتالیس (۳۶۴۸) ابیات ہیں اتنی ضخیم مثنوی لکھنا اس حقیقت کا مظہر ہے کہ شیدا ذات نبوی صلعم سے والہانہ شیفتگی رکھتا تھا اور اسکو بانی اسلام سے سچی عقیدت تھی اس نے وجہ تالیف کے ضمن میں لکھے گئے ابیات میں اس واقعیت کی طرف واضح اشارے کئے ہیں مثنوی کے تمہیدی ابیات سے داخلی طور پر یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ اس نے بہت سے جاندار نعتیہ قصائد بھی لکھے تھے جو اب دستیاب نہیں ہیں ملاحظہ ہوں۔

بہت نعت کے تو ں قصائد کہا — معطر دماغ سخن کو ں رکھا
تو ں کر مثنوی معجزو ں کی تمام — رکھا گلشن ایمان کر اس کا نام

شیدا کی طبیعت بہت موزوں اور شگفتہ تھی۔ شاعری میں وہ چستی طبع اور الفاظ و معنی میں ہم آہنگی کا قائل تھا۔ وہ فصاحت و بلاغت و نیز شیریں کلامی کو شاعری کے جوہر سمجھتا تھا اسکا عقیدہ تھا کہ نعت گوئی مغفرت و نجات کا ذریعہ ہے۔!

---

[۱] ۔ دکن میں اردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ۔ صفحہ ۴۳۱

ان باتوں کا علم مثنوی کی شان نزول سے متعلق اشعار اور اس کے بعد کے دعائیہ اشعار سے ہوتا ہے متعلقہ ابیات نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں۔

میں اک روز بیٹھا تھا خاطر فراغ — سخن کے گلستاں میں ہو باغ باغ
کبھی قد کے شمشاد کی دلبری — کری جلوہ دل میں یہ رنگ پری
نین کا کبھی نرگس نیم خواب — ستہ مثنیٔ شوق کا تھا جواب
کبھی زلف کا سنبل پیچدار — کرے رشتۂ فکر سب تار تار
حنا بند نظارہ تھا ہر طرف — کھلے تھے معانی کے محل کئی صنف
تماشے کے بازار گرمے تھے سب — نگر کا نہیا تھا سارا طلب
مرا شاہد طبع ویسے میں آ — نہایت تلطف سے کہنے لگا
کہ اے نخل بند ریاض سخن — تیرے شعر کا دھوم ہے چوکدن

میں آیا ہوں دینے تجھے اب نوید — کہ ہے مغفرت تیری جس میں امید
تو سن ہوش کے کان دھر یہ سخن — بیاں تجھ سے کرتا ہوں من و عن
جناب رسالت کا سب ماجرا — سیر میں مفصل گیا ہے لکھا
الٰہی میں تیرے نبی کا بیاں — نظم بیچ چہتا ہوں کرنے عیاں
مری طبع کو چست و چالاک کر — رموز معانی کا درّاک کر
فصاحت عطا کر سخن کوں مری — حلاوت ستی بھر دہن کوں مری
یہ اعجاز نامے کو مشہور رکھ — ہر اک بزم میں اس کا مذکور رکھ

شیدا نے اعجاز احمدی میں عنوان قائم کئے ہیں۔ اور ہر عنوان کے تحت متعلقہ مضامین نظم کئے ہیں۔ سارے عنوانات فارسی میں ہیں۔ اور ان میں ایرانی شعرائے نعت کا تتبع کیا گیا ہے۔ نمونہ عنوانات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آزاد داستان در کیفیت ظہور نور محمد۔

۱۔ اعجاز احمدی جلد اول شیدا صفحہ ۴

۲۔ در بیان تجلی اے کردار ایام حمل و تولد آمدہ در رحلت کلفت عبداللہ
۳۔ در بیان طلوع خورشید رسالت۔
۴۔ احوال رضاعت حضرت خیر البشر۔
۵۔ در بیان مشق صدر آں والا قدر۔
۶۔ در بیان احوال ششم تا دوازدہم از ولایت باسعادت آں والا نسب۔
۷۔ احوال سال ہفتم و ہشتم مشتمل بر وفات عبدالمطلب وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح ہر جلد میں اسوۂ رسول عنوانات کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔

شاعر نے اس بات کا بھی التزام کیا ہے کہ ہر جلد کے خاتمہ کے بیت کے آغاز میں اپنا تخلص شیدا نظم کر دے۔ ملاحظہ ہو۔

اے شیدا کہاں تک کہا جائے گا — سمندر کو کوزے میں کیوں لائے گا[1]
اے شیدا قلم پہ ہے یہ اضطراب — کہ منزل کو مقصد کے پہونچے شتاب[2]
اے شیدا ہے مضمون یہ دردناک — کیا صبر اپنے گریباں کو چاک[3]
اے شیدا آ تو تاریخ لکھ اسکی اب — کریں ختم کا سال دریافت سب[4]

شاعر نے چوتھی جلد میں بانی اسلام کی وفات کے بعد کے احوال مندرج کر کے معجزات نبوی اور درود و سلام کی فضیلت پر روشنی ڈالی ہے پھر کے بعد مشہور نعت میں نبی صلعم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلعم کا باعث خلق کائنات ہونا آپ کا مقدم بالشرف آپ کی امیت قرآن کا معجزہ، شق القمر، احمد و احد کی میم، لولاک لما خلقت الافلاک شیدا کے پسندیدہ مواضیع نعت ہیں۔ شاعر نے اوصاف کے ضمن میں مرکب توصیفی اور مرکب اضافی کے ذریعہ حسن و دلکشی پیدا کی ہے۔ قرآنی تلمیحات حسن کلام کو دوبالا کرتی ہیں۔

۱۔ اعجاز احمدی۔ جلد اول شیدا۔ ص ۳۷ ۲۔ اعجاز احمدی۔ جلد دوم شیدا ص ۱۰۵/
۳۔ اعجاز احمدی۔ جلد سوم شیدا۔ ص ۳۶۶/
۴۔ اعجاز احمدی جلد چہارم صفحہ آخر۔ کتاب میں صفحات کا اندراج نہیں ہیں۔

حبیب خدا سید المرسلین — بنا جس کی خاطر کو دنیا و دیں
ہے وہ انبیاء میں الف کے مثال — مقدم مؤخر زراہ کمال
سراپا تھا وہ ذات پر نور نور — اسی واسطے اوس سیں سایہ تھا دور
قلم کوں اگرچہ نہ پکڑا ہے ہاتھ — رکھا حکم کے خط میں سب کائنات
کیا دین جب اوس کا جگ میں ظہور — اڑالات و نمرا کے سر میں غرور
وہ ہے آئینہ ذات اللہ کا — دوسر نچیہ زور یداللہ کا
چراغ شبستان ایماں ہے وو — گل مغفرت کا گلستاں ہے وو
ہے قرآں ورق اس کے اعجاز کا — وہ واقف ہے سب غیب کے راز کا
سنے اوس کے جودیں کے آثار کوں — سنے سینے میں توڑ زنار کوں
نبوت او پر اوس کے رب الجلیل — قمر کے کیا شق کوں روشن دلیل
شریعت کا کر اس نے روشن چراغ — طریقت کا سب کوں بتایا سُراغ
احد اور احمد میں ایک میم ہے — سو وہ میم از بہر تعظیم ہے
ہے وہ فقر کے ملک کا تاجدار — کیا رنج و محنت کیئں اختیار
ہے مضمون لولاک میں یوں عیاں — اگر وہ نہ ہوتا نہ ہوتا جہاں
اے شیدا تجھے یہ قافیہ کہاں — کرے نعت ختم النبی کا بیاں[1]

شیدا کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ وہ اکثر بیان واقعات کی تمہید میں بہت سے اخلاقی مضامین پیدا کرتا ہے۔ جو ایک طرف اسکے ذہن کی خلاقیت کے مظہر اور دوسری طرف اس کے ایمانی و اخلاقی جذبات کے نہج کی غمازی کرتے ہیں مثال کے طور پر حضرت خدیجہؓ اور حضرت ابو طالبؓ کی وفات کے تمہیدی ابیات پیش کئے جاتے ہیں۔

فنا ہے یہ عالم دیکھو سر بہ سر — بقا میں بجز ذات مولا ذکر
ہے یہ زندگی پے برنگ سراب — ہوا سیں بندھی ہوئی مثل سراب

---

[1] ۔ اعجاز احمدی — جلد اول ۔ ص ۲

یہ ہستی موہوم کا نقش اگر — بجا ہے لکھوں تختۂ آب پر
یہ نقش طلسم ہے ہوا ہے نمود — سراپا ہے دھوکے کا اسکے وجود[1]

شیدا کے بیان میں کہیں پر تعقید یا گنجلک نہیں ہے ہر بات سیدھے سادے انداز میں موثر طور پر کہی گئی ہے اسی لئے اس کی نعتیہ کاوشیں عام قاری کی دسترس کے اندر ہیں۔ مثال کے طور پر شعرائے نعت نے آپکے سایہ نہ ہونے کے وجوہ کے بارے میں ایسی اور اتنی دقت نظری کے ثبوت دئے ہیں کہ متعلقہ ابیات عام قاری کے ذہنی دسترس سے باہر ہو گئے ہیں لیکن شیدا نے عام قاری انداز میں بتلایا ہے کہ چونکہ آپ مجسم نور تھے اور نور کے سایہ نہیں ہوتا۔ اس لئے آپ کے سایہ نہیں تھا بیت ملاحظہ ہو۔

سراپا تھا وہ ذات پر نور نور — اسی واسطے اوس میں سایہ تھا دور

شاعر نے بیان واقعات میں شاعرانہ دلکشی اور تاریخی صداقت دونوں کا حسین سنگم دکھلایا ہے اس کا فنی کمال یہ ہے کہ اس نے واقعات کی صحت کو بجا شاعرانہ تخیل سے داغدار نہیں بنایا واقعاتی بیان کے مابین بھی اس نے نعت کے اچھے اشعار تخلیق کئے ہیں۔ غار حرا کے تاریخی واقعات کے ضمن میں ذکر نبی کو ایسے اوصاف سے متصف کیا ہے جنھوں نے کلام میں نعتیہ شان پیدا کر دی ہے۔

ہوا سال چالیس پر ایک جب — سنو اس کا کہتا ہوں احوال سب
سترویں تھی تاریخ رمضان کی — دلیل اس پہ آیت ہے قرآن کی
لکھے کئی محدث ہیں ارباب دیں — ربیع الاول کی اٹھی بارویں
رسول خدا سید کائنات — امام دو عالم شہ ممکنات
اتھے غار حرا میں بیٹھے ہوئے — ردا کے اوپر اپنے تکتے کئے[2]

---

[1] ۔ اعجاز احمدی — جلد اوّل — ص/ ۶۶
[2] ۔ اعجاز احمدی — جلد اوّل — ص/ ۳۸

مولانا محمد باقر آگاہ

مولانا کا نام محمد باقر تخلص آگاہ اور والد کا نام محمد مرتضےٰ تھا آپ ۱۱۵۰ھ میں ویلور پیدا ہوئے۔ اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن سے فراغت حاصل کر کے دستور زمانہ کے مطابق فارسی کی تعلیم شروع کی اور فطری ذہانت کی وجہ سے بہت جلد فارسی زبان میں درک حاصل کر لیا پندرہ سال کی عمر میں لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ شاہ ابوالحسن قرلی سے بیکراں عقیدت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنا پہلا قصیدہ انہی شاہ قرلی کی مدح میں بعمر سترہ سال لکھا مولانا نے علم و فضل سے دولت و شہرت دونوں چیزیں حاصل کیں آپ کو نواب والاجاہ کے دربار سے امیر الامراء کی اتالیقی کے صلہ میں دو سو روپیہ کا مشاہرہ ملتا تھا۔ بعد میں نواب مذکور نے آپ کو انور کی جاگیر عطا کی جس کے سالانہ محاصل ایکہزار دو سو ہن تھے۔ آپ عمر کے آخری حصہ میں نواب امیر کے ساتھ مدراس تشریف لے گئے اور وہیں ۵ مارچ ۱۸۰۵ء کو ۱۴ ذالحجہ ۱۲۲۰ھ پنجشنبہ میں فوت ہو گئے آپ کا مزار میلاد پور میں موجود ہے۔

مولانا باقر کی دو تصانیف "گلزار عشق" اور "بہشت بہشت" منظر الکشاف پر آچکی ہیں لیکن ان دونوں میں سے جس مثنوی نے مولانا کی شہرت کے دامن کو قیامت کے دامن سے وابستہ کر دیا وہ ان کی آخر الذکر مثنوی ہے اس مثنوی کے آٹھ حصے ہیں جن کے نام ۱۔ من دیپک ۲۔ من موہن ۳۔ من ہرن ۴۔ جنگ سوہن۔ ۵۔ آرام دل ۶۔ راحت جان ۷۔ من درپن۔ ۸ من جیون ہیں۔ یہ مثنوی شمائل

۱؎ تاریخ ادب اردو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ص/۵۲۳ جلد اول

نبی پر ایک مستند کارنامہ ہے جو لسانی اور موضوعاتی دونوں اعتبار سے اہم ہے مولانا کی زبان سے اگر وہ دکنی الفاظ محاورے اور روزمرہ الگ کر لئے جائیں جو دانستہ طور پر مستعمل ہوئے ہیں تو ان مثنویوں کی زبان اور ریختہ کی زبان میں کوئی فرق محسوس نہ ہوگا۔ مولانا آگاہ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ کہ

"جب زبان قدیم دکنی اوس سبب سے کہ آگے مرقوم ہوا اس عصر میں رائج نہیں ہے اوسے چھوڑ دیا اور محاورہ صاف اور شستہ کو کہ قریب روزمرہ اردو کے ہے۔ اختیار کیا اور صرف اس بھاکے میں کہنے دو چیز مانع ہوئی۔ اول یہ کہ تاثر وطن یعنی دکن اس میں باقی رہے کیا واسطے کہ اجداد پدری و مادری اس عاصی کے اور سب قوم اس کی بیجاپوری ہیں دوسرے یہ کہ بعضے اوضاع اوس محاورے میرے دلنہاد نہیں ہے۔" (دکن ۱)

موضوعاتی نقطۂ نظر سے اس مثنوی کی یہ اہمیت ہے کہ مولانا نے اس تخلیق میں صرف وہی قصے اور روایات نظم کی ہیں جو صحت اور صداقت کی کسوٹی پر پوری اتری بہشت بہشت کے دیباچہ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے صرف معتبر و مستند کتابوں کو ماخذ کے طور پر مستعمل کیا ہے، جن آخر کو شامل فہرست کیا گیا ہے، ان میں فتح الباری، شمائل ترمذی، شرح ترمذی مصنفہ ملا عصام، شرح ترمذی مصنفہ غلام حافظ ابن حجر، رسالہ مولود شریف مصنفہ جلال الدین سیوطی، معارج النبوہ مصنفہ مولانا معین الدین، مدارج النبوۃ، تحفۃ الاخیار، جواہر العقدین، اصابہ اور جذب القلوب خاص ہیں۔ مولانا سیرت نبی میں موضوع روایات اور غیر معتبر و مشکوک قصوں کی شمولیت قابل اعتراض سمجھتے تھے۔ انھوں نے فتاحی اور اس کی

دیباچہ گلزار عشق۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (قلمی) بحوالہ تاریخ ادب اردو جلد اوّل۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ص/۵۲۴

مثنوی "مفید الیقین" کو اسی لئے ہدف طعن بنایا ہے۔ کیونکہ اکثر ہے اس میں غلط اور جھوٹ بات" اور اپنے پیشرو کے نور ناموں، شمائل ناموں، معراج ناموں پر تنقید کرتے ہوئے واضح لفظوں میں کہا تھا کہ "اکثر نسخوں کا مضمون ہے غلط"

مولانا آگاہ نے انہی غیر معتبر نسخہ کاوشوں سے ہمیز کھا کر "ہشت بہشت" کی تخلیق کی اور ان آٹھ رسائل میں تخمیناً آٹھ ہزار اور چھ سو اور پچاس ابیات ہیں۔ اور سرخیوں کے ساتھ نو ہزار بیت ہوں گے۔"[1]

مثنوی ہشت بہشت کے دیباچہ کا آغاز حمد سے ہوتا ہے جسکے بعد نعت ہے اور اس کے بعد سبب تصنیف بتلا کر بارگاہ عزت مآب میں اخلاص کی دعا مانگی گئی ہے اس مثنوی میں عنوانات قائم کر کے مضامین بیان کئے گئے ہیں اولاً ذات باری عزاسمہ کی ذات صفات سے بحث کی گئی ہے۔ اسکے بعد ارکان ایمان کلام اللہ کا قدیم ہونا عالم کی ہدایت کے لئے انبیاء مرسلین کی بعثت، انبیاء مرسلین کے معجزات کے بعد دیگر انبیاء مرسلین پر نبی آخر الزماں کا تفوق، بانی اسلام کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کی شریعت کا ناسخ ادیان سابقہ ہونا موضوعات کے تحت مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ مولانا باقر آگاہ نے اہلسنت والجماعت کے چاروں اماموں کو برحق بتلا کر سلسلہ قادریہ کو دیگر سلاسل طریقت سے برتر ثابت کیا ہے۔ عذاب قبر اور آخرت وغیرہ سے متعلق مضامین بھی لکھے گئے ہیں دیباچہ کے اختتام پر بانی اسلام کے اور آپ کے ذکر کے فضائل شمار کئے گئے ہیں نمونہ کے طور پر چند ابیات دیباچہ کے اس حصے سے منقول ہیں جو کہ ذکر نبیؐ اور فضائل ذکر نبیؐ سے متعلق ہے۔

قفل دل کا ذکر اس کا ہے کلید — گمرہاں کو پل میں کرتا ہے رشید
گھر کو سینے کے ہے ذکر اس کا چراغ — جسم وجاں ہوتا ہے اس سے باغ باغ
ذکر سے اس کے ٹلے سب درد و دکھ — ذکر سے اس کے ملے نعمت عیش و سکھ
بے کساں کو ذکر اس کا ہے اماں — عاصیاں کو ذکر اس کا ہے ضماں

[1] ۔ ہشت بہشت ورق ۲ (ب)

ذکر سے اس کے ملے باغ نعیم — ذکر سے اس کے بجھے نار جحیم
سالکاں کو ذکر اسکا شمع راہ — عاشقاں کو ذکر اسکا ہے پناہ
عارفاں کو ذکر اسکا من لگن — واصلاں کو ذکر اسکا ہے من موہن
انبیاء کو ذکر اس کا ہے انیس — اصفیا کو ذکر اسکا ہے جلیس[1]

شمائل ناموں کے مابین آگاہ کا شمائل نامہ وقیع اہمیت کا مالک ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شمائل ناموں کے آٹھوں حصوں کا طائرانہ جائزہ لیا جائے۔

(۱) من دیپک مصنفہ ۱۱۸۴ھ اس رسالہ میں ۱۶۰۲ ابیات ہیں آگاہ نے حمد و نعت کے بعد شاہ عبدالقادر جیلانی کی منقبت اور اپنے مرشد شاہ ابوالحسن قرلی کی مدح کے بعد سبب تصنیف و تالیف بیان کیا ہے۔ "لولاک لما خلقت الافلاک" کا مضمون نظم کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

نہ کہتا گر تو اے سلطان — نہ کرتا میں یہ کل منڈان
تا ارض و سما تا لوح و قلم — تا جن و ملائک تا آدم
ان سب کو کیا ہوں تجھ خاطر — اور تجھ کو کیا ہوں تجھ خاطر[2]

(۲) من ہرن ـــــ اس رسالہ میں ابیات کی مجموعی تعداد (۶۵۱) ہے نعت و منقبت غوث اعظم و مدح پیر مرشد کے بعد کتب سماویہ میں مذکور نبی آخر الزماں کی بشارت کا تذکرہ ہے آگاہ نے بخت نصر کے خواب اور حضرت دانیال کی تعبیر کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کیا ہے۔ صرف دو اشعار تمونہ کے تحت بیان کئے جاتے ہیں۔

جو ہے گرفتار جرم و گناہ — اسکو ہے اس سرور دیں کا پناہ
جو ہے سادات و زہیں کے اویر — اسکا طلبگار ہے شام و سحر[3]

[1] ۔ ہشت بہشت ورق ۲۲ (الف و ب) [2] ۔ ہشت بہشت ورق ۲۹ (ب)
[3] ۔ ہشت بہشت ورق ۴۵ (الف)

(۳) من موہن مصنفہ ۱۱۸۶ھ ۔ اس رسالہ میں کل (۷۲۰) ابیات ہیں ۔ آگاہ نے حمد و نعت و منقبت و مدح کے بعد بانیٔ اسلام کی ولادت اور اس سے متعلق معجزات نظم کئے ہیں ۔ حضرت آمنہ کی زبان سے کہلوائی گئی نعت شعریت سے معمور ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

شکل یوسف زبان اسمٰعیل — علم لوط و نوید اسرائیل
صبر ایوب و عظمت موسیٰ — زہد عیسیٰ و عظمت یحییٰ[1]

آپ کی ولادت پر حضرت عبد المطلب کی مسرت کو اس طرح لسانی جامہ پہنایا گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

گھر میں میرے ہے وہ مہ تاباں — جس سے روشن ہوا ہے سر و عیاں
گھر میں میرے ہے وہ طرب افروز — جس سے ہوئے گی رات غم کی روز
گھر میں میرے ہوا ہے وہ سرور — جس کے در پر گھسیں گے عالم سر
گھر میں میرے ہوا ہے وہ مرسل — جس سے جاویگا کفر سارا خجل[2]

ابیات منقولہ بالا میں واقعاتی صداقت ہو یا نہ ہو لیکن شاعرانہ صداقت ضرور ہے کیونکہ پوتے کی ولادت پر حضرت عبد المطلب کی زبان حال یہی کہہ رہی ہوگی ۔

(۴) جنگ موہن مصنفہ ۱۱۸۵ھ ۔ اس رسالہ میں ۸۱۷ ابیات ہیں ۔ مولانا آگاہ نے بارگاہ ایزدی میں اپنی پریشانیاں بیان کرنے کے بعد، حضرت ابو طالب کفالت، آپ کے سفر شام، حضرت خدیجہ سے مناکحت، اعلان نبوت اور اس کے بعد کے ہر سال کے واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں شاعر نے اس رسالہ میں جنت کے ابتدائی حالات بھی درج کئے ہیں ۔ جنگ موہن کا یہ بیت ۔

---

[1] ۔ بہشت بہشت ورق ۷۰ (ب)
[2] ۔ بہشت بہشت " ۷۲ (الف)

جس کی امامت میں رسول انصار ہے کو نعت او سکی کرے کیا بار ہے[1]

بہت جاندار ہے ۔

(۵) آرام دل مصنفہ ۱۱۸۵ھ ۔ اس رسالہ میں (۱۱۵۲) ابیات ہیں مولانا آگاہ نے اس رسالہ کو تین ابواب میں منقسم کیا ہے ۔ پہلے باب میں حضور صلعم کے شمائل دوسرے میں آپ کے اخلاق اور تیسرے میں آپ کی عادات نظم کی گئی ہیں مصنف نے اس رسالہ کی نعت میں سابقہ رسالوں کی محتویات کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

حقیقت میں سب کا ہے مطلوب او — ہیں سب عاشقاں اور محبوب او
او مہتاب ہے سب خلائق چکور — دو عالم میں ہے حسن کا اوس کے شور
سب اخلاق پاک اوس کے بے تال و قیل — کمالات روحی او پر تھے دلیل
ہیں من دیپک اندر کیا ذکر نور — لکھا من ہرن میں نوید ظہور
یہ من موہن اوس ولادت کی بات — یہ جگ موہن اوسکا بیان تا وفات
میں اب جس لکھا اوسکے کرتا ہوں ذکر — جلا پاوے تا اوس سے مرات فکر

مولانا ناقر آگاہ نے شمائل نبی کو (۲۴) عنوانات کے ذیل میں بیان کیا ہے عنوانات ایرانی شعرائے نعت کے نہج پر قائم کئے گئے ہیں اور وہ سب فارسی زبان میں ہیں " در صفت روئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم " کے ذیلی عنوان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نعت جس میں حضور صلعم کے روئے مبارک کی تابناکی بیان کی گئی ہے شعریت سے معمور اور بیحد لطیف و دلاویز ہے حضرت عائشہ کے ابیات کا واقعاتی انداز ملاحظہ ہو ۔

گری سوئی مجھ ہاتھ سے بر زمیں — لگی ڈھونڈنے میں او سے ہر کہیں
کہ اتنے میں آیا سراج الانام — کہ ہے نور سے جس کا عالم تمام
پڑا اوس کے چہرہ کا اس طرح تاب — کہ مجھ کو ملی سوئی میری شتاب

---

[1] ۔ بہشت بہشت ورق ۸۹ ۔ [2] بہشت بہشت ورق ۱۱۳ (ب) و ۱۱۴ (الف) ۔ [3] ۔ بہشت بہشت ۱۱۷ (الف)

دوسرے رسالہ میں بانیٔ اسلام کی سیرت کی بابت حضرت عائشہ کا قول کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا آگاہ کی زبانی سماعت فرمائیں۔

کہی عائشہ اوس کو اے ہوشیار ہے تفصیل اوس کی نہایت سو بہار
ولیکن میں کہتی ہوں اب مختصر کہ خلق اوس کا قرآن تھا سر بسر[1]

(۶) راحت جان مصنفہ ۱۱۸۶ھ ——— راحت جان میں ابیات کی تعداد (۶۰۲) ہے۔ ان ابیات میں بانیٔ اسلام کے تخصیصات بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں نبی صلعم کے لئے حرام اور امت کے لئے حلال اور نبی صلعم کے لئے مباح اور امت کے لئے حرام چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ شاعر نے تخصیصات دنیوی و اخروی کے بعد امت محمدیہ پر ذات باری عزاسمہٗ کی نوازشات و عنایات کا ذکر کیا ہے اور آخر میں دعا پر رسالہ کا اختتام ہے۔ نمونہ کے طور پر نبی صلعم کے ذکر کی فضیلت سے چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

بہترین ذکر و طاعت اے پسر ہے نبی کا ذکر ہر شام و سحر
ذکر اوس کا عین ذکر حق ہے جاں طاعت اوس کی طاعت حق ہے بیگمان
عالی و سفلی ہے اوس کے ذکر میں جزوی و کلی ہے اوس کے ذکر میں[2]

آگاہ کی وہ دعا جس میں اس نے نبی آخر الزماں کا واسطہ دیا ہے بہت وقیع ہے۔ ملاحظہ ہو۔

گرچہ ہوں جرم و گناہ میں مبتلا معطف کر مجھ پر بحق مصطفیٰ
مصطفیٰ کے واسطے اے کارساز مصطفیٰ کے واسطے اے بے نیاز
اوس شفیع المذنبین کے واسطے رحمت اللعالمین کے واسطے
اوس پناہ بے کساں کے واسطے اوس روائے خستگاں کے واسطے
واسطے اوس کے کہ جس کا لطف عام عاصیاں کا زاد ہے روز قیام

[1] ۔ ہشت بہشت ورق ۱۲۵ (الف)
[2] ۔ ہشت بہشت ورق ۱۵۳ (الف) و ۱۵۳ (ب)

ہو رستہاوت پر مرا انجام کر ہو مدینے بیچ میرا کر مقر
راحت جاں ہوا پورا تمام از طفیل مصطفیٰ شاہ انام[1]

(۷) من درپن مصنفہ ۱۲۰۶ھ ——— مولانا نے اس مثنوی میں۔ (۳۱۶۱) ابیات کے مابین معجزات بیان کئے ہیں۔ انداز بیان نہایت موجز ہے یہ رسالہ استنادی وقعت کا مالک ہے۔ حمد کے بعد والی نعت بہت توانا اور جاندار ہے۔ اور مکمل طور پر شعریت میں ڈوبی ہے۔ تشبیہات و استعارات بہت بدیع و نادر ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

ہے گنج غیب کا مفتاح اسرار ہے بیت القدس کا مصباح انوار
بہار حسن کا ہے صبح اوّلے فروغ عشق کا ہے نور اکمل
ہے حسن و عشق کا وہ رق منشور کہ جس کا عرش ہے یک آیت النور
ہے وہ ام الکتاب و نور قدسی کہ جس کی آیۃ الکرسی ہے کرسی
حروف اوس کے ملایک ہور رسل ہیں نقاط و سطر اوس کے جز و کل ہیں
ہے جس کا خواب گاہ خاص وحدت ہے بار عام جس کا واحدیت
مقام خاص اوادنیٰ ہے جس کا خدا بن کوئی نہیں داتا ہے جس کا
تھے جس کے پیش کاراں انبیاء سب تھے جس کے مژدہ گویاں اصفیاء سب
ملائک جس کے تھے فوج منظم نقیب اس فوج کا جبریل اکرم[2]

شاعر نے نعت و منقبت خلفائے راشدین و عبدالقادر جیلانی و مدح شاہ ابوالحسن قطبی کے بعد ذکر نبی کے فضائل نظم کرتے ہوئے کہا ہے کہ سارا عالم ذکر نبی سے سرشار ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

ملائک ذکر پر اوس کے ہیں قائم رسولاں ذکر میں اوس کے ہیں دائم
غرض ملک و ملک میں جو ہیں اشیاء ہیں اوس کے ذکر میں سرمست و شیدا

[1] ۔ ہشت بہشت ورق ۱۷۰ (الف)
[2] ۔ ہشت بہشت ورق ۲۶۸ (ب)

شاعر مثنوی کے ان رسمی لوازم سے فارغ ہو کر عنوانات قائم کر کے نبی صلعم کے معجزات بیان کئے ہیں۔ مولانا نے ان تمام باتوں کا پڑھنا پڑھانا، جن کی بنیاد قرآن و احادیث پر مبنی نہ ہو۔ حرام قرار دیا ہے۔ انھوں نے نبی اکرم صلعم کے معجزات کا موازنہ دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے کیا ہے۔ معجزات کی فہرست میں نبی اکرم صلعم کے جمال و کمال، آپ کی فصاحت و بلاغت، حشمت و شوکت، آپ کا جلال رحم و کرم آپ کا خلق عظیم وغیرہ اوصاف کو شامل کرتے ہوئے قرآن کریم کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ معجزات کے بعد عرض حال میں خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں شاعر نے اپنی فروگذاشت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کو اپنی ذات سے زیادہ امت مسلمہ کا خیال ہے اس نے امت کی مشکلات کو بانی اسلام کی بارگاہ میں پیش کر کے مشکل مسائل کے حل کی التجا کی ہے۔ آگاہ کے ان اشعار میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جنکی بنیاد پر حالی نے قومی شاعری کا ولولہ پر محل تعمیر کیا۔ شاعر نے التجائیہ ابیات میں اپنے، اپنے اولاد، احباب و بہی خواہوں کے لئے الطاف و عنایات کی دعا مانگی ہے۔ انھوں نے اس دعا میں عامۃ المسلمین مرد، عورت اور بچے سبھی کو شامل کیا ہے۔ اور انتہائی خلوص کے ساتھ مسلمانوں کی سلطنت کی بقا اور دین مصطفوی کے فروغ، دین اسلام پر حیات دمات اور حشر میں امت محمد کی معیت کی دعا مانگی۔ قومی شاعری کا نقش اول ملاحظہ ہو۔

کدھر جائیں کہ یہ لشکر ہیں تیرے	اگر ہیں نیک و بد چاکر ہیں تیرے
یفضح المذنبین سن ان کی زاری	کر اپنے سے اب ان کی یاری
تو اپنے دیں کا ہے آپ حامی	ہے میری عرض یہ از راہ خامی

(۸) من جیون۔ مصنفہ ۱۲۰۶ھ ـــــــ مولانا باقر آگاہ کا آٹھواں رسالہ ہے جو (۸۱۸) ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ تین فصلوں میں منقسم ہے پہلی فصل میں نبی صلعم کی محبت کے علامات و آثار نیز آپ کی محبت کی فرضیت سے سے بحث کی گئی ہے۔ اس رسالہ میں حمد و نعت و منقبت غوث پاک شاہ ابوالحسن

قلی کے بعد اصل مدعا پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسری فصل میں درود و سلام کی فضیلت بیان کی گئی ہے جبکہ تیسری فصل میں روضۂ انور کی زیارت کے آداب و فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ مولانا باقر نے من جیون کا آغاز رسمی حمد و نعت و منقبت غوث پاک و پیر مرشد سے کیا ہے۔ لیکن اس نے حمدیہ اشعار میں حمد باری اس طور پر کی ہے۔ کہ اس میں پیغمبر اسلام کی موثر، دلاویز توانا اور جاندار نعت بھی ہو گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لایا تو اک آفتاب وحدت	جس سے نہ رہی جہاں میں ظلمت
لایا تو اک ایسا ابر رحمت	جس سے نہ رہی کہیں بھی عسرت
لایا تو اک ایسا روح اعظم	پایا ہے حیات جس سے عالم
ایسا تو چراغ یک لگایا	دل جس سے تیرا سراغ پایا
یعنی شہ دو جہاں محمدؐ	سرمایہ جسم و جان محمدؐ
طاعت ہے تیری اطاعت اسکی	قربت ہے تیری محبت اس کی
جو اس کی رضا تیری رضا ہے	حکم اس کا ہے تیری قضا ہے[1]

شاعر نے منقبتی اشعار کے بعد نبی صلعم کی محبت کی فرضیت کو قرآن و احادیث سے ثابت کیا ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت کو نمونہ مان کر اطاعت رسول کو جزو دین حب رسول قرار دیا ہے۔ اور یہ صد فی صد درست ہے۔ کیونکہ اطاعت کے بغیر محبت کا تصور اسی طرح بے معنی ہے جس طرح روح کے بغیر زندہ جسم کا تصور۔ مولانا آگاہ اپنے نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تبعیت شاہ با کرامات	ہے افضل و اکمل علامات
جتنی تجھے اس کی پیروی ہے	نسبت وہ داد کی قوی ہے

---

[1] ۔ ہشت بہشت صفحات ۱۶۹ - ۱۷۰ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی۔

[2] ۔ ہشت بہشت صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی۔

تیسری فصل، جس میں زیارت نبوی کا بیان ہے شیفتگی و عقیدت کی فراوانی سوز و گداز کے وفور اور اضطراب و بے چینی کی گہرائی و گیرائی کی وجہ سے داخلیت کا مرقع بن گئی ہے۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

بیٹھا ہے تو کیا چل اے برادر — طیبہ کی طرف قدم کر از سر
گر باؤ کے چلنے میں اس ہے — تو آہ کا تیرے باؤ بس ہے
مژگاں سے کر اپنے اس کا سکاں — اور پردۂ چشم بادبان جان
یا رنگ بریدہ سے ہو دساز — کر اس کی ہوا میں جلد پرواز
در مشرب عاشقاں حیراں — ہے فرض زیارت اس کی آجاں
مرقد سے زمین ہے اس کی پُر نور — دور ہوں میں اس سے آہ مہجور
کیوں سر سے قدم نہیں گیا میں — رو ضے طرف اسکے نین گیا میں
بے شک مجھے گھیرے ہے حرماں — گر بیٹھوں میں دور اس سے یک آن[1]

پوری مثنوی ہشت بہشت نعت کی تاریخ میں بہت وقیع و اہم ہے۔ اس میں نعت اپنے ہر رنگ میں تاباں و درخشاں ہے۔ زبان کے ارتقاء کے قطع نظر مضامین و مفاہیم اور اسلوب ادا کے نقطۂ نظر سے اردو نعت نے اب تک جتنے نقوش جریدۂ تاریخ پر ثبت کئے ہیں۔ وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اولین نقوش مولوی باقر آگاہ کی مثنوی معرض بحث میں کہیں نہ کہیں ضرور مل جاتے ہیں۔

میر اعظم علی شائق

آپ کا نام میر اعظم علی اور تخلص شائق تھا۔ عمدۃ العلماء نواب نواز الدولہ آپ کے نانا تھے۔ آپ کی پیدائش حیدرآباد کے ایک امیر و کبیر خانوادے میں ہوئی۔ انھوں

[1] ۔ ہشت بہشت صفحات ۲۰۲ - ۲۰۳

خانوادے میں مذہب و شریعت کا کافی عمل دخل تھا۔ شائق ایک عرصہ تک عدالت دار القضا کے ناظم کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ عربی و فارسی ہر دو زبانوں پر کافی دسترس رکھتے تھے۔ ویسے تو آپ نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ لیکن نعت گوئی سے آپ کو کافی شغف تھا۔ اور اپنے کلام کی اثر آفرینی کو نعت ہی کا رہین منت سمجھتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک شعر میں کہتے ہیں۔

نعت نبی کا صدقہ ہے اے شائق حزیں — اب ہو چلا ہے تیری زباں میں اثر بہت[1]

"پورا دیوان نعت سے معمور اور عشق نبی میں ڈوبا ہوا ہے۔ عام طور سے آپ کی نعتیہ غزلیں مقبول تھیں۔ عموماً نعت خواں آپ ہی کا کلام پڑھتے تھے۔ آپ نے ٹھمریوں میں نعت کہی ہے۔"[2] آپ کا انتقال ۱۳۱۵ھ[3] ۱۸۹۷ء میں حیدرآباد میں ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

شائق کے کلام کی امتیازی خصوصیت تغزل ہے۔ جو ان کے کلام میں ہر جگہ رواں دواں ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں جاری و ساری، روانی، شیرینی، سادگی اور سوز و گداز اسی تغزل کی دین ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے ترسیل و ابلاغ کا کام نہیں لیا۔ بلکہ داخلی جذبہ اور شیفتگی و عقیدت ان کے شعری سرمایہ میں ہر جگہ موجزن ہے۔ شائق کا خاص موضوع حبّ رسولؐ کے والہانہ کوائف کا شاعرانہ اظہار ہے۔ انھوں نے اپنی نعتیہ کاوشوں کو بیان کی رنگینی سے دلآویز بنایا ہے۔ اور اس کو اکتساب دینے والی یکسانیت سے بچایا ہے۔ انھوں نے سلام، مثلث، مخمس، مسدس اور ٹھمریاں بھی لکھی ہیں۔ لیکن ہر ایک عاشقانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ ان کے کلام میں پیغمبر اسلام کا جمالی پہلو، جلالی پہلو پر مستولی ہے۔ بانی اسلام کے ہجر میں ان کے اضطراب نے نعتیہ شاعری میں جوش اور تڑپ

[1] ۔ کلیات شائق۔ صفحہ ۱۰۹، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ، بار سوم
[2] ۔ دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی۔ صفحہ ۶۳۰
[3] ۔ دکن میں اردو۔ نصیر الدین ہاشمی صفحہ ۶۳۰

بھر دیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی متفرق نعتوں کے تراشے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

کیوں شام جدائی میں نہ ہو نور سحر آج
ہے جلوہ نما دل میں مدینے کا قمر آج

لعل لب حضرت کی جدائی کا اثر ہے
آنسو کے عوض آنے لگا خون جگر آج

ہے ایک نہ ایک صدمہ فراق نبوی میں
کل دل مرا بے چین تھا مضطر ہے جگر آج[1]

مارا ہے فراق نبوی نے مجھے شائق
جی جاؤں میں آجائیں جو سرکار ادھر آج

پھر نہ قابو میں ہمارا دل ناشاد آیا
روضۂ احمد مرسل جو کبھی یاد آیا

دل بے تاب میں رہ رہ کے جو ہوتی ہے کسک
آج شاید میرے سرکار کو میں یاد آیا

مانگتا مانگنے کی طرح تو سب کچھ ملتا
ڈھنگ تجھ کو نہ ابھی تک لب فریاد آیا

من رانی فقد الحق کے یہی معنی ہیں
جس نے دیکھا تجھے بس اس کو خدا یاد آیا[2]

احمد پاک پہ مائل نہ ہوا تھا سو ہوا
دل میرا عشق میں کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

شب معراج عرب سے یہ کھلا راز ہمیں
رب سے ایسا کوئی واصل نہ ہوا تھا سو ہوا

خواب میں رویت احمد ہوئی سبحان اللہ
محفل پاک میں داخل نہ ہوا تھا سو ہوا

کون سے چاند کے ٹکڑے نے کیا دو ٹکڑے
دل شکستہ مہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

ہجر میں وصل نبی کا جو مجھے لطف آیا
میں تصور کا جو قائل نہ ہوا تھا سو ہوا

کیوں نہ انسان کو ظلوما و جہولا سمجھیں
کوئی یوں یار کا عامل نہ ہوا تھا سو ہوا

آج محروم پھرا اس کو نہ دروازے سے
تیرا شائق ہے کبھی مائل نہ ہوا تھا سو ہوا[3]

شائق شیفتگی و محبت کے جذبات سے سرشار ہے کہ اسقدر مدہوش ہو

---

[1] کلیات شائق صفحہ ۱۱۵
[2] کلیات شائق صفحہ ۸۶
[3] کلیات شائق صفحہ ۵۹

ہو جاتے ہیں۔ کہ ان کا دھیان الفاظ سے یکسر منقطع ہو جاتا ہے اور وہ ایک خوش الحان پرندہ کے مانند بے ساختہ الاپتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی اس قسم کی نعتوں میں ناہمواری اور کھردرے پن کا احساس ہوتا ہے جیسا کہ "نہ ہوا تھا سو ہوا" ردیف والی نعتیہ غزل کو پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے۔

شائق نے معجزات نبوی بھی نظم کئے ہیں لیکن تغزل کی بنیادی اہمیت کی وجہ سے ان معجزات نے ایک تیار رنگ لے لیا ہے۔ اگر وہ احمد بلا میم کے مضمون کو نظم کرتے ہیں تو اس میں بھی ایک نئے آہنگ ایک نئے لہجے کا احساس ہوتا ہے۔ تذکرہ معراج ہو یا بیان شق القمر ہر جگہ شاعر کے التہاب قلم نے تغزل کو اپنا کر کلام میں دلاویز رعنائی و برنائی کی آمیزش کر دی ہے۔ ایک غزل کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

نام احمد کے نئے راز نے دل چھین لیا
پردہ میم کے انداز نے دل چھین لیا

حوریں معراج سیر کہتی تھیں بلائیں لے کر
کملی والے تیرے انداز نے دل چھین لیا

چاند دو ٹکڑے ہوا ایک اشارے میں ترے
مرے بانکے تیرے اعجاز نے دل چھین لیا

میں جو رویا دنگا محشر میں تو رحمت نے کہا
اس گنہگار کی آواز نے دل چھین لیا

پردۂ وصل سے یوں عرش پہ آتی ہے صدا
ایک کا ایک کے انداز نے دل چھین لیا[1]

شاعر جذبۂ فنا فی الرسول سے سرشار ہے۔ وہ طاعت رسول کسی حرص و ہوس کی وجہ سے نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ایک بے لوث عاشق کی طرح آپ کا شیدائی ہے ——!

مجھ کو ہے میرے احمد مختار سے مطلب
جس طرح غلاموں کو ہے سرکار سے مطلب

معراج میں اللہ ہو اجس کا فدائی
مجھ کو ہے اسی یار وفادار سے مطلب

جب سے ہے نظر میں نگہ ناز محمدؐ
خنجر سے مجھے کام نہ تلوار سے مطلب

شائق نے معراج پر کئی نظمیں لکھی ہیں لیکن ان کے یہاں معراج ایک واقعہ

---

[1] کلیات شائق۔ صفحہ ۸۸

کی شکل میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ محبت کے والہانہ اظہار کی ایک صورت ہے جس نے عاشقی کی نگاہ میں معشوق کی رعنائی نئے روپ رنگ میں دکھلائی ہے انھوں نے احمد بلا میم، براق، رفرف، قاب قوسین، دنی فتدلی، تلمیحات و آیات قرآنی بھی جمع کی ہیں لیکن شائق کے یہاں یہ سب چیزیں عاشق کے جذبات شیفتگی میں اضافہ کرتی ہیں۔

احمد جو احد کے مقابل ہو شب معراج — جو میم ہے وہ ہے خط باطل شب معراج
طرفین میں تھی شوق لقا حد سے زیادہ — طے دم میں ہوئی دور کی منزل شب معراج
آنکھوں میں ہیں پردے تو ہے پردے میں بصیرت — اللہ سے ایسے ہوئے واصل شب معراج
وہ حسن محمدؐ، وہ براق اور وہ صورت — ہر ایک کی طبیعت ہوئی مائل شب معراج
مجنوں ہوئے سب دیکھ کے سرکار کی عظمت — رفرف جو بنا آپ کا محمل شب معراج
ہے صاف تشہد میں علینا کا اشارہ — شب لوگ بشر کے ہوئے قائل شب معراج
کس منھ سے کہوں میں کہ خدا خوب ہے واقف — کیا کچھ ملے حضرت کو وسائل شب معراج
خط نقطۂ وحدت پہ کھینچا گم ہوا نقطہ — کیا ذات و صفت ہو گئے اک دل شب معراج
قدسی تھے فدا حور و ملائک بھی فدا تھے — سب لوگ بشر کے ہوئے قائل شب معراج[1]

ایک دوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آجائے نظر نزع میں گر روئے محمدؐ — دم تن سے نکلتے ہی رہے سوئے محمدؐ
اختر ہو مہ نو ہو کہ ہو بدر فلک پر — یہ حال یہ عارض ہے یہ ابروئے محمدؐ
وہ حشر میں بن ٹھن کے چلا دست خدا کا — تو انگلیاں اٹھنے لگیں پھر سوئے محمدؐ
ہے مردمک چشم میں معراج کا عقدہ — قوسین کا اک رمز ہے ابروئے محمدؐ[2]

شائق بانیٔ اسلام کے اوصاف کے تذکرہ میں بھی تغزل کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

---

[1] ۔ کلیات شائق ۔ صفحہ ۱۱۸

[2] ۔ کلیات شائق ۔ صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳

رو کے میں نے یہ کہا کہ اے جوان عربی و ہاشمی و مطلبی شہر مدینہ کا ہے شاہ
حسن اس چاند کا ہے سب سے نرالا وہی گیسو والا کہ خدا جچتی ہے خوب بہار
نام اس پیارے کا احمد ہے محمد بھی ہے محمود بھی حامد بھی ہے سرور رسل شان الٰہ
کملی والا کوئی کہتا ہے کوئی جان جہاں راحت جان شاہ زمن نور درخشاں بہار[1]

شائق کے نعتیہ کلام کے ایک سقم کی طرف ماقبل میں اشارہ کیا جا چکا ہے یعنی تراکیب کی ناہمواری اور "الفاظ کا اکھڑا پن" ان کی نعتیہ شاعری کا دوسرا سقم یہ ہے کہ انھوں نے بانیٔ اسلام کی شان اقدس میں وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو دنیوی معشوق کے لئے تو درست ہیں۔ لیکن اس حبیب خدا کے لئے، جو باعث تخلیق کائنات ہے اور جو خدا کے بعد بزرگ ترین ہے۔ ناروا ہیں۔ دور شیفتگی میں شاعر کے شعور کی گرفت اسقدر ڈھیلی ہو جاتی ہے کہ وہ بانیٔ اسلام کے لئے زلف، سبزہ خط، دکر یا، پیارے، یار، سجن، طرح دار، بانکے، مست، متوالی ادا، نظر لڑنا، آنکھ لڑنا وغیرہ الفاظ استعمال کر جاتا ہے۔ دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

نزع میں وصل یار ہونا تھا — اس خزاں میں بہار ہونا تھا
یاد آئی مجھے نگاہ نبی — تیر یہ دل کے پار ہونا تھا[2]

اردو نعت گوئی کی تاریخ میں شائق کا نام ان کی ٹھمریوں کی وجہ سے زندہ رہیگا ٹھمری ایک قسم کا چھوٹا گیت یا دوسرے لفظوں میں دو بولوں کا گیت ہے۔ وہ عورت کے جذبۂ شیفتگی کا برملا اظہار ہے اور اس میں عورت سماج کے لئے ایک علامت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ گیت کا امتیازی عنصر یہ ہے کہ وہ ماں، زمین، اور معاشرے کے بطن سے پیدا ہوئے رجحان کا علم بردار ہے۔ وہ ایک ایسا جذبہ ہے جو جسم کے نغماتی زیر و بم میں وجد پیدا کرتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا کے لفظوں میں ——

---

[1] ۔ کلیات شائق صفحہ ۳۲۵ ۔

[2] ۔ اردو شاعری کا مزاج ۔ ڈاکٹر وزیر آغا صفحات ۱۸۹ ۔ ۱۹۰

"گیت محبت میں مبتلا ایک عورت کے دل کی پکار تو ہے لیکن جیسا کہ ہر صنف شعر کا قاعدہ ہے، گیت میں بھی بعض اوقات تذکیر و تانیث سے بے اعتنائی کی روش ابھری ہے۔ اور بعض اوقات اس نے مرد کی طرف سے اظہار محبت کی بھی صورت اختیار کی ہے لیکن اس سے گیت کا بنیادی مزاج ہرگز تبدیل نہیں ہوا۔ کیونکہ مرد کی طرف سے کہے گئے گیت بھی نسوانیت کے لہجے محبت کے ارضی پہلو اور سراپا نگاری کے ایک واضح میلان ہی کو سامنے لائے ہیں۔"[1]

ٹھمری خالص ہندوستانی چیز ہے۔ شائق کی نعتیہ ٹھمریوں میں ہندوستانی فضا پوری طرح چھائی ہوئی ہے۔ اور عورت کے جذبات وصل اور جذبات فراق دونوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ نمونہ کے طور پر دو نعتیہ ٹھمریاں ملاحظہ ہوں۔

تہارو چرن کی ہے آس رے ساجن — مجھ بے کس کو

نینا لڑا کے دکھ میں پڑی ہوں — پیت نہ آئی راس رے ساجن — مجھ بے کس کو

برہ دیوانی کو در نہ چھانڈو — پاس بلا لو پاس رے ساجن — مجھ بے کس کو

نرنگ رچو ہے ہر جا میرا — پھولن پھولن باس رے ساجن — مجھ بے کس کو

میم کی تپلی مل کے احمد سے — چڑھ گئی ساتوں اکاس رے ساجن — مجھ بے کس کو

ہندی کے سیکڑ شیریں رواں دواں الفاظ کلام کی دلاویزی میں اضافہ کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل نعتیہ ٹھمری میں جذبات و الفاظ کی ہم آہنگی قابل داد ہے۔

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

صورت تو دکھا دو پیاری — میں جان کو اپنے واری — ہے آس چرن تہاری

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

طیبہ کی وہ پیاری بستی — رحمت وہاں پر برستی — دیکھن کو نین ترستی

سرکار مدینے والے سرکار مدینے والے

اردو شاعری کا مزاج۔ ڈاکٹر وزیر آغا صفحات ۱۸۹ — ۱۹۰

شائق کے یہاں جہاں کہیں والہانہ شیفتگی عشق کا روپ دھار لیتی ہے وہاں ان کی نعتوں میں وہی درد، وہی بے چینی اور وہی کرب محسوس ہوتا ہے جو ایک بے کس، بے بس برہ کی آگ میں جلنے والی عورت محسوس کرتی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک ٹھمری ملاحظہ ہو۔

پاپ کی نیا ڈوب رہی ہے — تہارے کرم سے ترانا

ہند نگر میں ترپوں کب تک — اپنا نگر دکھلا جانا

گھونگھٹ پٹ چینو جلوہ کینو — روپ دکھاؤ سہانا

ہائے وہ سبھ دن آئیگا کس دن — تہاری گلی ہو ٹھکانا[1]

صحو ابو العلائی

آغا محمد داؤد ابو العلائی کا تخلص صحو تھا۔ آپ کی ولادت ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء میں ہوئی آپ کو تصوف میں کافی دخل تھا۔ آپ کا شمار حیدر آباد کے مشہور صوفیائے کبار میں ہوتا تھا۔ حیدر آباد میں آپ کی ذات بابرکات مرجع خلائق بنی ہوئی تھی۔ آپ نے ۱۳۶۴ھ ۱۹۰۶ء میں داعی اجل کو لبیک کہا حیدر آباد میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔ اور ہر سال بڑے تزک و احتشام کے ساتھ عرس ہوتا ہے۔ آپ شعر و سخن سے اچھا ذوق رکھتے تھے۔ صحو کے کلام میں بہت آمد ہے واقعاتی زندگی میں آپ نے کبھی بھی بالقصد اشعار نہیں کہے بلکہ جب کبھی وجدانی دور سے پڑتے تھے، موزوں الفاظ بشکل اشعار آپ کی زبان سے خود بخود نکلنے لگتے تھے۔ آپ کا تمام کلام عرفان و تصور کے محور پر گردش کرتا نظر آتا ہے۔ آپ کا کلام زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔ دیوان میں (۲۵۸) غزلیں (۱۱) متفرق اشعار (۲) خمسے اور چند ٹھمریاں ہیں۔ سارے دیوان میں اضطراب بے تابی، بیقراری اور جذب و کیف کا دریا

---

[1] ۔ کلیات شائق ۔۔۔ صفحہ ۳۴۵

موجزن نظر آتا ہے۔ صحو کی نعتوں میں بانیٔ اسلام کا وصفی بیان کم ہے نعتوں میں نعتوں میں خلوص، عقیدت، شیفتگی نیاز مندی اور تڑپ محور ہے۔ شاعر کا عقیدہ ہے کہ کائنات کی تخلیق آپ ہی کے لئے ہوئی ہے۔ کائنات اور کائنات کا ہر ذرّہ اپنے وجود میں آپ ہی کا محتاج ہے۔ وفور شیفتگی میں جب وہ آپ کے تصور سے اپنے نہاں خانہ دل کو آباد کرتا ہے تو جذب و کیف اور سرمستی و سرشاری کی وجہ سے اس کی آنکھیں کھولنے سے بھی نہیں کھلتیں۔ نمونہ کے طور پر ایک نعت ملاحظہ ہو۔

محمدیہ ارض و سماں آپ کا ہے — قسم ہے خدا کی خدا آپ کا ہے
مقید کہوں گر تو مطلق ہیں حضرت — بتاؤں میں کیا جو پتہ آپ کا ہے
مرا دل سراپا ہے آئینہ خانہ — خدا کی قسم رونما آپ کا ہے
نہیں آنکھ کھولنے سے کھلتی ہے واللہ — یہ دل میں تصور بسا آپ کا ہے
سما سے سمک تک ہے آئینہ خانہ — دو عالم میں جلوہ عیاں آپ کا ہے
نہ موقوف نزدیک اور دور پر ہے — وصال اب مجھے تو عیاں آپ کا ہے
اسے ہر طرح سے بچانا محمدؐ — یہ صحو حزیں مدح خواں آپ کا ہے

شاعر کو حضور صلعم کے متعلقین و متعلقات سے والہانہ دلچسپی و عقیدت ہے۔ وہ مدینہ کے تصور سے بلبل شیدا بن جاتا ہے۔ اور اس تصور کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔ کلام میں جاری و ساری درود و کرب کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

بلو اے مدینہ میں جو سلطان مدینہ — کردوں گا دل و جان کو قربان مدینہ
دن رات تصور میں گزرتا ہے عجب کیا — شاید نظر آجائے بیابان مدینہ
بلبل کی طرح دل ہوا شیدا جو ہمارا — ہے پیش نظر میرے گلستان مدینہ

میم احمد کا مضمون ہر مقتدر شاعر کا محبوب مضمون رہا ہے۔ صحو کے یہاں میم احمد نے ایک عارفانہ رجحان پیدا کر لیا ہے۔ صرف ایک شعر ملاحظہ ہو۔

---

۱ - دیوان صحو - صفحات ۷۳-۷۴
۲ - دیوان صحو - " - ۶۴-۶۵

پردہ میم میں چھپے ہیں حضور — ہم سے نزدیک ہیں نہیں کچھ دور[1]

صحو کی نعتیہ غزلوں کی سلاست، روانی شیرینی، بے ساختگی اور سپردگی، میر کی روانی اور سادگی یاد تازہ کرتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں نے کلام میں غنایت پیدا کر دی ہے۔ دقیق عارفانہ خیالات صاف سادہ زبان اور عام فہم لہجہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

جو قطرہ تھا دریا میں آکر سمایا — دوئی کا یکایک جو پردہ اٹھایا
کرو شمع روشن نہ مرقد پہ میرے — کہ شمع رسالت سے دل پُر ضیا ہے
لگی آگ عشق پیمبر کی ایسی — جو تھا ماسوا سب کا جل گیا ہے
جدا تن سے سر ہو تو قدموں پہ دھر لو — خوشی مجھ کو حاصل ہے پھر عذر کیا ہے
اگر دل ہے بیمار اے صحوؔ جاؤ — مدینہ تمہارا تو دار الشفا ہے[2]

"محمد" کی ردیف میں کہی گئی ایک نعت بحر اسی بحر میں ہے۔ لائق داد ہے۔ شاعر نے "لولاک لما خلقت الافلاک" کے مفہوم کو انتہائی سادگی سے نظم کیا ہے۔ پوری نعت میں بلا کا تغزل ہے۔ صحوؔ نے خیال محمدؐ کو خیال خدا کہا ہے۔ خدا نے خود ہی کلام پاک میں "وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ" میں رمی محمد کو رمی اللہ کہا ہے۔ صحو کی اس نعت میں مفہوم کی تازگی اور بلاغت و ندرت کی شادابی ملاحظہ ہو۔

مرا دل ہے محو جمال محمدؐ — وصال خدا ہے وصال محمدؐ
یہی کہہ رہا ہے مرا دل عزیزو — خیال خدا ہے خیال محمدؐ
ہوا جس کے باعث دو عالم ہے پیدا — بیاں ہم کریں کیا کمال محمدؐ
نہ تھے جن و انساں زمین آسماں جب — ہوا ہے ظہور جمال محمدؐ
دل مردہ ہوتے ہیں اک دم میں زندہ — ہے معجز بیاں کیا مقال محمدؐ
ہوا دل میں اے صحوؔ سودا جو دل سے — فدائے محمدؐ و آل محمدؐ

---

۱ - دیوان صحو - صفحہ ۳۶
۲ - دیوان صحو - صفحہ ۷۲
۳ - دیوان صحو - صفحہ ۳۳

یہ ایک مسلّم حقیقت ہے۔ کہ جذبات کا وفور انسانی زبان کو گنگ کر دیتا ہے۔ زبان خواہ کتنی ہی بلیغ و فصیح کیوں نہ ہو، دل کی مکمل ترجمانی نہیں کر پاتی ــــ کیونکہ ادراکات و احساسات کا تعلق دل سے ہے اور ابلاغ و اظہار کا تعلق زبان سے۔ ترجمہ کتنا ہی موزوں و متناسب کیوں نہ ہو اصل کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ کبھی کبھی جذبات اتنے لطیف، مہذّب، مجلّیٰ اور مصفّیٰ ہوتے ہیں کہ الفاظ کی دنیا اپنی بیکراں وسعت کے باوجود ان کے تعبیر و ادا میں تنگ بداماں نظر آتی ہے۔ صحو کو زبان کی تنگ دامانی اور پریشانی کا احساس ہے۔ و نور شیفتگی کے اظہار کے لئے زبان کے پاس سرمایہ نہیں اور دل واردات و کوائف کے انکشاف و ابلاغ پر مصر اسی کشاکش قلب و نہاں کو صحو کی زبان سے سماعت فرمائیں۔

کس منہ سے ہو بیاں بھلا شوق آپ کا ۔۔۔ پھر کیا کہوں میں دل کو یہ دل جانتا نہیں [1]

منشی محمد شمس الدین امیر حمزہ

حمزہ تخلص نام محمد شمس الدین ۵ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ ۲ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔ حیدرآباد کے نانڈیڑ ضلع کو انکی جائے ولادت ہونے کا فخر حاصل ہے۔ آپ کے والد محمد سالار المتخلص بہ غیور اپنے زمانے کے مشہور عالم اور شاعر تھے۔ آپ نسبی اعتبار سے فاروقی تھے۔ گھر پر ہر وقت شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا۔ اس کا اثر حمزہ پر پڑا اور وہ بچپن ہی سے شاعری کرنے لگے۔ پہلے والد سے اصلاح لیتے تھے بعد میں باقاعدہ مظفر الدین مظفرؔ کے شاگرد ہو گئے۔

حمزہ صاحب تصنیف و تالیف تھے۔ ان کی تصانیف میں "روضۂ شہید" ــ "مکاشفات سروری" "تاریخ کولاس" "تاریخ قندھار" "سحر سامری" (ڈرامہ) ــ

[1] ۔ دیوان ضحو ــــ صفحہ ۱۰۲

"غنچۂ دلبری" (ڈرامہ) "ساحر سبحا" (ڈرامہ) اور "چمنستان حمزہ" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے عمر کے آخری حصّہ میں دنیا سے اپنے علائق منقطع کر لئے تھے۔ اور سارا وقت دینی شاغل میں صرف کرتے تھے۔ وہ نعت گوئی کو اخروی نجات کا ذریعہ سمجھنے لگے تھے۔ چنانچہ وہ خود ایک نعت میں کہتے ہیں۔

نعت احمد میں جو گذرے وہ غنیمت ہے دم ۔۔۔ ہاں خبردار کہ اب عمر کا وقفہ ہے کم
احمد پاک کی تعریف کیا کر حمزہ ۔۔۔ ہے یہی نعت نبی زاد راہ ملک عدم [1]

وہ ایک دوسری نعتیہ کاوش میں یوں گرم سخن ہیں۔

نعت گوئی میں شہرت جو پائی ہے ۔۔۔ دین و دنیا کی اس میں بھلائی ہے

آپ کی وفات ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء میں ہوئی۔ "چمنستان حمزہ" آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جو حمد و نعت و منقبت و مدح عبدالقادر جیلانیؒ، مدح خواجہ معین الدین چشتیؒ غزلیات قصائد، مراثی، مناجات اور چند ٹھمریوں پر مشتمل ہے دیوان میں ایک نظم سحری پر ایک نعتیہ مثلث اور بانیٔ اسلام کے سراپا پر ایک مسدّس بھی شامل ہے۔

حمزہ نے اپنی نعتیہ کاوشوں میں صوتی اتار چڑھاؤ۔ الفاظ کے رکھ رکھاؤ، نرم و شستہ تراکیب اور شیریں بحر کے ذریعہ بلا کی غنایت پیدا کی ہے۔ ایک نعت کے چند اشعار بطور نمونہ ذیل میں رقم کئے جا رہے ہیں۔

آنکھ میں شکل بنی دل میں مکاں مصطفےٰ ۔۔۔ اس میں شان مصطفےٰ اس میں نشان مصطفےٰ [2]
خارج از فہم بشر ہے عز و شان مصطفےٰ ۔۔۔ جز خدا کوئی نہیں ہے رتبہ دان مصطفےٰ
سہل ہو جائے میری شوریدہ بختی کا علاج ۔۔۔ گر کرم فرمائے سنگ آستان مصطفےٰ
عشق محبوب خدا کی رہنمائی دل نے کی ۔۔۔ مل گیا اللہ کے گھر سے نشان مصطفےٰ
اس قدر محو تصوّر ہوں کہ جب لیتا ہوں سانس ۔۔۔ آتی ہے مجھ کو ہوائے بوستان مصطفےٰ [3]

[1] ۔ چمنستان حمزہ صفحہ ۱۹۴

[2] ۔ چمنستان حمزہ صفحہ ۳ مطبع اعظم جاہی شاہ علی بندہ حیدرآباد، رجب ۱۳۴۲ھ

ذات رسول کے عشق نے حمزہ کے کلام میں ایک والہانہ پن پیدا کر دیا ہے نعت رسولؐ میں زمزمہ سنجی کی وجہ سے وہ اپنے کو ہم صفیر جبرئیل سمجھتا ہے۔ اور اس ضمن پر اس نے کئی مقامات پر بہت دلکش اور لطیف تعلیاں کی ہیں۔ اس کو اپنے انداز بیان پر اتنا زبردست قابو ہے کہ وہ اپنی نعتیہ کاوشوں میں کہیں پر جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹتا۔

ایک نعت سے نمونتہً درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ [1] (کذا)

رحمت بلائیں لے گی شفاعت کریگی پیار — دیکھے گی خلق شان گنہگار مصطفےٰ
ہے صفیر بلبل صدرہ تو کیوں حمزہ بنے — کر دیا ہے اس کو حق نے مدح خوان مصطفےٰ
بیخودی نے دیکھا اللہ تک پہونچا دیا — ڈھونڈنے نکلے تھے ہم گھر سے شان مصطفےٰ

حمزہ نے قصیدوں کی تشبیب میں کہیں موسم بہار اور کہیں بے ثباتی زمانہ کے مضامین نظم کئے ہیں۔ انھوں نے طویل اور قصیدہ دونوں قسم کی بحروں میں طبع آزمائی کر کے علم و عروض میں فنی دسترس کے ثبوت دیئے ہیں۔ اس کے ایک قصیدے کا مطلع ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

للہ الحمد یہ وہ روز ہے فیروز کہ نوروز سے بڑھ کر طرب اندوز دل افروز ہے ساماں بہار
عشرت انگیز بصد گونہ دل آویز ہے، نوخیز ہے گلریز ہے ہر شاخ گلستان بہار [2]

حمزہ کو ڈرامہ کے فن اور تکنیک پر جیسا کہ ان کے ڈراموں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کافی عبور تھا۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں بھی ڈرامائی رنگ پیدا کیا ہے۔ الفاظ کا استعمال، تراکیب کی چستی اور صوتی آہنگ ڈرامائی ایکشن پیدا کر دیتے ہیں۔ ایک نعت کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

جھوم جھوم آئی ہے بادبہاری — وہ جھوم جھوم آئی ہے بادبہاری
بزم میلاد ہے میرے نبی کی — سیج پھولوں کی ساری وہ کرے تیاری
جھوم جھوم آئی [3]

---

[1] چمنستان حمزہ صفحہ ۳۰ — [2] کتابت کی سہو معلوم ہوتی ہے کیونکہ قوافی "فشاں" "آستاں" "بوستاں" وغیرہ ہیں۔ راقم — [3] چمنستان حمزہ صفحہ ۱۸۹

ایک دوسری نعت کے اقتباس میں یہی رنگ ملاحظہ فرمائیں۔

جاکے جھومتے جھامتے بادبہاری — لاوے طیبہ کی گرد اچھال کے
سرمہ بصیرت اس کو سمجھ کے — رکھوں نینوں میں اپنے سنبھال کے
عشق احمد نے مرے دل میں جو کھائے ہیں داغ — انہیں داغوں سے مرا دل ہے بنا خانہ باغ
کیا بگاڑیں گے بھلا آکے صبا کے جھونکے — گل نہوں گے کبھی تا حشر مرے گھر کے چراغ [1]

شمس الدین حمزہ کے نعتیہ گیت فنی نقطۂ نگاہ سے وسیع اہمیت کے مالک ہیں۔ حمزہ کے گیتوں میں سادگی، شیرینی، روانی اور مٹھاس ہے۔ انھوں نے یہ کام ہندی کے سبک شیریں الفاظ سے زیادہ لیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

بھر میں آٹھوں پہر بسو ہے تمھاری — پتوں کملیا والے
انوکھا سج دھج نوکھی ادائیں رسیلی آنکھیں کملیا والے [2]

مضامین اور الفاظ کی ہم آہنگی اور اس کی اثر آفرینی کے نکتہ شناس ہونے کی وجہ سے حمزہ نے مشکل زمینوں سے لطیف و دلآویز مضامین نکالے ہیں۔ ایک نعت کے چند اشعار، جس کی ردیف تعریف اور بہتر "دل پر" اور "اندر" وغیرہ قوافی ہیں ملاحظہ ہو

نام احمد کا لکھا ہے مرے دل پر تعویذ — اس سے دنیا میں بتا دے کوئی بہتر تعویذ [3]
دل میں ہے ذکر نبی ورد زباں نام نبی — میرے لب پر بھی ہے اور دل کے اندر بھی تعویذ

حمزہ نے شائق سے متاثر ہو کر کئی اچھی ٹھمریاں کہی ہیں۔ ٹھمری میں مقامی فضا کا استیلا ہوتا ہے۔ اور اس کی اوصنیت دلکشی اور جاذبیت رکھتی ہے۔ ٹھمری میں بلا کی داخلیت ہوتی ہے۔ اس پر "از دل خیزد، بر دل ریزد" والی بات مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ اس میں عورت اپنے واردات قلبی کو ہلکی پھلکی صاف سادا زبان میں بیان کرتی ہے لیکن مردوں نے عورت کے جذبات کی عکاسی کر کے عورت

---

[1] چمنستان حمزہ۔ صفحہ ۱۹۳
[2] چمنستان حمزہ۔ صفحہ ۲۱۵
[3] چمنستان حمزہ۔ صفحہ 19

کی نفسیات پر اپنے عبور کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ ایک ٹھمری ملاحظہ ہو۔

نبی جی کی کھائیں جب میں دنیا میں آئی پردہ نزدیک مجھ کو بلاتے نہیں
میں نے کیا کی برائی ان سے دل جو لگائیں کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں

تپیت کلیجہ بیتی رتیاں نیند اچٹ گئی رائے،
پلک پلک سے ناہیں ملیں اور نین جلیں پر درشن نہ پائے
سکھی تم ہی بتاؤ کب ہوگا تمھارا کس سے بولوں ملاؤں
وہ تو آتے نہیں اور بلاتے نہیں کوئی دنیا میں کیا دل لگاتے نہیں [1]

معلّیؔ

آپ کا نام محمد مظفر الدین اور معلّیؔ تخلص ہے۔ آپ کے اجداد نے عالم گیر کے عہد میں دکن آکر سکونت اختیار کر لی تھی۔ معلّیؔ یہیں ۹ ذیقعدہ ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۸۴۰ء بروز سہ شنبہ احمد پور ضلع میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا معین الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ نے تعلیم کا آغاز والد بزرگوار سے کیا اور سند فراغت حیدرآباد جاکر وہاں کے مشہور علماء سے حاصل کی۔ آپ نے ملازمت کا آغاز سررشتہ مال سے کیا۔ اور ترقی کرتے کرتے مدد گار ناظم پٹہ خانجات ہو کر وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر و شاعری کرتے تھے۔ شعر و سخن میں آپ کے استاد مشہور شاعر حیدر ابن شیخ حفیظ تھے۔ حیدر اپنے عہد کے دکن ہی کے نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے نامور اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ صوم و صلوٰۃ کے پابند متشرع قسم کے آدمی تھے۔ آپ تین بار زیارت بیت اللہ

[1] ۔ چمنستان سخن صفحہ ۱۳۶

اور چار بار زیارت مدینہ منورہ سے مشرف ہوئے۔ آپ نے ۲۶ شوال ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۵ جولائی ۱۹۱۶ء بروز چہار شنبہ (شب پنجشنبہ کو) اس دنیا سے کوچ کیا۔

معلّیؔ حیدرآباد کے اساتذہ سخن میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی دولت خانہ پر شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے شاگردوں میں مہاراجہ کشن پرشاد اور شاد بھی شامل تھے۔

معلّیؔ کو سرور کائنات صلعم سے والہانہ شیفتگی اور بیکراں عقیدت تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی کا ماحصل مدح رسول بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے انھوں نے دو نعتیہ دیوان مرتب کئے تھے۔ جو موسیٰ ندی کی طغیانی میں ضائع ہو گئے۔ وہ مدح نبی میں لذت محسوس کرتے تھے۔ اور اس کو بمنزلہ وظیفہ شمار کرتے تھے۔

اے معلّیؔ کبھی نعتیہ اشعار کو چھوڑ کامنی ہے ورد نبی بارہ مہینے تجھ کو [1]

نہ پایا معلّیؔ نے جز نعت ذوق بہت سلک مضمون پر دیا کیا [2]

حضور صلعم کائنات میں سب سے افضل اور ذات باری کے محبوب ہیں۔ آپ کی کما حقہ توصیف ممکن نہیں۔ مدح تو اس کی کی جا سکتی ہے جس سے مادح (تعارف کرنے والا) واقف ہو۔ حضور صلعم کی ذات و الاصفات میں اتنی استیعابیت ہے کہ عمر بھر گذار کر بھی حیات طیبہ کے کسی ایک گوشے کی ماہیت سے روشناس ہو جانا متعذر بلکہ ناممکن ہے۔ معلّیؔ نے اس میدان میں اپنے عجز بیانی کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

وصف رسول پاک کریں کس زباں سے ہم لائق زبان حضرت باری کہاں سے ہم [3]

اللہ کے حبیب کا کیا وصف کر سکیں طاقت کہاں ہمارے دل ناتواں میں ہے [4]

---

[1] ۔ ریاض معلّیؔ ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۳۱
[2] ۔ ریاض معلّیؔ ۔ حصہ اول صفحہ ۱۲
[3] ۔ ریاض معلّیؔ ۔ صفحہ ۲۷ [4] ۔ ریاض معلّیؔ صفحہ ۶۴

حضرت معلّیٰ کو بارگاہ رسالت سے شرف باریابی حاصل ہوا تھا۔ معلّیٰ کے پسر ارجمند مولوی محمد ریاض الدین علی ریاض مرتب ریاض معلّیٰ نے دیوان کے دیباچہ میں اپنے والد بزرگوار کے اس خواب کا تذکرہ کیا ہے جس میں وہ بارگاہ رسالت سے باریاب ہوئے تھے مختصر سا اقتباس ملاحظہ ہو۔

«دربار رسالت معلّیٰ کے سامنے ہے حضور صلعم مسند پر جلوہ افروز ہیں اور شہید حزیں اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں حضور صلعم نے فرمایا سخن کا سراپا سنا تو بہت اچھا ہے۔»[1]

ایک مقام پر معلّیٰ خود فرماتے ہیں۔

مجھے بھی طالع بیدار نے واں تک جو پہونچایا — معلّیٰ کیا بتاؤں کچھ نہ پوچھو فضل یزداں کا[2]

معلّیٰ کا دیوان مرتبہ ۱۳۴۰ھ تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں نعتیہ کلام شامل ہے۔ دوسرے حصہ میں عشقیہ و مدحیہ کلام کے ساتھ قطعات و مناجات وغیرہ ہیں تیسرا حصہ فارسی کلام کا مجموعہ ہے۔ معلّیٰ کے نعتیہ کلام میں منقبتیں بھی شامل ہیں ان کو حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص عقیدت تھی۔ انھوں نے ایک مثنوی عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مدحت سرائی میں ساقی نامہ کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ اکثر جگہ آپ کی مدح میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

جذبہ کی صداقت اور عقیدت و شیفتگی کے خلوص کے بغیر کوئی شاعر کسی بھی صنف میں شادابی و رعنائی پیدا نہیں کر سکتا۔ فن کے کسی بھی شعبہ میں دلاویزی اور اثر آفرینی اس وقت آتی ہے جب کہ ارباب فن اس میں خون جگر کی آمیزش کرتے ہیں۔ اقبال نے بالکل درست کہا ہے۔

---

[1] ۔ دیباچہ ریاض معلّیٰ : مرتب مولوی محمد ریاض الدین علی ریاض ۔

[2] ۔ ریاض معلّیٰ ۔ حصہ اول ۔ مرتب ریاض ۔ صفحہ ۸

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر — نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر[1]

معلّیٰ نے اپنی نعتیہ کاوشوں کو خون جگر کی آمیزش سے دلاویز بنایا ہے۔ وہ اسی وقت نعتیں کہتے تھے جب کہ بانی اسلام سے قلبی علاقہ، عشق کی شیفتگی اور عقیدت کا خلوص ان سے شعر کہلواتا تھا۔ اسی لئے ان کی نعتوں میں واردات قلبی و کوائف ذہنی کا شاعرانہ اظہار ہے پاس عقیدت اور روح مذہب سے روشناسی شاعر کو جادۂ اعتدال سے بہکنے نہیں دیتی۔ شاعر کو راہ کی دشواری اور اس میں اپنی کامرانی کا خود بھی احساس تھا۔

دل نے جو کوہ نعت شہ دیں اٹھایا — کیا حوصلہ بلند ہے اس برگ کاہ کا[2]

عرش بریں ہے طبع معلّیٰ کا ہے دماغ — جب سے وہ مدح خوان شہ دوسرا ہوا[3]

تضمین کہنا ایک مشکل فن ہے۔ ماہرین شعراء ہی ان میں آمد کا سماں باندھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ تضمین میں دوسرے کے خیال میں اپنے خیال کی پیوندکاری کی جاتی ہے۔ معلّیٰ نے اس شعبہ میں بھی اپنی فنی حذاقت کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ ریاض معلّیٰ سے ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

منبع بخشش کے بھرے آپ میں سارے ہیں صفات
سب کو ہے آپ کی ہی ذات سے امید نجات
کیجئے رحم غریبوں پہ کچھ اے مظہر ذات
ماہمہ تشنہ لبانیم و تو ئی آب حیات
لطف فرما کہ تو ہی گزرد تشنہ لبی

بانی اسلام کے اوصاف کا بیان شعراء کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ شاعر نے۔

---

[1] ۔ کلیات اقبال مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ایڈیشن ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۰۱

[2] ۔ ریاض معلّیٰ ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۱۲

[3] ۔ ریاض معلّیٰ ۔ حصہ اول ۔ صفحہ ۱۵

حضور صلعم کا سراپا بھی بیان کیا ہے لیکن اس نے سراپا نگاری میں بانی اسلام کے اعضائے مبارکہ میں سے ہر عضو سے اپنی عقیدت و شیفتگی کو کسی نہ کسی طرح منسلک کیا ہے۔ انھوں نے اوصاف کے بیان میں تلمیحات کا سہارا لے کر دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

دیکھی ہے جو شان رُخ زیبائے محمدؐ — جبریلِ امیں کیوں نہ ہوں شیدائے محمدؐ
ہے عرش بریں فرش تہ پائے محمدؐ — کیوں فخر سے چومے نہ قدم ہائے محمدؐ
ہے آنکھوں میں اور دل میں مرے جائے محمدؐ — سینہ ہے مرا مسکن و ماوائے محمدؐ
پروانہ شمع رُخ زیبائے نبی ہوں — کیوں مجھ کو نہ ہو خواہش و پروائے محمدؐ
قرآں میں جو آیا ہے بیان قاب و قوسین — ادنیٰ ہے مقام شرف افزائے محمدؐ
حاصل ہو انھیں سرمۂ مازاغ کہاں سے — آنکھیں ہوں مری کیسے شناسائے محمدؐ
ہے گوا دہن حلقہ بالام دو زلفیں — اللہ کا الف ہے قد بالائے محمدؐ
ہے کعبہ مقصود معلّیٰ کا مدینہ — اس کے دل پرشوق میں ہے جائے محمدؐ

ایک دوسری نعت میں خالص وصفی اظہار ملاحظہ ہو۔

دل بستہ گیسوئے رسولِ عربی ہے — جاں شیفتۂ موئے رسولِ عربی ہے
پوچھے جو کوئی کعبہ مقصود ہمارا — طاق خم ابروئے رسولِ عربی ہے
رشک سہی و غیرت سرو چمن غلط — زیبا قد دل جوئے رسولِ عربی ہے
انوار تجلائے خداوند جہاں سے — روشن رُخ نیکوئے رسولِ عربی ہے
جس نور کے پرتو سے ہے سب دہر منور — پرتو رخ دوئے رسولِ عربی ہے[1]

شاعر نے تلمیحات کے سلسلے میں کلام باری سے بے پناہ فائدہ اٹھایا ہے جس سے نعتیہ سرمایہ کی افادیت و رونق میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ معلّیٰ کی مختلف نعتوں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] ۔ ریاض معلّیٰ ۔ صفحہ ۳۷

جو آیا ہے فقلنا کن لہٗ مضمون قرآں میں[1] — بیاں حال و صف صفت چالاکی رستی ہے

بیان فاتبعونی میں یہ حجت مسلّم ہے[2] — کہ طاعت احمد مرسل کی عین حق پرستی ہے

ما ینطق عن الھویٰ الّا دلیل ہے[3] — ناطق تھی وحی حق سے یہی گفتار مصطفیٰ

مارمیت اذرمیت میں جو معنی ہیں عیاں[4] — کیا کوئی سمجھے جو ہے سرِ نہاں مصطفیٰ

جان کو محو رضائے حق کیا اللہ نے[5] — انک لاتہدی کہہ کر امتحان مصطفیٰ

عشق کے دفتر میں عاشق معشوق کے متعلقات و منسلکات سے والہانہ عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ معلّیٰ نے مدینہ کے اوصاف میں جو نعتیں کہی ہیں۔ وہ عقیدہ کی طہارت جذبہ کی نظافت اور تخیل کی رعنائی کی وجہ سے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اللہ رے تاثیر تولائے مدینہ — ہر داغ جگر ہے گل صحرائے مدینہ
جب دل سے بنا والہ و شیدائے مدینہ — کہتا ہے مرا ہر بن مو ہائے مدینہ
غلماں ہیں غلاماں تو پرستار ہیں حوریں — جنت کا سراپا ہے سراپائے مدینہ
چشمان بصیرت سے نگر کر کے ملائک — رکھ لیتے ہیں آنکھوں پہ قدمہائے مدینہ
ہے سرمۂ چشم بشر و جن و ملائک — خاک قدم اقدس مولائے مدینہ

---

[1] ۔ ریاض معلّیٰ صفحہ ۴۳
[2] ۔ ریاض معلّیٰ صفحہ ۱۰
[3] ۔ ریاض معلّیٰ صفحہ ۱۰
[4] ۔ ریاض معلّیٰ صفحہ ۴
[5] ۔ ریاض معلّیٰ صفحہ ۲۱-۲۲

معلّی نے مدینہ کی تمنا میں جو نعتیں کہی ہیں وہ داخلیت، تڑپ، سوز و گداز اور اضطراب میں اپنی آپ مثال ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

حیف پھر جانا مدینہ کو ہمارا نہ ہوا — لذتِ دیدار میسّر وہ دوبارہ نہ ہوا
صدقہ ہونا نہ ہوا روضہ اقدس پہ نصیب — نجت کا آہ بلند اپنے ستارا نہ ہوا
کس طرح سے ہو مرا نخل تمنا سرسبز — حاصل اس گنبد خضرا کا نظارہ نہ ہوا
کچھ کمی عاشق مضطر نے تڑپنے میں نہ کی — مائل زخم جگر دل ہی تمہارا نہ ہوا
لاکھوں اچھے کئے بیمار مسیحا تم نے — لیکن اچھا دل بیمار ہمارا نہ ہوا
دل دیوانہ مرا کچھ نہ خیالی بن جائے — خواب میں کبھی دیدار دوبارہ نہ ہوا[1]

وفور عقیدت اور فروانیٔ جذبات میں معلّی کبھی کبھی جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ اور بیجا مبالغہ سے ان کی نعتیہ کاوش حقیقت نگاری سے دور ہو گئی ہے۔ معلّی کی ان نعتوں میں عبدیت و الوہیت مدغم نظر آتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان نعتیہ اشعار کا انتخاب کر لیجئے جہاں نعلین شریفین سے وابستگی کی بنا پر مدینہ کو عرش سے برتر بتلایا گیا ہے۔

یہ حاملِ اقدام ہے وہ حاملِ نعلین — کیوں عرش سے رتبہ میں نہ بڑھ جائے مدینہ
ہو رشک دل عرش بریں کو بھی معلّی — رنگ اپنی حقیقت کا جو دکھلائے مدینہ[2]

شاعر نے میلادِ نبوی کے ضمن میں میم احمد کا مضمون نظم کیا ہے جس سے کلام کی دلاویزی و رعنائی بے مثال ہو گئی ہے۔ لیکن یہاں بھی کلام جادہ شرع سے ہٹ گیا ہے۔

شاہِ رسل کا شہرۂ آفاق جہاں میں ہے — بے مثل و بے نظیر جو کون و مکاں میں ہے
ظاہر میں گرچہ احمد بے میم ہے لقب — کیا جانے کوئی کون وہ سر نہاں میں ہے
دیتی خبر ہے اور ہی کچھ شان میمیت — ہر چند وہ بصورت انساں جہاں میں ہے

۱۔ ریاض معلّی صفحہ ۱۵
۲۔ ریاض معلّی صفحہ ۳۳

مضمون جس کی مدحت خلق عظیم کا — آیا کلام پاک خدائے جہاں میں ہے
شان احد کا آئینہ ہے حسن احمدی — انسان حجاب میم کے باعث گماں میں ہے

مذہبیات میں اعمال کا دارومدار ارادہ کے خلوص پر ہوتا ہے۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا تھا۔ "انما الاعمال بالنیات" وقیع سے وقیع عمل اگر دکھاوے نام نمود اور دوسروں کی نگاہوں میں اپنے کو بڑا دکھانے کے لئے کیا جائے تو وہ بے وقعت ہے۔ صرف ایک عمل مستثنیات میں ہے اور وہ ہے ورد درود شریف۔ شاعر نے ایک نعت درود شریف کی فضیلت پر کہی ہے۔ جو زبان کی روانی، سادگی اور سلاست کی وجہ سے دلاویز ہے۔ ملاحظہ ہو۔

منبع فضل کبریا ہے درود — معدن رحمت خدا ہے درود
نہیں کوئی درود سے بڑھ کر — مظہر فیض مصطفےٰ ہے درود
کنت کنزاً کا راز مخفی ہے — مخزن لطف و اتقا ہے درود
کیوں نہ ہو یاد رات دن اسکی — دل عاشق کا مدعا ہے درود
اے مریضانِ عشق مصطفوی — ہر مرض کے لئے شفا ہے درود
خوف خورشید حشر کا کیا ہو — اپنا محشر میں آسرا ہے درود
نور پھیلا ہے اس کا عالم میں — روشنی شمع کی ضیا ہے درود[3]

مولوی سیّد احمد حسین امجد

آپ کے والد رحیم علی کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب کہ آپ عالم طفولیت

۱۔ ریاض معلّی ۔ صفحہ ۶۴
۲۔ مشکوٰۃ المصابیح ۔ صفحہ ۱۱
۳۔ ریاض معلّی ۔ صفحات ۔ ۳۲ ۔ ۳۳ ۔

میں تھے۔ امجد کے سن ولادت کا تعین نہیں کیا جا سکتا آپ نے مدرسہ دار العلوم میں تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی سے منشی کامل کا امتحان پاس کیا فلسفہ کا درس مولانا نادر الدین سے اخذ کیا۔ امجد کا عمار اکنبہ جو والدہ بیوی اور بچی پر مشتمل تھا ۱۳۲۶ھ کو رود موسیٰ کی طغیانی کی نذر ہو گیا۔ امجد کی زندگی پریشان حالی اور مالی دشواریوں میں بسر ہوئی۔ سلسلہ معاش میں اول مدرسہ دار العلوم سے وہ بحیثیت مدرس منسلک ہوئے بعد ازاں دفتر صدر محاسبی میں منتقل کر دیئے گئے۔ جہاں سے بعمر ۵۵ سال وظیفہ پر علیحدگی اختیار کر لی۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ دس بارہ برس کی عمر سے شاعری کرنے لگے تھے۔ امجد نے شعر و شاعری میں کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ ان کی مطبوعہ تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

رباعیات امجد حصہ اول، حصہ دوم، ریاض امجد حصہ اول و دوم، نذر امجد، خرقہ امجد، نخ امجد، حکایات امجد، پیام امجد، مکتوبات امجد، جمال امجد، گلستان امجد، میاں بیوی کی کہانی اور ایوب کی کہانی۔

حضرت امجد کی ہستی شعر و شاعری کی دنیا میں بہت اہم ہے۔ آپ ۔۔ ملک الشعراء کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا کلام شاعری جزو لیست از پیغمبری کا مصداق خارجی ہے۔ مولانا عبداللہ عمادی نے امجد کے متعلق رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر "مراج سخن میں شاہد معنی کو ہر جہت دیکھنا ہو تو رباعیات امجد کو دیکھئے"[1] امجد ادب برائے ادب کے نظریہ کے مخالف اور ادب برائے زندگی کے نظریہ کے حامی تھے۔ انھوں نے خرقہ امجد میں لکھا ہے کہ "نظم ہو یا نثر، تقریر ہو یا تحریر اس کا کچھ نہ کچھ حاصل ہونا چاہیئے۔ دینی یا دنیوی خود اپنے لئے یا غیر کے لئے"[2] وہ حزنیہ شاعری کو طربیہ شاعری سے اعلیٰ و افضل متصور کرتے تھے۔ انھوں نے ایک رباعی میں نظریہ محولہ بالا کو اس طرح پیش کیا ہے۔

[1] ۔ مراج سخن صفحہ ۳۳۸ ۔ مولانا عبداللہ عمادی۔

[2] ۔ خرقہ امجد ۔ صفحہ ۱۳ ۔ امجد

نغمہ کا ہے شوق لحن داؤد نہیں — اس طرز میں حمد کہ محمود نہیں
لازم ہے کہ آہ بھی لبوں سے نکلے — ایک واہ ہی شاعری کا مقصود نہیں[1]

امجد کی شاعری میں عارفانہ مسائل کو اساسی حیثیت حاصل ہے ان کی شاعری میں ہر جگہ حمد و نعت کے مضامین منتشر ہیں۔ ان کی شاعری کے اکثر عنوانات کلام مجید کی آیات کریمہ پر مبنی ہیں۔ انھوں نے سورہ فاتحہ کی آیات پر (۵) عنوانات قائم کئے ہیں نمونہ کے طور پر چند قرآنی عنوانات ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین
رحمتی وسعت کل شئی
انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال
اکرمکم عند اللہ اتقاکم
الحمد للہ رب العالمین
الرحمن الرحیم
مالک یوم الدین
ایاک نعبد وایاک نستعین
اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم
ولا الضالین وغیرہ۔

امجد نے الرحمن الرحیم کی تشریح میں حمد و نعت کے مدغم مضامین کو شعری جامہ پہنایا ہے۔ اور انھوں نے اس ضمن میں یہ مسلمہ واضح کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کے سب ہی قائل ہیں لیکن مسلم وہی ہے جو محمد الرسول اللہ کو نگین دل پر ثبت کرے۔

اللہ کا ایک وصف رحمن بھی ہے — بندوں کی اسی سے جان میں جان بھی ہے
رحمن محیط ماو طین ہے بالکل — واللہ سابقہ نہیں ہے بالکل
کونین میں فیض بخش عالم ہے یہی — رحمت کی طلب کا اسم اعظم ہے یہی

[1] ۔ خرقہ امجد صفحہ ۱۳، امجد

مطلق ظاہر ہوا مقید بن کر　　رحمت نازل ہوئی محمد بن کر
اسلام کا لطف کل نظر آئے گا　　رحمٰن ہی جب رحیم ہو جائیگا
تخصیص میں لطف ہوگا تعمیم کے بعد　　کوثر کا مزہ آئیگا تسنیم کے بعد
سب کے لئے لاالہ الا اللہ ہے　　مسلم کو محمد الرسول اللہ ہے [1]

امجد کو نعت نبی سے بے حد شغف تھا۔ انھوں نے محسن کاکوروی کے مشہور قصیدے پر جو تضمین کہی ہے، وہ ان کے اسی شغف کی مظہر ہے۔ اس تضمین میں موصوف نے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ دیوان حشر میں فرشتے انھیں مداحِ محمدؐ کہہ کر پکاریں۔

رہی مصروف فطرت رات دن نعت پیمبر میں
اسی سرکار کی الفت کا خلعت ہے مرے بر میں
بھلا اتنی تو عزت ہو مری درگاہِ داور میں
فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں دیوان محشر میں
جگہ خالی کرو مداح آتا ہے محمدؐ کا [2]

موصوف نے کئی مقام پر مداح رسولؐ ہونے پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں اپنے کو حسانِ عصر کے لقب سے یاد کیا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

میں وقت کا اپنے حسان ہوں تقدیر پہ اپنے نازاں ہوں
امجد ہے یہی معراج مری، مدح شہ معراج ہوں میں [3]

امجد کا ہر مجموعہ نعت سے مزین ہے۔ ریاض امجد، صبح امجد، میں نعتیں زیادہ ہیں۔ جب کہ نذر امجد میں ہجرت کا واقعہ نظم کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں بھی وصفیہ نعتیں زیادہ ہیں۔ امجد کی وہ نعتیں جن میں واقعاتی انداز اپنایا گیا ہے کافی جاندار ہیں۔ ان کی یہ نعتیں درون قلب کو منکشف کر کے قاری و سامع پر دیرپا

[1] ۔ خرقہ امجد　صفحہ 19
[2] ۔ ریاض امجد۔ حصہ دوم　صفحہ ۳۹
[3] ۔ نذر امجد　صفحہ 19

اثر چھوڑتی ہیں۔ ان نعتوں میں ان کا خلوص، ان کی عقیدت اور بانیٔ اسلام سے ان کا دلی لگاؤ کھل کر سامنے آتا ہے نمونہ کے طور پر امجد کے نعتیہ مدس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

مدینہ میں آتا ہے اب کعبہ والا　　ہو انور ایماں سے ہر سو اجالا
ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا　　بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ

محمدؐ کے رخ سے نقاب اٹھ گیا ہے
تجلی حق سے حجاب اٹھ گیا ہے

محبت میں آنکھیں بچھاتا ہے کوئی　　تصور میں صورت جماتا ہے کوئی
سنبھالے ہوئے دل کو آتا ہے کوئی　　ادھر دل ہی دل میں بلاتا ہے کوئی

محبت کا سودا ہے ہر ایک سر میں
ہر اک چاہتا ہے رہے میرے گھر میں

کسی کی نگاہیں ہیں روئے حسیں پر　　کوئی جان دیتا ہے روشن جبیں پر
کسی کی نظر دیدۂ سرمگیں پر　　تصدق ہے کوئی قد دل نشیں پر

ہے کوئی تو قدموں میں آنکھیں بچھائے
کف پا میں مژگاں کوئی چبھ نہ جائے

کوئی کہہ رہا ہے کہ آنکھوں میں آؤ　　کوئی کہہ رہا ہے کہ دل میں سماؤ
کوئی کہہ رہا ہے کہ صورت دکھاؤ　　کوئی کہہ رہا ہے اب آگے نہ جاؤ

مرے دل میں آجاؤ ایماں بن کر
اتر آؤ سینے میں قرآں بن کر [1]

امجد کا ایک خاص رنگ یہ ہے کہ وہ اپنے کلام کی اثر آفرینی اور اثر پذیرائی میں اضافہ کرنے کے لئے ماحول اور فضا کو ساز گار بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر بانی اسلام ترک وطن کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے ہیں۔ شاعر نے اس

[1] ۔ نذر امجد۔ صفحات ۔ ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳

وقت مکہ کی ساری فضا کو غمناک بنلایا ہے۔ اور شجر و حجر، در و دیوار کو زبان حال سے شور کرتے ہوئے دکھلایا ہے۔ اس موقع کے چند اشعار "نذر امجد" سے بطور نمونہ ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں۔

شہنشاہ کونین نکلا جو گھر سے — دھواں سوز فرقت کا اٹھا جگر سے
زمیں سے زماں سے شجر سے حجر سے — اٹھا شور کعبہ کے دیوار و در سے
چلا تو کہاں رب کے گھر کے اجالے
نہ جا چھوڑ کر ہم کو اے جانے والے

ہے دریائے خوں چشم زمزم سے جاری — سواد حرم میں ہے اک سوگواری
ہر اک دل میں ہے برق سی بیقراری — ہر اک کی صدا ہے کہ سن لے ہماری
نہ جا ہم سے منہ موڑ کر جانے والے
یہاں کون ہم بیکسوں کو سنبھالے

صفا مروہ کا دل ہوا پارہ پارہ — وہ بجلی گری پھٹ گیا سنگ خارا
ہوا غم سے کعبہ سیہ پوش سارا — تڑپ کر یہ غار حرا نے پکارا
کہاں تو چلا میرے نازوں کے پالے
پھر آ میری آغوش میں جانے والے [1]

امجد کی اس نعت میں صنائع و بدائع کا استعمال بہت فطری ہے۔ امجد نے غیر ذی روح اشیاء کو ذی روح اشخاص فرض کر کے متشکل کر کے پیش کیا ہے اور ذی روح کے لوازم ان غیر ذی روح اشیاء کے لئے ثابت کئے ہیں۔ نعت۔۔ محولہ بالا میں استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخییلیہ کا استعمال بکثرت ہوا ہے۔ ان استعاروں میں متکلم ایک چیز کو دوسری چیز سے اپنے دل میں تشبیہ دیتا ہے۔ اور ارکان تشبیہ میں سے سوائے مشبہ کے اور کسی رکن کا تذکرہ نہیں کرتا۔ تشبیہ کے حال کو قاری و سامع پر منکشف کرنے کے لئے مشبہ بہ کے خواص مشبہ مذکور کے لئے

---

[1] ۔ نذر امجد ۔ صفحات ۔ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲

ثابت کئے جاتے ہیں۔ اس طور پر دل میں تشبیہ دینے کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ استعارہ اور کنایہ کا لطیف سنگم ہے۔ استعارہ اس لئے کہ مناسبت سے متعلق ہے۔ اور کنایہ اس لئے کہ اس میں مشبہ بہ کی تصریح نہیں ہے احوال تشبیہ واضح کرنے کے لئے مشبہ بہ کے خواص مشبہ کے لئے ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ کہلاتا ہے۔ استعارہ تو اس لئے کہ مشبہ بہ کے خواص مشبہ کے لئے مانگے گئے ہیں اور تخییلیہ اس لئے کہ مشبہ بہ کے خواص کو مشبہ کے لئے ثابت کرنے سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مشبہ، مشبہ بہ کے جنس سے ہے۔ مثلاً اس مصرع میں "ہوا غم سے کعبہ سیہ پوش سارا" میں کعبہ کو جذبات حزن و الم سے منفعل ہونے میں ایک شخص سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تشبیہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ اور حزن و الم کے اظہار کے لئے سیہ پوشی کو جو انسان کی خصوصیات میں داخل ہے۔ کعبہ کے لئے ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ ہے۔ اس مصرع میں ایک لطف یہ بھی ہے کہ کعبہ پر سیاہ غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ اس طور پر مصرع ہذا بحث میں صنعت حسن تعلیل کا لطیف و نادر استعمال ہے۔ امجد کی نعتیہ کاوشوں میں بالعموم صنائع و بدائع کا اسی طرح فطری استعمال ہوا ہے۔

شاعر نے نبی صلعم کی محبت سے متعلقہ قلبی احوال و کوائف کے اظہار میں جزئیاتی انداز بیان اپنا کر کلام میں جان ڈال دی ہے۔ بانی اسلام کعبہ کے شہر مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لا رہے ہیں۔ اس وقت مدینہ والوں کی محبت و عقیدت کا منظر شاعر کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔

محبت میں آنکھیں بچھاتا ہے کوئی — تصور میں صورت جماتا ہے کوئی
سنبھالے ہوئے دل کو آتا ہے کوئی — ادھر دل ہی دل میں بلاتا ہے کوئی
محبت کا سودا ہے ہر ایک سر میں
ہر ایک چاہتا ہے رہے میرے گھر میں

اس بند کے ساتھ ہی ان بندوں کا استحضار کر لیں جو ابھی ابھی ماسبق میں نقل

کئے جا چکے ہیں۔

نعت کی وادی بہت نازک اور پر خطر ہے۔ اکثر شعراء اس وادی میں بھٹک گئے ہیں۔ لیکن حضرت امجد نے اکثر و بیشتر اس وادی کو بغیر کسی دقت کے اور بغیر اسیر خطرات ہوئے طے کیا ہے۔ ان کا کلام عام طور پر متداول نقائص و معائب سے پاک ہے۔ انھوں نے تمام متداول پر خطر موضوعات پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن اکثر مقامات پر اپنے دامن کو ان تمام بے اعتدالیوں سے بچا لیا ہے جن کے اسیر اکثر شعرائے نعت ہو گئے ہیں۔ امجد نے سجدہ ریزی اور احمد بے میم کے مضامین بھی نظم کئے ہیں۔ لیکن سبھی مضامین معتدل اور گوارا ہیں۔ ذیل میں چند اشعار نقل کئے جا رہے ہیں۔

ہو اک کوئی ایسا بندہ خدا کا — کہ ہے جس پہ بندوں کو دھوکا خدا کا [1]

مرے ساقی مئے وحدت پلا دے — دو عالم سے دوئی بالکل مٹا دے
احد کی شکل احمد میں دکھا دے — اٹھا دے میم کا پردہ اٹھا دے [2]

لیکن امجد جہاں کہیں فنافی الرسول کے مقام پر پہونچ گئے ہیں۔ وہاں انکی نعتیہ کاوشیں جادۂ اعتدال سے باہر چلی گئی ہیں۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے دل کی گہرائیوں سے کہا ہے۔ اس لئے ان کے ان اشعار میں بلا کی شعریت ہے۔ یہ اشعار مذہبی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہونے کے باوجود، ادبی نقطۂ نگاہ سے مصحف شاعری کی لافانی آیات ہیں۔ امجد ان اشعار میں صنم پرست ہندوستان کے اوتار وادی ذہن سے متاثر نظر آتے ہیں۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر مندرج ہیں۔

عرش والا زمین پر آتا ہے — فاتقوا اللہ یا اولی الابصار
قابل حمد ہی محمد تھا — کارواں میں تھا کارواں سالا

---

[1] ۔ نذر امجد صفحہ ۵
[2] ۔ نذر امجد صفحہ ۲۱

شکل احمد میں خود احد آیا — ہوا مطلق مقید اظہار
دائرہ مختفی تھا نقطہ میں — ہو گئی ختم گردش پرکار
وہی اژدر وہی عصائے کلیم — وہی قطرہ وہی درِ شہوار
بیج بھی ہے وہی شجر بھی وہی — وہی قہار ہے وہی غفار
آپ اپنا پیام پہونچایا — آپ خود اپنا کر گیا اقرار
یار آیا تھا نامہ بر بن کر — خط کے دھوکے میں رہ گیا اغیار [1]

امجد کی تشبیہات و استعارات نادر اور سریع الفہم ہیں انھوں نے کثرت تشبیہات و استعارات احادیث سے مستعار کی ہیں۔ بانی اسلام نے فرمایا تھا کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم شاعر نے اپنی ایک نعت میں حضور صلعم کے لئے بدر کے استعارہ کا اضافہ کر کے حدیث محولہ بالا کے مضمون سے لحاظ کا قابل رنگ پیدا کیا ہے۔

ہے تاروں کا مہتاب کے گرد ہالا — بچائے نظر سے اسے حق تعالیٰ

اس سلسلے کے دو مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ جن میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ کے ساتھ نبی اکرم صلعم اور صدیق اکبر کے لئے شمس و قمر کے استعارے استعمال کئے گئے ہیں۔

بلاتا ہے کون آج میں بھی تو دیکھوں — ہے شمس و قمر کے لئے نور موزوں
چھپے آج بدلی میں دو بدر کامل — ہوا آج برسوں کا مقصود حاصل [2]

امجد نے ایک مقام پر زلف پیغمبر کے لئے طور اور رخسار کے لئے نور کو مستعار لے کر شعر کو جاذب سامعہ بنایا ہے۔

تہ زلف رخسار پر نور دیکھو — نئی بات ہے نور پر طور دیکھو [3]

---

[1] ۔ ریاض امجد ۔ صفحات ۱۴ ۔ ۱۵
[2] ۔ دارمی شریف بحوالہ شرح عقائد نسفی مطبوعہ رحیمیہ دیوبند ص ۱۱۳ بر حاشیہ غ
[3] ۔ نذر امجد ۔ صفحات ۱۶ ۔ ۱۷
[4] ۔ نذر امجد صفحہ ۲۴

امجد نے بہت ساری نعتیں رُباعی کی ہیئت میں کہی ہیں۔ جن میں قرآنی تلمیحات استعمال کی گئی ہیں۔ رباعی کے چار مصرعوں میں ایک مکمل خیال نظم کیا جاتا ہے۔ امجد نے اکثر ایک رباعی میں ایک ہی نعتیہ خیال نظم کیا ہے مگر نہ کے طور پر ذیل میں ایک رباعی درج کی جاتی ہے جس میں ختم رسالت کا مضمون نظم کرتے ہوئے نبی صلعم کو رباعی کا مصرع آخر کہا گیا ہے۔ جس سے کلام امجد لطیف ہو گیا ہے۔ کیونکہ رباعی کا مصرع آخر حاصل رباعی ہوتا ہے۔

رخ مہر ہے قد خط تتعاحی کی طرح — وہ گلہ امت میں ہے راعی کی طرح
اس خاتم انبیاء کا آخر میں ظہور — ہے مصرع آخر رباعی کی طرح

امجد نے ایک رباعی میں "مازاغ البصر و ماطغیٰ" کے زیر عنوان تین مضامین نظم کئے ہیں۔ حضور صلعم کا سایہ نہ ہونا۔ ۲۔ نجوم شق القمر اور ۳۔ معجزہ معراج ملاحظہ ہو۔

حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی — ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی
دن رات تھا جلوۂ خدا پیش نظر — معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی[2]

عورت کی زبان سے دل کی کلفتوں کا اظہار خالص ہندوستانی چیز ہے۔ جس کی نظیر دنیا کے کسی دوسرے ادب میں نہیں ملتی۔ امجد کا نعتیہ شاعری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنا رابطہ نعت کے آفاقی و حجازی مضامین کے درمیان بھی ہندوستانی فضا سے منقطع نہیں کیا۔ ان کی نعت "مدینہ کی جوگن" قابل توجہ ہے جس میں انھوں نے ایک جوگن کی زبانی قیس عامری کو خطاب کر کے بانیٔ اسلام کے ہجر و فراق میں دل کے احوال و کوائف بیان کئے ہیں۔ ہندوستانی فضا کو برقرار رکھنے کے لئے ہندی کے صاف سادہ نرم اور شیریں الفاظ دلکش انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔ نعت ملاحظہ ہو۔

او قیس عامری تو کیوں پھر رہا ہے بن بن — ٹکڑے ہیں کیوں گریباں صد چاک کیوں ہے دامن

---

[1] ۔ رباعیات امجد ــــ حصہ دوم ص ۔ ۱۳
[2] ۔ رباعیات امجد ــــ حصہ اوّل ص ۔ ۱۵

کیونکہ ہے جنوں سے الفت انسانیت مجھے — دشمن کا دوست ہے تو عقل و خرد کا دشمن

تو خاک چھانتا ہے لیلیٰ کی جستجو میں
نکلی ہوں میں بھی گھر سے شیریں کی آرزو میں

جوگی بنی ہوں میں بھی اپنے پیا کے کارن — چھوڑا ہے دیس میں نے اک دلربا کے کارن
کرتی ہوں آہ و نالے ایک خوش ادا کے کارن — ہے چاک جیب و دامن رنگین قبا کے کارن

مثل حنا جہاں میں اب پائمال ہوں میں
تیغ مفارقت سے بس لامثال ہوں میں

آئی برہ کی ماری تیرے لئے بروگن — درشن سے اپنے کر دے دل شاد چشم روشن
ہاں کب سے رو رہی ہوں میں کھ کے منھ پہ دامن — کب سے کھڑی ہے داتا در پہ ترے بھکارن

جوگن کی جھولی بھر دے او رام نام والے
اس بُت کو رام کر دے او رام نام والے

نکلی ہے گھر سے جوگن کفنی گلے میں ڈالے — پاؤں میں پڑ گئے ہیں اب چلتے چلتے چھالے
گرنے کو ہوں زمیں پر ہے کون جو سنبھالے — شیریں نگر کے راجہ وہ کالی کملی والے

کر پا کی ایک نظر ہو دکھیا پہ اپنے پیارے
بھولی نہیں ہیں تم کو، تم کیوں مجھے بسارے[1]

سیّد افضل شاہ خاں طوفان

سید افضل شاہ خاں کا تخلص طوفان تھا۔ آپ ضلع بیڑ میں متولد ہوئے سن ولادت پردۂ انکشاف پہ نہیں آسکا۔ تلاش معاش کے سلسلے میں ضلع کریم نگر گئے۔ اور وہیں ۳۴ سال ملازمتی زندگی گزار دی۔ آپ ملازمت سے سبکدوش ہو کر

---

[1] ۔ ریاض امجد جلد اوّل ۔ صفحہ

۱۳۳۴ھ فصلی میں حیدرآباد پہونچے اور وہیں محلہ باغ مسلم جنگ میں زندگی کے بقیہ ایام گزار دیئے۔ آپ کا وصال ۱۳۳۹ھ فصلی میں ہوا۔ آپ نے عنوان شباب میں حضرت حمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت آغا داؤد کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ آخری عمر میں حضرت حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اقدس حضرت شاہ فیض الدین کے مرید ہو گئے جو اس وقت بیدار ضلع آصف آباد میں مقیم تھے۔ موصوف عشق رسول سے سرشار تھے۔ ان ہی کے فیض محبت سے طوفان کے عشق میں اتنا وفور آگیا کہ انھوں نے (طوفان نے) اپنا نعتیہ دیوان "سلطان سخن" صرف ۱۴ ماہ کے عرصہ میں مکمل کر ڈالا۔ یہ نعتیہ دیوان "طوفان رحمت" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ جو ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ حضرت جلیل مانکپوری نے قطعۂ تاریخ اس طور پہ کہا۔

طبع کی تاریخ تم لکھو جلیل — بے بہا ہے نعت مصطفیٰ

۱۳۵۱ھ

طوفان نے مثنوی، رباعی، غزل، ترجیع بند، مثلث، مخمس، مسدس اور مستزاد ہر ہیئت میں نعتیں کہی ہیں۔ انھوں نے پوربی زبان میں بھی کچھ خمسے اور مرثیے کہے ہیں۔ طوفان کے دیوان میں چند تضمینیں بھی ملتی ہیں۔ یہ تضمینات جامی، امیر خسرو، مولوی لطف اللہ خاں لطف بریلوی، اکبر الہ آبادی، مہر حیدرآبادی اور بے دم وارثی وغیرہ کے کلام پر ہیں۔ ان کے دیوان میں نعتیہ غزلیں ردیف وار ہیں۔ قادریہ اور چشتیہ سلاسل سے منسلک ہونے کی وجہ سے اس سلسلہ کے بزرگوں میں سے ممتاز شخصیت کی منقبت سرائی بھی ان کی شاعرانہ کاوشوں میں ملتی ہے۔ آپ نے والی دکن میر عثمان علی خاں کی تعریف میں بھی اپنی شاعرانہ زبان کھولی ہے۔

طوفان کی نعتیہ کاوشوں کی امتیازی خصوصیات داخلیت سوز و گداز اور لفظی و معنوی محاسن کا تادر اور لطیف استعمال ہے۔ ان کے یہاں صنائع و بدائع کا استعمال کلام کے زیور کے طور پہ نہیں بلکہ ایضاح مفاہیم و مطالب کے لئے ہوا ہے۔ اسی

لئے ان کی نعتیہ کاوشوں میں جہاں کہیں صنائع و بدائع مستعمل ہوئے ہیں۔ بلاکی برجستگی آگئی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صنائع و بدائع خود ان کے کلام میں آکر منظوم ہو گئے ہیں۔ طوفان کو صنعت حسن تعلیل اور مراعاۃ النظیر کافی مرغوب ہیں۔ سونا ایک قیمتی دھات ہے جو کسوٹی کو مرغوب رکھتا ہے۔ بایں معنی کہ سونا کسوٹی پر کسا جاتا ہے کسوٹی سیاہ ہوتی ہے۔ نبی صلعم کا سُنات کی بیش بہا تخلیق ہیں۔ بداعمالیاں سیاہ متصور کی جاتی ہیں حضور صلعم کو امت سے بیحد محبت تھی۔ شاعر نے ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر بانی اسلام کی اپنی امت سے وابستگی کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ حضور صلعم سونا ہیں اس لئے آپ کو سیاہ کاروں سے لگاؤ ہے۔ رات کو آسمان پر ستارے جگمگاتے ہیں اس لئے کہ یہ چمکدار شے تاریکی میں چمکتی ہے۔ اور روشنی میں مدھم نیز زیادہ روشنی میں معدوم ہو جاتی ہے سورج غروب ہونے پر جب فضا تاریکی میں ڈوب جاتی ہے ستارے چمکنے لگتے ہیں۔ لیکن طوفان شاعرانہ علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ستاروں نے دامن چرخ کہن پر پھول اس لئے ٹانک دیئے ہیں۔ تاکہ وہ روضۂ نبی پر اپنے کو نثار کر دیں۔ بڑھاپے میں خون کی کمی کی باعث بدن کا رنگ پیلا ہو جاتا ہے۔ شاعر اس کی یہ علت بیان کرتا ہے۔ کہ شفیعتگی نبی کی سوزش سے عمر کا چراغ سحری زرد ہو جاتا ہے متعلقہ اشعار اور اسی قبیل کے دوسرے اشعار ملاحظہ ہوں۔

قدر سونے کی کسوٹی سے ہوا کرتی ہے — کون لگاؤ نہ ہو رحمت کو سیہ کاروں سے

بہر نثار روضہ والا تمام رات — تارے بنے ہیں دامن چرخ کہن میں پھول

پیری میں سوز الفت احمد نہ چھپ سکا — ہوکیوں نہ زرد زرد چراغ سحر کا رنگ

کس حسن کی اسر گنبد خضرا میں کشش ہے — جاتی ہے تو واپس نہیں آتی نظر شوق

صنعت تضاد اور صنعت سیاقۃ الاعداد کا لطیف استعمال ملاحظہ ہو۔

فراق محمدؐ میں روتی ہے شبنم — غضب ہے گلوں کو ہنسی سوجھتی ہے

ایک منزل میں تو رہتے ہیں مل کر دونوں ہوش جاتا ہے تو پھر بے خبری آتی ہے
جو بے خطا رہا وہ خطاوار ہے ضرور بندہ کا ہے ضمیر مرکب خطا کے ساتھ

مصرع ثانی میں "الانسان مرکب من الخطاء والنسیان" کو برجستگی کے ساتھ نظم کیا گیا ہے۔ طوفان کے یہاں صنعت مراعاۃ النظیر کا استعمال کثرت سے ہوا ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

خنجر کی طرح چاند سی صورت یہ بھنویں ہیں اس بدر میں اس بدر کا رنگ بول رہا ہے
تلواروں کی دھاروں میں بھی جاؤ نگا مدینے دل بھی مرا فولاد ہے منزل جو کڑی ہے
شرمندۂ عصیاں پہ رحمت کا پڑا پانی ہم اپنے پسینے میں خود آپ نہا بیٹھے

طوفان کو علم معانی، علم بیان اور علم بدیع پر اتنی مہارت حاصل ہے کہ وہ اکثر اپنے اشعار کو ہر سہ علوم کے محاسن سے مزین کرتا ہے۔ اس نے اپنے نعتیہ اشعار میں اکثر کئی کئی صنعتیں جمع کی ہیں۔ اس سلسلے کے دو چار اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

جس ہٹ پہ تھے ہٹیلے آخر وہی قبیلے بگڑے ہوئے بنے سب انساں تری گلی میں
اقرار ہے ہیں دونوں تیری عنایتوں پر دانا تری گلی میں ناداں تری گلی میں

حور و ملک ہیں سارے خیر البشر پہ صدقے عالم ہے در پہ قرباں جبریل گھر پہ صدقے
پیروں کو کچھ ایسی بھلی سوجھتی ہے مدینے کی ہر دم گلی سوجھتی ہے

طوفان نے غزل کی ساخت میں کافی نعتیں کہی ہیں۔ ان کی یہ نعتیہ غزلیں کافی توانا اور جاندار ہیں۔ یہ غزلیں صنائع و بدائع کے برجستہ استعمال کے ساتھ معنویت سے معمور اور تغزل میں غرق ہیں۔ عقیدت کی فراوانی، شیفتگی کے وفور اور جذبات کی گہرائی و گیرائی نے ان کی نعتوں کی دلاویزی میں بے مثل اضافے کئے ہیں۔ اس قبیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دو دل کو ملاتے ہیں روٹھوں کو مناتے ہیں عادت ہے محمد کی یوں شیر و شکر کرنا
کہہ دو مری جانب سے انوار الٰہی کو قطرے کو گہر کرنا ذرّے کو قمر کرنا

جلا کے آتش فرقت مجھے تو خاک نہ کر مزا تو جب ہے کہ بوئے کباب ہو کے رہوں
یہی طریق ہے در پردہ ان کے آنے کا خیال میں یہی آتا ہے خواب ہو کے رہوں
میں رہوں ہوش میں خلوت کا یہ دستور نہیں غیر کے سامنے آنا انھیں منظور نہیں

طوفان عشق نبوی کا اس قدر شیفتہ ہے کہ اس نے والیٔ دکن میر عثمان علی خاں کی مدح کے مابین بھی جاندار نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ اس نے والیٔ دکن کی مدح میں ان کے کردار کے وہی اوصاف شمار کئے ہیں جو بانی اسلام کی نظر میں مستحسن ہیں۔ اور اکثر جگہ احادیث سے مستنبط بھی کیا گیا ہے یہی انداز بیان بزرگان دین کی مدح میں کئے گئے اشعار میں رواں دواں ہے۔ میر عثمان علی خاں کی مدحت سرائی میں کہے گئے متفرق اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔ جن میں نعتیہ عناصر کی روح جاری ساری ہے۔

حال شہ عثمان اعلیٰ ہے لاکھوں نیکوں میں نرالا ہے
شاہوں میں اللہ والا ہے سمجھا دیا کملی والے نے
سادگی سے شہ عثمان کی ہے شاہی کو فروغ
ہیبت حق سے نہیں تیغ میں جوہر خالی
شید اے رسول مدنی ہے شہ عثمان ۔۔!
شاہوں میں یہ سلطان دکن اور ہی کچھ ہے

حسرت

حسرت کا نام عبدالقدیر اور والد کا نام محمد عبدالقادر تھا۔ آپ کی ولادت ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم والد کی زیر تربیت ہوئی۔ آپ نے حیدرآباد کے مشہور و معروف مدرسہ دارالعلوم میں عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی

سے مولوی کامل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔ آپ تعلیم سے فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں معلم ہو گئے۔ جامعہ عثمانیہ کے وجود میں آنے پر وہاں صدر شعبۂ دینیات مقرر ہوئے اور بالآخر اسی عہدے سے وظیفہ پر سبکدوش ہو گئے۔ آپ کو تصوف سے خاص دلچسپی تھی۔ اور شعر و شاعری سے کافی لگاؤ تھا۔ آپ کی شاعری میں تصوفانہ رنگ شامل ہے۔ آپ نے عربی فارسی اردو اور ہندی چاروں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور شمسی حساب سے بعمر ۹۳ سال ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ آپ کی تصانیف میں "الدین" ــــــ "حکمت اسلامیہ" "معیار الکلام" اور معارف زیادہ مشہور ہیں۔

حسرت کی شخصیت دکن کے شعرائے نعت میں بہت اہم ہے عربی، فارسی، اردو اور ہندی چاروں زبانوں میں آپ کی اچھی اور جاندار نعتیں موجود ہیں۔ آپ کے تین نعتیہ مجموعے ہوئے ہیں۔ (۱) زمزمات الاشواق۔ (۲) نسیم عرفان۔ (۳) زمزمۂ محبت اول الذکر میں عربی نعتیں اور ٹھمریاں ہیں۔ ثانی الذکر نعتیہ ٹھمریوں کا مجموعہ ہے۔ جبکہ آخر الذکر حمدیہ نعتیہ اور منقبتیہ اشعار کو محیط ہے۔ اس کے محتویات میں ٹھمریاں بھی ہیں لیکن وہ سب کی سب وہی ہیں۔ جو بقیہ دو نعتیہ مجموعوں میں شامل ہیں۔

حسرت کی نعت گوئی "نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ" کے جذبہ سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے انھوں نے "زمزمۂ محبت" کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ وہ "جگر کی خلش" اور "دل کی کاوش" دور کرنے کے لئے نعتیں کہتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی قطعاً پروا نہیں کرتے کہ علماء و شعراء ان کی نعتیہ شاعری کی طرف ملتفت ہو رہے یا نہیں[1] اس طور پر حسرت کی نعتیہ شاعری انبساطِ خود کے جذبہ کے تحت معرض وجود میں آئی ہیں۔ نہ کہ انبساط غیر کے جذبہ کے تحت ان کے دل میں عشق رسول، شیفتگی نبی و عظمت و تمکنت پیغمبر موجزن تھی۔ وہ دنیوی و اخروی فلاح کو نبی صلعم کی ذات و الاصفات سے منسلک مانتے ہیں حسرت کا

[1] ۔ دیباچۂ نسیم عرفان از مصنف ص ۔ ۱

عقیدہ ملاحظہ ہو۔

تم پہ میں جان سے قربان رسول عربی ۔۔۔ تم میری جان کی ہو جان رسول عربی
آپ کی شان میں ہے بے ادبی بے دینی ۔۔۔ آپ کا عشق ہے ایمان رسول عربی
جن و انس اور ملائک کی سمجھ سے باہر ۔۔۔ آپ کا مرتبہ و شان رسول عربی
تبری تعظیم کریں اور میری توقیر کریں ۔۔۔ یہ ہے اللہ کا فرمان رسول عربی

---

[1]
مومن نہیں جو اس میں کرے فرق ذرا بھی ۔۔۔ اللہ کا فرمان ہے فرمان رسول عربی

حسرت کے کلام میں بلا کی داخلیت ہے۔ ان کے کلام میں جوش، تڑپ اور بیقراری ہے ذیل کے اشعار میں رواں دواں اضطرار اور بے چینی ملاحظہ ہو۔

مجھے محبت سے چور کر دے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والے
غم جدائی کو دور کر دے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والے
اٹھا دے منہ سے نقاب اپنا ۔۔۔ دکھا دے اپنی انا کا جلوہ
بطون کو تو ظہور کر دے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والے
کہاں ہمارا حبیب رب ہے ۔۔۔ دعا یہ حسرت کی روز و شب ہے
یہ انجمن رشک طور کر دے ۔۔۔ دکھا کے صورت کملیا والے[2]

ان کی ایک دوسری نعت ملاحظہ ہو۔ جہاں وہ کرب ناک لہجے میں بانی اسلام سے مخاطبت کر کے اپنے دل کی بات کہتے ہیں۔

آجا آجا سر و سامان غریباں آجا ۔۔۔ اے تسلی دہ دل ہائے پریشاں آجا
بس بہت عرش معلی کے تماشے دیکھے ۔۔۔ دیکھنے حال دل خاک نشیناں آجا
کس مصیبت سے جدائی کے یہ دن کٹتے ہیں ۔۔۔ کر دے آباد میرا خانۂ ویراں آجا
دن کو تسکین نہیں رات کو آرام نہیں ۔۔۔ ہے ترے واسطے دل میرا پریشاں آجا

---

[1] ۔ زمزمۂ محبت ص ۱۴۲ مطبوعہ ۱۳۵۳ھ
[2] ۔ نسیم عرفان ص ۔ ۶۵ ۔ ۶۶

نزع کے وقت دکھا دے رُخ پرنور اپنا اتنا احسان تو کر اے شہ خوباں آجا

حسرت کی وہ نعتیں جس میں وصفی پیرایۂ بیان اپنایا گیا ہے سادگی، روانی، تاثیر، فنی عناصر کی بوقلمونی کے اعتبار سے بیت میں قابل دید ہیں۔ انھوں نے مندرجہ ذیل نعت میں پیغمبر اسلام کو "شہنشاہ کون و مکاں" "روح رواں دو عالم" "باعث تخلیق کائنات" "کلید ظہور جہاں" "رونق بزم ہستی" "بہار ریاض جہاں" "مظہر روابط عبد و رب" "دانائے راز نہاں" اور "شناسائے غیب و عیاں" کہا ہے۔ تراکیب کی ندرت اور الفاظ کے دروبست کا ترنم بے مثال ہے۔ اس نعت کی ردیف "ہیں محمدؐ" اور "جہاں" "دواں" "عیاں" اور "نہاں" وغیرہ قوافی ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

شہنشاہ کون و مکاں ہیں محمدؐ دو عالم کی روح رواں ہیں محمدؐ
محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا کلید ظہور جہاں ہیں محمدؐ
روابط کئے عبد و رب کے نمایاں شناسائے غیب و عیاں ہیں محمدؐ
معلم بنا کر انھیں حق نے بھیجا وہ دانائے راز نہاں ہیں محمدؐ

مبتدع عالم اور شعبۂ دینیات کے صدر ہونے کے باعث وہ روابط عبد و رب اور ان کے فرق سے اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لئے ان کا کلام ہر جگہ جادۂ شرع کے اندر ہے۔ انھوں نے عبد و معبود کے دائرہ حدود عمل کو باہم مدغم نہیں کیا۔ حسرت کی شخصیت اردو نعت گوئی کی تاریخ میں اس لئے یقیناً اہم ہے کہ ان کی ساری نعتیہ شاعری حیطۂ شرع کے اندر ہے۔ اسی سلسلہ کی ایک اور نعت ملاحظہ ہو۔ جہاں بانیٔ اسلام کے بیان اوصاف میں مشکل موضوعات اٹھائے گئے ہیں لیکن اشعار جادۂ شرع کے اندر ہی ہیں۔ شاعر نے آپ صلعم کے ذاتی اوصاف میں سے "افضل الکل" "محبوب رب العالمین" "صاحب تاج و نگین" "نتیجۂ مثردہائے انبیاء و مرسلین" "فخر اولین" "عز آخرین" "ماویٰ و ملجائے خلائق" و "مکین قلوب" شاعر وغیرہ اوصاف بیان کئے ہیں۔

جہاں میں غل ہوا محبوب رب العالمین آیا شہنشاہ دو عالم صاحب تاج و نگین آیا

اڑا تا پرچم توحید ختم المرسلین آیا یتوں کی عظمت و شوکت جہاں سے کیوں نہ ہو باطل
خبر دی جس کی عیسیٰ نے وہ شاہنشاہ دیں آیا دعا کی تھی خلیل اللہ نے جس کے لئے پہلے
محمد مصطفےٰ کو دیکھ کر سب کو یقیں آیا نہ تھا معلوم گذشتہ میں سمندر بھی سماتا ہے
مراد الخت جگر عزت نشاں مسند نشیں آیا نہ جس کا مثل نکلا حضرت آدم سے عیسیٰ تک
مرادیں، مرا ملجا، مرے دل کا مکیں آیا[1] دم آخر نبی کو دیکھ کر حسرت یہ چلا ؤں

حسرت کی ایک خاص ادا یہ ہے۔ کہ وہ اپنی نعتیہ شاعری میں قرآنی آیات و احادیثی اصطلاحات اس خوبی کے ساتھ نظم کرتے ہیں کہ قاری و سامع کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ اسی موقع کے لئے کہی گئی ہیں۔ اس طور پر حسرت کو اس امر میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ کہ وہ تلمیحات کو اپنی شاعری میں شیر و شکر کر لیتے ہیں۔ ایک نعت سے چند اشعار ہدیہ سامعین ہیں۔

ہاں صبح ہدایت آئی، نکل تاریکیٔ کفر ہوئی زائل
جب "جاء الحق و زھق الباطل" فرمایا کملی والے نے
اللہ نے مغفرت کا وعدہ جب بہر شفاعت فرمایا
پھر باغ جناں میں امت کو پہونچا دیا کملی والے نے
معراج میں جس دم آئے نبی اللہ نے کہا اون منّی
تو شکر میں جو کچھ تھا اپنا لٹوا دیا کملی والے نے
اے حسرت شیدا فکر نہ کر ہیں ساتھ ہمارے پیغمبر[2]
جب امت مع من احبت فرمادیا کملی والے نے

حسرت نے چھوٹی بحر والی نعتوں میں عام طور پر وصفی انداز بیان اپنایا ہے۔ اور یہی انداز اظہار انھوں نے اپنے سلاموں میں بھی اختیار کیا ہے۔ صاف، سادہ، روان دواں الفاظ و تراکیب کے استعمال میں جو قدرت حسرت کو نصیب ہوئی وہ بہت کم اردو شعراء

---

[1] ۔ زمزمۂ محبت۔ ص ۔۔۔ ۱۷
[2] ۔ زمزمۂ محبت۔ ص ۔۔۔ ۱۶

کے حصّے میں آئی ہے۔ ان کے ایک سلام کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

تم امام انبیاء ہو مقتدائے اتقیاء ہو
تم جہاں کے پیشوا ہو رہبر راہِ خدا ہو
یا نبی سلام علیکم[1]

حسرت کی بہت سی نعتیں الفاظ و مفاہیم کے اعتبار سے اتنی صاف سادا اور عام فہم ہیں کہ وہ بچوں کی درسی کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اس سلسلے کی نعتوں میں مندرجہ ذیل نعتیں اہم ہیں۔

۱۔ محمد دلوں کی دوا بن کے آئے
۲۔ شہنشاہ کون و مکاں ہیں محمدؐ
۳۔ حبیب خدا ہیں ہمارے محمدؐ

مولنا عبدالقدیر حسرت کی ٹھمریاں خاصی دلچسپی کی چیز ہیں۔ ان میں جس رقت اضطراب اور بے بسی کا اظہار ہے۔ وہ اردو ادب کی ٹھمریوں میں کم ملتی ہیں۔ ان کی تین خصوصیت ٹھمریاں اہم ہیں۔

۱۔ "مکے والے بالما"
۲۔ "معراجی سیّاں"
۳۔ "کالی کملی والے بھیا" یا "مورا نیا منجدھار" ـــــ کالی کملی والے بھیّا گلے میں پیت کا ہار ڈالے اس گاؤں کے دل کی پکار ہے جو بابل تیاگ کر پیتم کے دوار پڑی ہے۔ تمام بندھنوں کو چھوڑ کر پیتم تک پہونچنا بظاہر تیاگ ہے لیکن تیاگ کا یہ عمل منفی انداز کا نہیں ہے بلکہ یہ ایک نیا راستہ استوار کرنے کی خواہش ہے، جس میں عورت اپنے دیس کی دھرتی چھوڑتی اور پیتم کے دیس جاتی ہے۔ پیتم کے بغیر بھرے پرے بابل میں کوئی نظر نہیں آتا اور سارا سنسار بیری دکھائی پڑنے لگتا ہے۔ اس ٹھمری کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

---

[1] ۔ زمزمۂ محبت ۔ ص ۷۷

بھولی بھالی میں ہوں ناری ۔ پیت گلے کا ہار
موری نیا منجدھار
تیرے دوارے آن پڑی ہوں چھوڑ کے سب سنسار
موری نیا منجدھار
کالی کملی والے بھیّا آؤ اب سرکار
موری نیا منجدھار[1]

"مکے والے بالما" میں اس عورت کے وفور جذبات کی عکاسی کی گئی ہے جو بابل میں ہے مگر اپنے پیتم کے لئے بیقرار ہے۔ دل کی گہرائیوں سے شدت سے اٹھنے والی اس خواہش کا اظہار کرتی ہے۔ کہ اس کا پیتم آجائے اور پھر نہ جائے۔ یا اپنے ساتھ اس کو بھی اپنے دوارے لے جائے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

او مکے والے بلما تو آجا رے آجا، پھر نہ جا رے
خدیجہ بی بی کے راج دلارے عائشہ بی بی کے بالم پیارے
آجا، پھر نہ جا رے
نینوں میں آجا من میں سما جا درس دکھا جا من کو لبھا جا
آجا، پھر نہ جا رے
جلد بلا لو اپنے دوارے کب تک حسرت چیری پکارے
آجا پھر نہ جا رے[2]

"معراجی سیّاں تم پر جیا قربان" برہ کی آگ میں جلتی ہوئی ناری کے تپتے ہوئے دل کی پکار ہے۔ جو پراکرتی کے جادو بھرے ماحول سے اوپر اٹھ کر پیتم کے دوار تک پہونچنے کے لئے بے چین ہے اس کو پیتم کے بغیر نہ نیند آتی ہے نہ چین۔ وہ تن من اور جان سب کچھ اپنے پیتم پر قربان کرنے کو تیار ہے نمونتہ "ایک بند ملاحظہ ہو۔

---

[1] ۔ رمزات الاشواق ص ـــ ۱۹، ۲۰ مطبوعہ ۱۹۵۳ء بجنور

[2] ۔ نسیم عرفان ص ـــ ۶۴، ۶۵

معراجی سیّاں تم پر جیا قربان

آنکھوں کے تارے راج دلارے — تم ہو میری جاں معراجی سیّاں
نیند نہیں آوے چین نہیں آوے — تم بن اے سلطان معراجی سیّاں
تن من واروں جیا وارو ں — تم پر سب قربان معراجی سیّاں [1]

حافظ جلیل حسن جلیلؔ

آپ کا نام جلیل حسن اور جلیلؔ تخلص تھا۔ آپ حافظ عبدالکریم کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۶۵ء میں پرتاب گڈھ کے مردم خیز قصبہ مانک پور میں ہوئی۔ آپ انصاریوں کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے لائق احترام سمجھا جاتا تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اور جلد ہی اردو فارسی دونوں زبانوں پر دسترس حاصل کرلی۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ آپ نے عمر ۲۰ سال باقاعدہ طور پر امیر مینائی کی شاگردی حاصل کی۔ استاد شاگرد کے روابط ہمیشہ خوشگوار رہے۔ امیر مینائی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ استاد نے اپنے لائق شاگرد کو امیر اللغات کے دفتر کا سکریٹری بھی بنا دیا تھا۔ اور جب موصوف حیدرآباد تشریف لے گئے تو حضرت جلیلؔ بھی ساتھ گئے۔ والیٔ دکن عثمان علی خاں آپ کی بے حد قدر و منزلت کرتے تھے۔ جب استاد داغؔ کا انتقال ہوا، تو والیٔ دکن نے آپ کو اپنا استاد بنالیا۔ اور نواب فصاحت جنگ بہادر کے خطاب سے نوازا۔ آپ کی زبان صاف، سادا اور دلاویز ہے۔ انداز بیان بھی دلکش ہے۔ آپ علم عروض و قوافی میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔

آپ بنیادی طور پر حسن و عشق کے شاعر ہیں لیکن استاد امیر مینائی کی فیض صحبت سے متاثر ہو کر آپ نے بارگاہِ رسالت سے اپنی شیفتگی کا اظہار نعتوں کے ذریعہ کیا ہے۔

---

[1] ۔ نسیم عرفان ص ۶۳
[2] ۔ جدید تاریخ ادب اردو ۔ ڈاکٹر اعجاز حسن ص ۔ ۲۲۴

جس کا اعتراف انھوں نے خود اس طرح کیا ہے۔

نعت گوئی میں مری کیوں نہ ہو تاثیر جلیلؔ — فیض ہے اس میں امیر الشعرا سے مجھ کو

ڈاکٹر اعجاز حسین نے درست لکھا ہے کہ۔

"ان کے کلام کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ان کی شاعرانہ عظمتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اکثر اخلاقی اور ناصحانہ مضامین کو انھوں نے غزل میں اس طرح جگہ دی ہے کہ عوام و خواص دونوں یکساں لطف اٹھاتے ہیں۔ صوفیانہ رنگ بھی جا بجا ان کے کلام میں موجود ہے لیکن یہ ان کا خاص مذاق نہیں۔" [1]

آپ کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں "تاریخ سخن" "بیان سخن" اور "معراج سخن" زیادہ مشہور ہیں۔ جلیلؔ کے کلام میں بلا کا تغزل ہے۔ اور محاورات کا استعمال بہت خوب ہوا ہے۔ ان کا انتقال ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۶ء میں بعمر ۸۱ سال حیدرآباد میں ہوا۔ آپ کی شاعری نے دکن میں اردو کی ترقی میں کافی کام کیا ہے ——!

"معراج سخن" آپ کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ جو نظامی پریس لکھنؤ سے ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا تھا۔ اس نعتیہ مجموعہ میں (۳۱) غزلیں اور —— (۱۳) رباعیات ہیں جن میں سے (۸) شب معراج میں ہیں اور معراج پر (۱) نضمین بھی شامل ہے معراج سخن کے مشمولات میں نعت کے علاوہ منقبت مراثی اور سلام بھی ہیں منقبت میں خلفائے راشدین، حضرات حسنین، غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی مدحتیں شامل ہیں۔ جلیلؔ کے نعتیہ دیوان میں دو قسم کی نعتیں ملتی ہیں۔ اول وہ جن میں نبی صلعم کی ذات اقدس کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں شاعر نے ذات

---

[1] ۔ جدید تاریخ ادب اردو ۔ ص ۲۲۵ ۔ گیارھواں ایڈیشن ۱۹۶۵ء
[2] ۔ جدید تاریخ ادب اردو ص —— ۲۲۵

نبوی سے اپنی عقیدت و شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔ اوصاف کے بیان میں مستعمل بیشتر تراکیب و قرآن اور حدیث سے مستعار ہیں۔ نیز ان کی بندش اور ان کا در و بست جاذب سامعہ ہے۔ مندرجہ ذیل نعت میں "تاج رسل" "ملجائے غریباں" "فخر دو عالم" "محبوب یزداں" "فخر اخواں" اور "دوائے دردِ عصیاں" کی تراکیب منقطر روح و وجدان ہیں۔ متعلقہ نعت ملاحظہ ہو۔

الٰہی عشق دے اس کامدینہ کا جو سلطاں ہے — محمد نام ہے تاج رسل ہے، شاہ خوباں ہے
محمد قبلۂ ہر دو جہاں ہے، کعبۂ جاں ہے — انیس بیکساں ہے، چارہ سازِ دردمنداں ہے
زہے تقدیر امت کی کہ وہ پیارا نبی پایا — یتیموں کا جو وارث ہے جو ملجائے غریباں ہے
عجب تاثیر ہے صل علیٰ نام محمدؐ میں — غذائے روح انساں ہے، دوائے دردِ عصیاں ہے
سواری دیکھ کر شہ کی یہ کہتے تھے فرشتے بھی — یہی فخر دو عالم ہے، یہی محبوب یزداں ہے
وہ خاصان خدا جس کو ملا رتبہ رسالت کا — سب اخواں محمدؐ ہیں محمد فخر اخواں ہیں[1]

شاعر نے ایک دوسری نعت میں "باعث تخلیق کائنات" کے فرسودہ مضمون کو بڑی خوبصورت اسلوب سے ترو تازہ بنا دیا ہے۔ "مازاغ البصر" کے مضمون میں بھی انداز بیان کی جدت کے باعث شگفتگی اور شادابی پیدا ہو گئی ہے۔ نبی صلعم کے معجزوں قدر اور آپ کے جمال بے مثال کی مدحت سرائی میں بے نظیر رعنائی و برنائی جلیل کی جدت پسند طبیعت کا ثمرہ ہے۔ شاعر نے آپ کے بے نظیر حسن کے بارے میں بدیع انداز بیان اپناتے ہوئے کہا ہے کہ قدرت کے البم (مرقع) میں سے ایک حسین تصویریں تھیں لیکن جب آقائے دو عالم کی تصویر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی تو البم کی ساری تصاویر مٹا دی گئیں۔ نعت کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

حقا وہ حبیب حق تو ہے کہ تری خاطر — خلاق دو عالم نے عالم کی بنا ڈالی
مازاغ کا سرمہ تھا زیبا نہیں آنکھوں کو — جن آنکھوں میں قدرت نے بنیا دھیا ڈالی
قدرت کے مرقع میں کیا کیا تھے حسیں لیکن — کھینچی جو تری صورت ہر شکل مٹا ڈالی

---

[1] ۔ معراج سخن صفحات ۳۳، ۳۴ ــــ مطبوعہ ۱۳۴۶ھ

جلیل کی پہلی قسم کی نعتیں آقائے دو عالم سے ان کی والہانہ شیفتگی و عقیدت کی مظہر ہیں۔ مخلص عقیدت ہی کے باعث وہ خیال مصطفےٰ کو سکون خاطر بیمار کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

خدا رکھے سلامت اے خیال مصطفےٰ تجھ کو — تجھی سے کچھ سکون خاطر بیمار ہوتا ہے[1]

بانیٔ اسلام سے صحیح تعلق کی بنا پر شاعر کا یہ عقیدہ ہے کہ شباب کی دنیا میں جب رسول کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ عشق احمد کے داغ جنت کے پھول بن جائیں گے۔ اور عشق احمد میں مصیبت بھی رحمت بن جاتی ہے۔ اسی لئے محامد رسول کا شیدائی کسی پریشانی سے نہیں گھبراتا۔ بلکہ وہ خندہ پیشانی کے ساتھ بلاؤں کو گلے لگاتا ہے مختلف نعتوں سے متفرق اشعار ملاحظہ ہوں۔

مدار کار ہے جب رسول پر دانہ — عمل ہزار ہوں اچھے تو اب کیا ہوگا[2]

داغہائے عشق احمد کو نہ کھوں دل میں کیوں — یہ شرارے پھول جنت کے نہ بن جائیں گے کیا[3]

عشق احمد میں مصیبت کو بھی رحمت سمجھ — بڑھ کے لیں میں نے فلک سے جو بلائیں آئیں[4]

شاعر عشق رسول سے سرشار ہو کر اس مقام پر پہونچ گیا ہے جہاں تاریکیٔ مرقد گھبراہٹ پیدا نہیں کرتی۔ اور نہ نخ عصیاں خوفزدہ کرتا ہے۔ دامن رحمت نبی کے سائے کی امیدواری کے باعث شاعر کو آفتاب حشر کی تمازت کا خوف نہیں۔ نبی اکرم صلعم کی شفاعت کی وجہ سے بارگاہ ایزدی میں گناہ شاعر کو مجرم ٹھہرانے کی جسارت نہ کر سکے گا۔ متعلقہ اشعار ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

ہم بھلا تاریکیٔ مرقد سے گھبرائیں گے کیا — خواجۂ عالم جمال اپنا نہ دکھلائیں گے کیا

---

[1] ۔ معراج سخن ۔ ص ــ ۴۷
[2] ۔ معراج سخن ۔ ص ــ ۱
[3] ۔ معراج سخن ۔ ص ــ ۴
[4] ۔ معراج سخن ۔ ص ــ ۹

خنجر عصیاں کے چرکے مجھ کو تڑپائیں گے کیا | چارہ سازی سید عالم نہ فرمائیں گے کیا
امتی جلنے لگے کیوں آفتاب حشر میں | دامن رحمت کے سائے میں نہ آجائیں گے کیا
تم تیفیع عاصیاں جلیلؔ ٹھہرے تو پھر میرے گناہ | سامنے داور کے بے جرم مجھ کو ٹھہرائیں گے کیا
ہاتھ خالی حشر میں جانے کا غم کیا اے | ہم وہاں شاہِ دو عالم کو نہ پائیں گے کیا[1]

نعت گوئی میں جلیلؔ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے۔ کہ انھیں نے عقیدت و خلوص، شیفتگی و بے تابی اور اضطراب و مضامین کے کثرت سے اپنی نعتیہ کاوشوں میں نظم کئے ہیں لیکن کہیں بھی ان کا کلام شریعت کے صراط مستقیم سے سرمو متجاوز نہیں ہوا۔ جلیلؔ نے ان مضامین کو بھی ہدف موضوع بنایا ہے جن میں دیگر عظیم شعراء بہک گئے ہیں لیکن جلیلؔ نے انصاف پسند قلم نے حسن اسلوب کے ساتھ اپنے دامن کو ہر قسم کی بے اعتدالیوں سے بچا لیا ہے۔ مثال کے طور پر جلیلؔ نے بارگاہ نبوی میں سجدہ ریزی کا مضمون نظم کیا ہے۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر کہ "یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیئے" جادۂ اعتدال پر برقرار رکھا۔ "انا نور من اللہ وکل شیٔ من نوری" (میری تخلیق خدا کے نور سے ہوئی۔ اور ہر شے میرے نور سے پیدا ہوئی۔) یا "ید اللہ فوق ایدیہم" (خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا)۔ یا۔ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" (ہجرت کی رات جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں) کو مدنظر رکھ کر دیدار خداوندی کو دیدار محمد کہہ کر اپنے کو افراط کی طرف بڑھنے سے روک لیا ہے۔

در مصطفےٰ ہے ادب اے جبیں | یہاں سجدہ کرنے کو سر چاہیئے[2]

موسیٰ سے دیکھ لیں رخسار محمدؐ | اللہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ[3]

جلیلؔ نے نعت کے جذباتی پہلو یعنی بانی اسلام سے شیفتگی و عقیدت کے اظہار میں

---

[1] ۔ معراج سخن صفحات ۵-۴
[2] ۔ معراج سخن ص ــــ ۴۳
[3] ۔ معراج سخن ص ــــ ۱۳

کافی توجہ دی ہے۔ انھیں والہانہ عقیدت کے ساتھ نبی صلعم کے متعلقات کا شدید اشتیاق تھا۔ ان دونوں باتوں نے اکثر ان سے بے حد دلاویز، موثر اور پرسوز اشعار کہلوا دئے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک نعت ملاحظہ ہو۔

کہتے عمر صلی علیٰ کہتے کہتے | اٹھوں حشر میں مصطفےٰ کہتے کہتے
محمد کو پایا خدا کہتے کہتے | خدا مل گیا مصطفےٰ کہتے کہتے
بڑا کام نکلے اگر جان نکلے | زباں سے حبیب خدا کہتے کہتے
پیام تمنا نہ پوچھو ہمارا | کہ تھک تھک گئی ہے صبا کہتے کہتے
سراپا زباں شمع ساں بن گیا ہوں | غم ہجر کا ماجرا کہتے کہتے
ہوئیں مشکلیں سب غریبوں کی آساں | محمد کو مشکل کشا کہتے کہتے
عجب حال ہوگا جو روضہ پہ انکے | میں پہونچوں گا روحی فدا کہتے کہتے
کچھ ایسا ہوا رعب وقت حضوری | زباں رک گئی مدعا کہتے کہتے

جلیلؔ آگئے وجد میں سب فرشتے
ترے شعر پر مرحبا کہتے کہتے[1]

ایک دوسری نعت کا مقطع ملاحظہ ہو۔[2]

نظروں میں جلیلؔ اپنی تھے عرش کے سب جلوے | اس روضۂ انور پر جب آنکھ ذرا ڈالی

جلیلؔ کے نعتیہ دیوان میں صرف ایک ترجیع بند ہے۔ جو مشہور شاعر قدسیؔ کی غزل پر تضمین ہے۔ قدسیؔ کی غزل کا مطلع ترجیع بند تضمین میں ترجیع کا شعر ہے ہر بند میں ترجیع کے شعر کو چھوڑ کر چھ مصرعے ہیں۔ جو ردیف و قافیہ میں ایک ہیں۔ ہر بند کے ردیف و قوافی جدا جدا ہیں۔ طرز تخیل انداز بیان اور وفور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے معرض بحث ترجیع نہایت دلکش اور شگفتہ ہے۔ اچھی تضمین کہنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ تضمین میں کسی دوسرے شاعر کے شعر پر مصرعوں کی پیوندکاری اس طور پر

---

[1] ۔ معراج سخن ص ــــ ۴۱-۴۲
[2] ۔ معراج سخن ص ــــ ۴۶

کی جاتی ہے۔ کہ مضمن علیہ (جس شعر پر تضمین کہی جا رہی ہے) شعر کی وضاحت ہو جائے یا تضمین کرنے والا شاعر مضمن علیہ شعر کو اپنے منشا کے مطابق نئے انداز معنی پہنا دے۔ جلیل نے فارسی کے غزل کے مطلع میں تضمین لکھ کر اس فن میں اپنی غیر معمولی خلاقت کے ثبوت دیئے ہیں۔ انھوں نے تضمین میں منظر نگاری اور مرقع نگاری کے خوب جوہر دکھلائے ہیں۔ مکالماتی انداز نے ترجیع بند میں جان ڈال دی ہے۔ مختلف مقامات سے صرف دو بند ملاحظہ ہوں۔ جن میں سے ایک میں بانیٔ اسلام کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے میں معراج کی رات کی رعنائی دکھلائی گئی ہے۔

حوریں کہتی ہیں ہم اس حسن پہ قربان ہونگے — جامہ زیبی پہ تری چاک گریباں ہونگے
جتنے جلوے ہیں نہاں آج نمایاں ہونگے — صدقے ہر جلوے پہ دیدار کے ارماں ہونگے
خوب نظارۂ رخسارۂ تاباں ہونگے — دیکھنے والے یہ کہہ کہہ کے ثنا خواں ہونگے

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

نظر آتی ہے نئی چرخ کہن کی صورت — خلد آراستہ ہے آج دلہن کی صورت
غنچے غنچے میں چمک در عدن کی صورت — قابل سیر ہے اب سرو و سمن کی صورت
دل مشتاق شگفتہ ہے چمن کی صورت — کہتے ہیں دیکھ کے سب شاہ زمن کی صورت

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی [1]

انھوں نے میلاد اور اس کے قارئین و سامعین کی ضرورت کا خیال کر کے بعض نعتیہ غزلیں ایسی زمینوں میں کہی ہیں۔ جن کا ترنم اور نغمگی پڑھنے والے اور سننے والے کو اپنی جانب متوجہ کئے بغیر نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر اس قسم کی ایک نعت ملاحظہ ہو۔

نہ منصب نہ دولت نہ زر چاہیئے — مجھے آپ کی ایک نظر چاہیئے

---

[1] ۔ معراج سخن ۔ ص ۔ ۴۹

صبا اور کو دے نوید بہار — مجھے مصطفیٰ کی خبر چاہیئے !!!
زہے نشۂ جام عشق رسولؐ — یہ مستی تو آٹھوں پہر چاہیئے
نہاں کب ہیں آنکھوں سے شاہ رسل — مگر دیکھنے کو نظر چاہیئے
دو عالم ہے گلزار جس پھول سے — وہی پھول باد سحر چاہیئے
دم نزع ایک جلوہ بہر خدا — مسافر کو زاد سفر چاہیئے
یہ کہتی ہے میری جبیں نیاز — مجھے آپ کا سنگ در چاہیئے [1]

جلیل نے اردو نعت کو صاف ستھرا انداز بیان، نادر تروتازہ اسلوب، والہانہ اظہار اور عاشقانہ سپردگی محبت کی عشق کی والہانہ شیفتگی جذبہ کے اخلاص اور عقیدت کی تڑپ کے اظہار میں محاوروں سے جتنا کام جلیل نے لیا ہے اسکی مثال اردو کے شعرائے نعت کے یہاں کم ملتی ہے۔ محاوروں کی چستی اور روزمرہ کی لطافت مرقومہ ذیل نعت میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم ایسا آپ کے پاتے تو آتے اپنی آنکھوں سے
گہر اشکوں کے روضۂ پر چڑھاتے اپنی آنکھوں سے
زیارت کی تمنا میں خیال رنج و راحت کیا
کڑی جو راہ میں پڑتی اٹھاتے اپنی آنکھوں سے
نظر آتا کوئی تنکا اگر تیرب کی گلیوں میں
اٹھاتے اپنی پلکوں سے لگاتے اپنی آنکھوں سے
خدا کرتا کبھی حضرت سے آنکھیں چار ہو جاتیں
ہم اپنا دردِ دل سب کچھ سناتے اپنی آنکھوں سے
تصور گر اچٹتا بھی تو رو کر پھر جا لیتے
ہم اپنے پیار سے روٹھے کو مناتے اپنی آنکھوں سے
وہ آتے خواب میں تو پتلیاں آنکھوں سے مل لیتے

---

[1] ۔ معراج سخن ۔ صفحات ، ۴۲ ۔ ۴۳

ہمیں کاش وہ دیوانہ بناتے اپنی آنکھوں سے
نگاہ لطف ہی کافی تھی بیمار محبت کو
نہ سنتے حال لیکن دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے
جلیل اشک ندامت جوش پر آتے تو کیا کہنا
ہم اپنی بگڑی حالت کو بناتے اپنی آنکھوں سے[1]

انیسہ

آپ کا نام انیسہ بیگم اور تخلص انیسہ ہے۔ آپ کی وفات ۱۹۱۰ء[1] میں ایک پڑھے لکھے خانوادے میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام محمد یونس خاں تھا۔ جو علی گڈھ کے ضلع وتاولی کے رئیس تھے۔ نواب سر مزمل خاں رئیس بھکم پور آپ کے حقیقی ماموں اور حاجی فیض احمد خاں آپ کے دادا تھے۔ حاجی فیض احمد علوم دینیہ کے ماہر تھے۔ اور مشاہیر اولیائے کبار میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت گھر پر ہوئی۔ اور تفسیر حدیث و فقہ کا درس اپنے والد سے لیتی رہیں ۱۹۲۲ء میں آپ کی شادی آپ کے چچازاد بھائی پروفیسر ہارون خاں سے ہوئی۔ شادی کے بعد آپ حیدرآباد چلی آئیں۔ آپ نے ۱۹۲۵ء میں بیت اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔

انیسہ کا مجموعہ کلام انیسیات کے نام سے شرف طباعت حاصل کر چکا ہے۔ اس کے آغاز میں حضرت کیفی چریاکوٹی کا وقیع تبصرہ شامل ہے۔ کلام کو تین ادوار میں منقسم کیا گیا ہے۔ انیسیات کے مشمولات میں حمد، نعت، غزلیات اور نظمیں ہیں۔ اس میں مناظر فطرت، قومی احوال و کوائف اور اخلاقیات پر رکھی گئی کئی اچھی نظمیں بھی شامل ہیں۔

---

[2] ۔ دکن میں اردو ۔ نصیر الدین ہاشمی ص ۔ ۹۰۱

[1] ۔ معراج سخن ۔ صفحات ۔۔۔۔ ۲۳، ۲۴، ۲۵

انیسہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان کے کلام میں بلا کا درد ہے۔ مشاہدتی انداز بیان قاری و سامع پر ایک مخصوص اثر ڈالتا ہے شفیفتگی کا خلوص اور اضطراب کی صداقت دل سے نکل کر دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مختلف نعتوں کے متفرق اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ترستی ہیں مری مہجور آنکھیں — مچلتے ہیں مرے ارمان محمدؐ
کیا ہجر نے مجھ کو بیمار دیکھو — تڑپتا ہے ہر دم دل زار دیکھو[1]

مجھے یاد فرما رہے ہیں دوبارہ — مقدر کا چمکا ہے شاید ستارہ

وہ انوار ہادی وہ دربار احمد — ان آنکھوں سے دیکھیں گی پھر یہ نظارہ
کروں میں اگر نالہ ہجر نبی میں — فلک پر پہونچ جائے بن کر شرارہ[2]
خواب میں جلوہ دکھاتے کیوں نہیں — بے کلی دل کی مٹاتے کیوں نہیں[3]
جب مرقد سے آنکھیں ہوئیں دوچار — ہاتھ سے دل کو تھام لیا اور آہ کی[4]
اس وجہ اشکبار کیا بادۂ پیمبر نے — صورت نہ جسم و جاں میں رہی پوتیا کی[5]

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے انیسہ نے تفسیر و حدیث کا باقاعدہ درس لیا تھا۔ اسی لئے[6] مضامین نعت قرآن و احادیث سے اخذ کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شعر میں مشہور و معروف حدیث نبوی "لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین"[7] (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں

---

[1] ۔ انیسیات ۔ ص ۔ ۸۱

[2] ۔ انیسیات ۔ ص ۔ ۸۳

[3] ۔ انیسیات ص ۔ ۱۸۷ [4] ۔ انیسیات ص ۔ ۲۹

[5] ۔ الجلد الاول من صحیح المسلم : باب وجوب محبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر من الاھل والولد والوالد والناس اجمعین واطلاق عدم الایمان علی من لم یحبہ ھذہ اجتہ صفحہ ۲۹

[6] مشکوۃ المصابیح ۔ صفحہ ۱۲

اسکی نظموں میں اسکے لڑکے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں) کے مفہوم کو انیسؔ اسطرح نظم کرتی ہیں۔

کیسے جاؤں کہ محمد سے زیادہ محبوب ۔۔۔ ماں نہیں، باپ نہیں، شوہر و اولاد نہیں[1]

حدیث نبیؐ "الفقر فخری" اور آیت کریمہ "عزیز علیہ" کو اسی طرح نظم کیا گیا ہے۔

شرح فقر فخری سنایا ۔۔۔ حوصلہ مفلسوں کا بڑھایا
فرق شاہ و گدا سب مٹایا ۔۔۔ سب کو آپس میں بھائی بنایا[2]
صفت جنکی آئی عزیز علیہ ۔۔۔ انھیں حق نے اپنا پیمبر بنایا

انیسؔ کم از کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ اسلامی تاریخ پر ان کو زبردست عبور حاصل ہے۔ اسی لئے وہ تاریخی تلمیحات کے ذریعہ کلام میں ایجاز پیدا کرتی ہیں۔ انھوں نے اپنی نعتوں سے اصلاح قوم کا کام بھی لیا ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ کلام میں واعظانہ رنگ کہیں بھی غالب نہیں آیا۔ بلکہ انداز بیان میں ہر جگہ معروضیت ہے انیسؔ کی نعتوں میں محمور بحولہ بالا خصوصیات کو واضح کرنے کے لئے چند اقتباسات ہدیہ ناظرین ہیں۔

حضرت عیسیٰ نے دی جس کی بشارت کی نوید ۔۔۔ چشم موسیٰ کو تھا جس کا انتظار آ ہی گیا
جس کی خدمت میں سلاطین زمن دینگے خراج ۔۔۔ فقر کے ملبوس میں وہ تاجدار آ ہی گیا
میں نہ بھولوں گا کبھی احسان تیرا یا حبیب ۔۔۔ تجھ سے دل کی بے قراری میں قرار آ ہی گیا

بے کسوں کا سہارا محمدؐ ۔۔۔ درد مندوں کا چارا محمدؐ
دلنشیں و دل آرا محمدؐ ۔۔۔ نام کتنا ہے پیارا محمدؐ[3]

انیسؔ نے اپنی نعتوں میں وصفی انداز بھی اپنایا ہے لیکن ان میں بھی اصلاحی و مصلحانہ رنگ غالب ہے ترکیب کی نشست لائق توجہ ہے، نمونہ ملاحظہ ہو۔

---

[1] انیسیات ، ص ۳۴
[2] انیسیات ، ص ۱۲۲
[3] انیسیات ، ص ۱۲۲

محمد سرور کون و مکاں ہے ۔۔۔ محمد افتخار انس و جاں ہے
محمد رہنمائے گمرہاں ہے ۔۔۔ محمد چارۂ بیمار گاں ہے
وہ صادق معترف تھے جسکے دشمن ۔۔۔ وہ ناطق جسکی الہامی زباں ہے
وہ موصوف علیٰ خلق عظیم ۔۔۔ یہ خود خلاق عالم کا بیاں ہے
وہ محبوب دو عالم جسکی شہرت ۔۔۔ زمیں سے تا بہ ہفتم آسماں ہے[1]

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انیسؔ کے کلام میں الفاظ کے اعتبار سے نظامت، تہ نہی، سادگی اور صفائی کے اعتبار سے سوز و گداز، طبائی بے ساختگی اور برجستگی ہے اصلاحی اور مصلحانہ معروضیت نے کلام کی نظافت اور اسکی تاثیر میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

نوشابہ خاتونؔ

نوشابہ تخلص اور نوشابہ خاتون نام تھا۔ والد کا نام مولوی عبدالحق تھا، جو کہ نائب ناظم اضلاع کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کا مسقط الراس حیدرآباد ہے۔ اور سن ولادت ۱۹۰۲ء ہے۔ آپ نے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ اور پرائیویٹ طور پر پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان اور جامعہ عثمانیہ سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ جامعہ عثمانیہ کی پہلی گریجویٹ خاتون ہیں۔ آپ نے نسواں کالج میں ایک مدت تک عربی لکچرر کے فرائض انجام دیئے شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ دس سال کی عمر سے شعر کہنے لگی تھیں جس میں مرور زمانہ کے ساتھ پختگی آتی رہی۔ آپ کا مجموعہ کلام "موج تخیل" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس کے محتویات میں ہر صنف سخن ہے لیکن مجموعی طور پر غزلیں کم اور نظمیں زیادہ ہیں۔

نوشابہ حالیؔ سے متاثر تھیں۔ اس لئے ان کے کلام میں اصطلاحی و مصلحانہ رنگ کا غلبہ و استیلا ہے شہیدی سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے کلام میں جذبات کی ترجمانی

---

[1] انیسیات ص ۸۱

قابل داد ہے۔ انھوں نے (۲۱) بندوں کا مسدس "ہدیۂ عقیدت بہ حضور حبیب خالق اکبر" کے عنوان سے لکھا ہے۔ نوشابہ کا یہ مسدس ترجیع بند ہے۔ انھوں نے پہلا بند مکمل طور پر بانی اسلام کی خدمت میں درود و سلام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ ہر بند کے چار مصرعوں میں مسدس مضامین نعت نظم کئے گئے ہیں۔ اور ترجیع کا شعر درود و سلام کے لئے وقف ہے۔ مسدس کے خفتہ اشعار میں وصفی انداز بیان بلیغ اور دلاویز تراکیب کے مابین ممور ہے۔ شاعر نے کئی بندوں میں اسوۂ رسول کے مابین تعلیمات نبوی موثر اور دلاویز انداز میں پیش کی ہیں۔ ان بندوں کا اصلاحی اور مصلحانہ رنگ حالی کے "مدو جزر اسلام" کی یاد دلاتا ہے نمونہ کے طور پر چند بند ملاحظہ ہوں

نبی کی روح مطہر پہ ہو درود و سلام — رسول اکرم و انور پہ ہو درود و سلام
اس آفتاب منور پہ ہو درود و سلام — ہمارے ہادی و رہبر پہ ہو درود و سلام
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

وہ آفتاب ہدایت وہ نور صل علیٰ — چراغ محفل آفاق شمع بزم ہدیٰ
ضیائے مجلس عالم رسول رب علا — لقب ہے جن کا شمس الضحیٰ و بدر الدجیٰ
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

سپہر برج شرافت کا نیر توحید — وہ آسمان ہدایت کا اختر توحید
وہ تاج راس سعادت کا گوہر توحید — وہ یعنی بزم صداقت کا سرور توحید
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

نوشابہ کے ان بندوں کو معروضیت جس میں اوصاف نبوی کے مابین اصلاحی عناصر منتشر ہیں۔ قاری وسائع پر ایک خاص اثر ڈالتی ہے۔ مسدس کے زیادہ تر مضامین کتب احادیث اور مقبول و مستند تاریخی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اس قسم کے صرف چند

بند بطور مثال کئے جا رہے ہیں۔

وہ جس نے ظلم کا بدلہ سدا دعا سے دیا — عوض ستم کا تلطف سے اور کرم سے دیا
جو راہ حق سے کبھی ایک قدم نہ پیچھے ہٹا — ہزار جور اٹھائے نہ آیا لب پہ گلہ
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

غلام و بندہ برابر ہیں جس کی ہے تعلیم — نہیں ہے رومی و تازی میں رنگ کی تقسیم
خدا کی ذات ہے بس ایک واجب التعظیم — جھکے نہ خلق کے آگے کبھی سر تکریم
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام

شہ حجاز و عرب، جس کا ٹاٹ بستر تھا — بایں ہمہ جسے گنج شہی میسر تھا
ردائے کہنہ میں ملفوف جسم اطہر تھا — عبائے شاہی تھی تن پر نہ تاج و افسر تھا
حبیب خالق اکبر پہ ہو درود و سلام
ہزار بار پیمبر پہ ہو درود و سلام[1]

نوشابہ نے اپنی نعتوں میں نبی صلعم سے اپنی والہانہ شیفتگی مہذب و مودب عقیدت کو دلنشیں اسلوب میں، اور فراق نبوی میں سوز دروں کو بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کی ان نعتوں میں شہیدی کا رنگ صاف جھلکتا ہے نمونہ ملاحظہ ہو۔

روضۂ پاک میں حسرت یہی مدفن ہوتا — گرمدینہ نہ تھا تسمت میں کہ مسکن ہوتا
ہوتی جاروب کشی مرقد انور کی نصیب — کاش ظلمت کدۂ ہند نہ قدغن ہوتا
حب نبوی جو رگ و پے میں سرایت کرتی — طاہر روح کا طوبیٰ میں نشیمن ہوتا
سایۂ گنبد خضرا جو مجھے مل جاتا — طائر روح کا طوبیٰ میں نشیمن ہوتا[2]
پیروی سنت نبوی کی میسر ہوتی — داغ دل پھر تو مرا لالۂ گلشن ہوتا

---

[1] ۔ موج تخیل صفحات ۲۱ ۔ ۲۲ ، مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن ۱۳۵۷ھ
[2] ۔ موج تخیل صفحات ۱۶ ۔ ۱۷

محترمہ تہنیت النساء بیگم

آپ کا نام تہنیت بیگم اور تخلص تہنیت ہے۔ آپ کے والد نواب رفعت یار جنگ ثانی تھے۔ آپ کا سن ولادت ۱۹۱۱ء ہجری اور جائے ولادت حیدرآباد ہے۔ آپ کا تعلق حب رسول سے سرشار گھرانے سے تھا۔ آپ کے خاندان میں مذہبی رنگ بہت گہرا تھا۔ عشق نبی آپ کو بطور وراثت ملا تھا جس نے آگے چل کر شعری شکل اختیار کر لی۔ اس طرح پر آپ کا عشق دو آتشہ ہو گیا۔ آپ کی والدہ اور آپ کی نانی کو حضور پر نور صلعم سے اس قدر عقیدت تھی کہ دونوں ہی ترک وطن کر کے مدینہ منورہ چلی گئی تھیں۔ وہیں تادم زیست قیام پذیر رہیں۔ اور وہیں انتقال فرما کر مدفون ہوئیں۔ تہنیت صحیح معنوں میں عشق نبی کی متوالی اور قول و عمل میں اسوۂ رسول کی پیروی کرنے والی ایک خدا ترس خاتون ہیں۔ آپ باقاعدہ طور پر شعر کہا کرتی ہیں۔ ان کی شادی ۱۹۳۳ء میں مشہور ادیب اور محقق و نقاد ڈاکٹر محی الدین قادری زور سے ہوئی جس نے علم و ادب کے شوق میں مزید اضافہ کر دیا۔ علمائے فرنگی محل سے بھی آپ کے خاندانی روابط ہیں۔ آپ کی تعلیم محبوبیہ گرلز اسکول میں ہوئی۔ شعر و ادب کا شوق بچپن سے تھا۔ آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت نبوی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ آپ کافی عرصہ تک مدینہ منورہ میں اپنے نانا کے مکان پر مقیم رہیں۔ آپ کا زیادہ تر شعری سرمایہ نعت نبی کا حامل ہے۔ آپ کے کلام کے دو مجموعہ "ذکر و فکر" اور "صبر و شکر" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

بانی اسلام سے شیفتگی اور والہانہ پن کی وجہ سے آپ کی نعتوں میں داخلیت کا وفور ہے۔ یہ نعتیں دل کی گہرائیوں سے نکل کر دل پر بلا کا اثر کرتی ہیں۔ موصوفہ بحیثیت شاعرہ بہت

سنبھل کر اور پوری باخبری اور ہوشمندی کے ساتھ اس راہ پر گامزن ہوئی ہیں۔ انکو بارگاہ نبی کی عظمت و جلالت کا احساس ہے۔ اور راہ نعت کی دشوار گذاری سے بھی پوری طرح باخبر ہیں وہ ایک نعت میں کہتی ہیں۔

تیرا اضطراب اے دل مجھے بے ادب نہ کر دے
ہے یہ بارگاہ اقدس ذرا یاں سنبھل سنبھل کے

نعت گوئی کی صنف میں تہنیت کا مقام کافی بلند ہے۔ ان کا علمی مرتبہ اور انکی وسعت معلومات ان کے نعتیہ کلام کا جزو اعظم ہے۔ اور حب نبی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کا بڑا کمال یہ ہے کہ بادۂ عشق سے سرشار ہونے کے باوجود "باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار" پر ان کا صحیح عمل ہے۔ کلام میں بہت خشوع و خضوع اور اخلاص ہے۔ ان کے یہاں غم جاناں، ذکر شراب، ذکر ساقی، ذکر جام ہے۔ اور ناز و انداز کا بھی تذکرہ ہے لیکن دوسرے شعراء کی طرح اس کی بنیاد مادیت پر نہیں ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں حقیقت اور روحانیت کا حسین امتزاج ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

دل زار کیا کرے گا مرے سینے میں مچل کے
تیرا اضطراب اے دل مجھے بے ادب نہ کر دے
نہیں ایسا میرا ساقی نہ پلائے جو نظر سے
ہمیں اتنا یاد ہے بس کہ حرم سے ہم چلے تھے
یہی تہنیت کی خواہش یہی تہنیت کے ارماں

تیرا کام بس یہی ہے بہے آنسوؤں میں ڈھل کے
ہے یہ بارگاہ اقدس ذرا یاں سنبھل سنبھل کے
وہ شراب ہی نہیں ہے جو بغیر جام چھلکے
یہ کہاں چلا گیا دل مرے سینے سے نکل کے
یونہی نعت کے مضامیں لکھیں ہم بدل بدل کے

نہ ہو قلب و نظر معمور و خرم تہنیت کیونکر
خدا رکھے پیمبر کی محبت جزو ایماں ہے

تہنیت نے دل کے احوال و کوائف شاعرانہ انداز میں پیش کئے ہیں۔ اسی لئے ان کے کلام میں رقت، تڑپ اور جوش کے ساتھ بلا کی سپردگی بھی ہے۔ ایک نعت ملاحظہ ہو۔

مشید ابنائے ہیں دیوانہ کیجئے
جلوہ دکھا کے پھر کوئی پروانہ کیجئے

دنیا میں پر کسی طرح روانہ کیجئے
دل میں ہمارے حشر برپا نہ کیجئے

تڑپائیے، رلائیے سب کیجئے مگر — محروم التفات ہوں ایسا نہ کیجئے
سہ لیں گے تلخیٔ غم دنیا کسی طرح — شرمندہ حشر میں تو خدارا نہ کیجئے
جب ان کی ذات حاصل کل کائنات ہے — کیوں ان کی ذات ہی پہ سہارا نہ کیجئے
الفت جو ہو کسی سے تو ہے مصلحت یہی — مرجائیے مگر کوئی چرچا نہ کیجئے
حب نبی ہے نعمت دارین تہنیتؔ — اس کے سوا کسی کی تمنا نہ کیجئے

تہنیتؔ نے فرسودہ مضامین اور وصفی اظہار بیان میں بھی نعتیں کہی ہیں مگر ان کی ان نعتوں میں بھی داخلیت سوز و گداز تڑپ، اضطراب اور جوش و عقیدت کا دور دورہ ہے۔ ان کا عشق روحانی ہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں تقدس و طہارت اور محبت میں ہمدردی و پاکیزگی موجزن ہے۔ ان کے یہاں غم کا جو احساس پایا جاتا ہے اس سے حیات و کردار میں نکھار آجاتا ہے۔ اور سیرت بلند ہو جاتی ہے کیونکہ شاعر کا محبوب صرف اسی کا نہیں بلکہ کائنات اور خالق کائنات کا بھی محبوب ہے۔ ایک نعت ہدیہ ناظرین ہے۔

مقصود مرا لطف شہ ہر دوسرا ہے — محبوب مرا اصل میں محبوب خدا ہے
وہ باعث تخلیق دو عالم ہے حقیقی — اللہ کی قدرت کا وہی جلوہ نما ہے
وہ نور ازل ہے، وہی خورشید ابد ہے — کہنے کو ہے مخلوق پہ کب حق سے جدا ہے
گزرے ہیں نبی اور ولی تو ہزاروں — رتبہ مرے سرکار کا ان سب سے سوا ہے
میں کیا ہوں زباں میری کرے آپکی توصیف — مداح نبی خالق کل ارض و سما ہے
مسرور نہ ہوں کیونکہ ملی نعت عظمیٰ — پہنچی جو میں اس در پہ مرا لخت رسا ہے
روضہ پہ بلا لیجئے پھر مجھ کو دوبارہ — یہ تہنیت زار کی ہر وقت صدا ہے

مندرجہ ذیل اشعار میں دل سے نکلنے والے کرب بے چینی اور اضطراب سے مجبور آواز ملاحظہ کریں۔

جان کے ساتھ جائیگا یہ غم — کیوں حرم سے چلے آئے تھے ہم
روضہ پاک کی جالیاں ہیں — ادھر ادھر اپنی آنکھیں ہیں پُرنم

انھوں نے جو کچھ کہا ہے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر کہا ہے۔ اس میں خلوص صداقت عقیدت عاجزی، انکساری اور وہ ایمانی جذبہ ہے جو عالی مرتبت بزرگوں اور بلند پایہ عالموں اور زاہدوں کو بھی بہت مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔

تیسرا باب

شمالی ہند کی نعتیہ شاعری ابتدا سے عہد محسن تک

طالب الہ آبادی

شمالی ہند کی شاعری میں اردو کے پہلے شاعر ملا داؤد کے بعد کوئی قابل ذکر شاعر ملک محمد جائسی تک نظر نہیں آتا۔ ملک محمد جائسی بابر کے عہد کا شاعر ہے۔ شمالی ہند میں اردو کے ارتقاء کے مسئلے میں بابر کا حملہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ بابر نے ۹۳۲ھ ۱۵۲۶ء کے حملہ کے بعد دلی کا تخت حاصل کیا تھا۔ بابر فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھا۔ اس نے اردو سے بھی ربط پیدا کیا تھا۔ چنانچہ اس کی تصانیف میں اردو الفاظ اور اردو امثال کثرت سے ملتے ہیں۔ اس نے ایک شعر اردو الفاظ اور اردو امثال استعمال کرتے ہوئے اس طرح کہا ہے[۲]

مجکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک و موتی　　فقر اہلیفہ بس بولغو سید در پانی وردتی

اردو عوام سے قریب ہوتی گئی۔ وہ ہمایوں کے عہد میں بہت حد تک اپنی جڑیں عوام میں راسخ کر چکی تھی۔ ہمایوں نے ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء میں بہادر شاہ والیٔ مالوہ و گجرات پر فتح حاصل کی۔ بہادر شاہ کی شکست میں رومی خاں کی غداری اہم مقام رکھتی ہے۔ ہمایوں کو مال غنیمت میں ایک طوطا بھی حاصل ہوا تھا۔ دربار میں طوطے کا پنجرہ رکھا ہوا تھا۔ جب رومی خاں دربار میں داخل ہوتا تو طوطا اس کو دیکھ کر چلانے لگا۔

---

[۱] ۔ حکیم عبدالحئی نے اس شعر کو یوں لکھا ہے۔ "مجکا نہ ہوا کچھ ہوس مانک و موتی"
فقر اھلیفہ بس بولغو سید در پانی ورلی گلی رعنا حکیم عبدالحئی صفحہ ۸
طبع چہارم ۱۳۷۱ھ معارف اعظم گڈھ

[۲] ۔ داستان تاریخ اردو ۔ حامد حسن قادری ص ۔ ۲۲

"پھٹ پانی روی خاں نمک حرام، پھٹ پاپی روی خاں حرام"[1]

یہ چھوٹے سے جانور کے منھ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں مگر بین السطور کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عوام و خواص سبھی اردو بولنے لگے تھے۔

نعت گوئی سودا سے قبل

شمال ہند کی شاعری میں فیروز شاہی عہد کے مشہور نعتیہ شاعر ملا داؤد کے بعد بابر اور شیر شاہ صوری کے عہد میں ملک محمد جائسی عوامی زبان کے افق پر مہر تاباں بن کر چمکے ہر مسلم شاعر مذہبی عقیدت کی بنا پر نعت بھی ضرور لکھتا تھا لیکن یہ سارے ذخائر نثر گمنامی میں پڑے ہیں۔ یا ضائع ہو گئے ہیں۔ دستیاب مواد کی بنا پر ملا داؤد شمالی ہند ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے پہلے نعت گو شاعر قرار پاتے ہیں۔ شمالی ہند کے دوسرے نعت گو شاعر ملک محمد جائسی ہیں۔ جو ہندی شاعری کی بھکتی تحریک کے اس طبقہ سے متعلق ہیں۔ جو پریم مارگی شاخ سے منسلک ہے وہ پریم مارگی شاخ میں نرگن وادی شعرا کے زمرے میں آتے ہیں۔ نرگن وادی شعرا خدا کی پرستش میں اصنام پرستی کا سہارا نہیں لیتے۔ بلکہ وہ خدا کو مادی پیکر کے بجائے نور مجرد مانتے ہیں۔

ملک محمد جائسی

محلہ کنچانے قصبہ جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے عہد کے مشہور صوفی محی الدین کے معتقد اور پیرو تھے۔ شیخ محی الدین کا سلسلہ مخدوم اشرف جہانگیر سے ملتا ہے۔ جو چشتی خانوادے سے منسلک تھے۔ جائسی بچپن ہی سے خدا ترس واقع

---

[1] ۔ داستان تاریخ اردو ۔ حامد حسن قادری ۔ ص ۔ ۲۲

حکیم عبدالحئی نے واقعہ یوں بیان کیا ہے۔ کہ ہمایوں بادشاہ بہادر شاہ کے طوطے کی حیرت انگیز باتیں سنکر دنگ ہو رہا تھا کہ روی خاں بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ ہمایوں نے فرمایا۔ "بیا ئید روی خاں"

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہوئے تھے۔ وہ ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ کھانا گھر سے کھیت پر منگوا کر کھاتے تھے انھوں نے کبھی بھی کھانا اکیلے نہیں کھایا بلکہ قریب میں جو کوئی دکھائی دیتا تھا اس کو دسترخوان کا ساتھی بنا لیتے تھے۔ والدین کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ دنیا سے بددل ہو کر انھوں نے فقیروں کا سا بھیس بنا لیا اور میٹھی سے دو میل دور ایک جنگل میں رہنے لگے۔ اور وہیں ان کی وفات ۱۴ رجب ۹۴۹ھ میں ہوئی۔ جائسی نے تین تصنیفات بطور یادگار چھوڑیں۔ انکی تینوں تصنیفات: پدماوت، اکھراوٹ اور آخری کلام، میں نعتیں ملتی ہیں۔ جائسی کو شائستگی اسلام سے کافی شیفتگی و عقیدت تھی۔ وہ اپنی نعتوں میں جادۂ اعتدال سے نہیں ہٹے۔ انھوں نے مضامین نعت قرآن و احادیث صحیحہ سے مستعار کئے ہیں۔ ان کے یہاں تلمیحات کا بکثرت استعمال ہے۔

جائسی نے پدماوت کے لکھنے کا آغاز ۹۴۷ھ میں کر دیا تھا جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

سنہ نو سے سینتارس آہے — کتھا اُریہ بین کب کہے[2]

(سن نو سو سینتالیس ہجری تھے۔ جب داستان کہنے کی فکر اور قصہ بیان کرنے لگا)

انھوں نے پدماوت کو شیر شاہ صوری کے عہد میں ۹۴۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔ پدماوت میں حمد و نعت و منقبت کے بعد شیر شاہ صوری کی تعریف ہے۔ اور اس کے بعد اصل قصہ بیان کیا گیا ہے۔ پدماوت میں عربی و فارسی کے الفاظ بکثرت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ تصنیف مثنوی کے طرز میں ہے۔ تمام مخلوق سات چوپائیوں کے بعد ایک دوہا لاکر کی

(بقیہ صفحہ ۲۳۶) اس کا نام سنتا تھا کہ طوطا چیخنے لگا۔ پھٹ روی خاں حرام خور، پھٹ روی خاں حرام خور" گل رعنا۔ حکیم عبدالحئی ص ۔ 19

[1] ۔ ہندی ادب کی تاریخ : ڈاکٹر محمد حسن ص ۔ ۸۵

[2] ۔ پدماوت بھاکھا ۔ مترجم مصنفہ ۔ ملک محمد جائسی۔ مترجمہ منشی شیخ احمد علی رسا۔ صفحہ ۲۳۔

مطبوعہ ۔ ۱۲۸۶ ہجری ۔ ۱۸۶۹ء

گئی ہے ۔ اس کی زبان عام فہم ہے اگر "معراج العاشقین" اور "کدم راؤ پدم راؤ" مصنفہ فخر دین نظامی اردو کی اولین تصنیفات ہیں ۔ تو پدماوت یقیناً اردو کا قدیم نقش اور شمالی ہند کی دوسری دستیاب منظوم تصنیف ہے ۔ مصنف نے اپنی اس تخلیق کو فارسی رسم الخط میں لکھا تھا ۔

پدماوت میں شامل نعت کا ایک بیت حمدیہ بند کے مابین ہے ۔ اور گیارھویں بند کے سبھی ابیات پیغمبر اسلام کی نعت میں ہیں ۔ شاعر نے نعت نبی ایجازی انداز بیان میں ، لفظی، صوری کا معنوی محاسن سے مزین کر کے پیش کی ہے اس نے نعتیہ مضامین قرآن و احادیث سے اخذ کئے ہیں ۔ "انا ارسلناک رسولاً" "ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جہنم خلدین فیھا" "ان اللہ تعالے اخلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ"

آیات و احادیث [illegible] کے بیان و اوضیح نعت کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ حمدیہ بند کا محولہ بالا بیت اور نعت کا متذکرہ بالا گیارہواں بند ملاحظہ ہو ۔

کینھس پرتھم جوت پرگاسو کینھس تینہ پریت کیسو سو

(کیا پہلے ایک نور کو ظاہر ۔ پھر پیدا کیا بسبب اس محبت کے عرش و کرسی)

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(تعریف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی)

کینھس ایک پرکھ نر مرا نانوں محمد چوسنیں کرا

(پیدا کیا ایک شخص روشن ذات ۔ جس کا نام پاک محمد چودھویں رات کا چاند ایسا)

پرتھم جوت بدہ تنہکے ساجی او تنہہ پریت ششت اوپرا جی

(پہلے اللہ تعالیٰ نے نور اوسیکا سنوارا ۔ پھر اسی کی محبت سے سارا عالم پیدا کیا)

دیپک ایس جگت کنہ دینھاں بھانیر مل جیک مارکھ چینھاں

(ایسا چراغ سارے عالم کو عطا کیا ۔ کہ روشن ہو گیا جہاں اور راہ پہچان لی)

جو نہوت اس پرکھ اجیارا سوجہ نیرت پنتھ اندھیارا

(جو نہوتا ایسا شخص روشن ذات ۔ ہرگز نہ نظر آتی راہ تاریک)

دوسرا ٹھانوں دئی وئی لکھی بھئے دہر میں جنہہ پارہت سکھی

(دوسری سطر میں خدا نے انکا نام لکھا ۔ وہی ایماندار ہے جس نے اونکا کلمہ پڑھا)

اُمت بیٹھ دئی وئی کینھین دؤ وجگ تیرا نانوں وہ لینھین

(امت کا پیغمبر خدا نے اون کو کیا ۔ دونوں جہاں تیرا نام اونکالے کر)

جنہہ نالینہہ جرم سو نانوں تاکنہ کینہ نرکہ منہ ٹھاؤں

(جس نے نہ لیا اپنی عمر میں یہ نام پاک ۔ اوس کا کیا خدا نے دوزخ میں ٹھکانا)

گن اوگن بدہ پوچھب ہو یہ لیکہ او جوکہ

(ہنر اور عیب خدا پوچھے گا ۔ ہوگا یہی کتاب اور حساب)

ونہ نبوت آگیں ہوے کرت جگت کرموکہ!!

(وہ ذات پاک شفاعت کریگا آگے ہو کر ۔ اور کراویگا جہاں کے نجات)

ملک محمد جائسی نے اپنی تمام تصنیفات فارسی رسم الخط میں لکھی تھیں ۔ اکھراوت مصنفہ ۹۱۱ ھجر ۔ ۱۵۰۵ء کی شمول نعت میں نور نبی صلعم کا باعث تنویر عالم ہونا آپ کی ذات و الاصفات کا سبب تخلیق کائنات ہونا وغیرہ مضامین پر طبع آزمائی کی گئی ہے ۔ نمونہ ملاحظہ ہو ۔

اپس جو ٹھاکر کیا اک داؤں پہلے رچا محمد ناؤں

تیہ کے پرتبی بیچ اس جاما بھئے دوئی ہر چھپت اوساما

ہوتے نہ ہوا بھئے دوئی پاتا بیتا سرگ اور دھرتی ماتا

سورج، چاند، دوس اور راتی اکہی دوسر بھئیو سنگھاتی

---

۱ ۔ پدماوت مترجم پنجابی فکر عارف آگاہ طرہ بند دستار حقیقت شناسی حضرت ملک محمد جائسی ص ۲ و ۱۱ مطبع شعلہ واقع بندہ کانپور

مترجم شیخ احمد علی رسا ۔ ۱۲۸۶ ھجر

چلی سو بھئی دو پھارا برچھ اک اپنی دونی ڈارا
بیٹھی جائی پنی او پاپو دکھ او سکھ آنند سنتا پو
اوتب بھئے کھ بیکنھوٹ بھل او مند، ساچ او جھوٹھ
نور محمد دیکھی تب بھا ہلاس من سوئی[1]
بنی ابلیس سینچا دیو ڈرت رہے سب کوئی

ملک محمد جائسی نے آخری کلام ۹۳۶ھ مطابق ۱۵۲۸ء و ۱۵۲۹ء کے قریب بابر کے عہد میں لکھی تھی۔ مصنف نے حمد و نعت کے بعد بابر کی مدح لکھی ہے۔ حمد کے اشعار میں تلمیحات کا بکثرت استعمال ہے خصوصاً قرآنی تلمیحات کلام کے انجاز میں چار چاند لگاتی ہیں۔ آخری کلام کا ساتواں بند نعت رسول پر مشتمل ہے۔ نعت میں اساسی اہمیت اسم محمدؐ کے مقدم بالزماں ہونے اور محمدؐ کے سبب تخلیق کائنات ہونے کو حاصل ہے اس ضمن میں اس نے اپنا یہ عقیدہ نظم کیا ہے جس نے محمد صلعم کو نہیں مانا اور آپکا نام زندگی میں نہیں لیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ کیونکہ وہ ہدایت کے قائل تو بہت سے لوگ ہیں لیکن جنت کی تخلیق ان لوگوں کے لئے ہوئی ہے جو محمد الرسول اللہ کو مانیں یہ نہ ملاحظہ ہو۔

رتن اک دیپھی نے اپارا ناؤں محمد جگ اجیارا
پچاری بھیت چھپیں دس جگ موتی ماٹھ دیپے منہ مانک جوتی
جوہت سرجا سات سمندا ساتھو دیپ بھئے اک بندا
ترپر چودہ بھون اسارے پنچ پنچ کھنڈ بکھنڈ سنوارے
دھرتی اوگری میرو پہارا سرگ چاند سورج اوتارا
سہس اٹھارہ دنیا سریں آوت جات جاتر اکریں
جنی نہیں لینھ جنم منھ ناؤں تیہی کہں کینھ نرک ماں ٹھاؤں

سو اس دیوانہ راکھا، جیہی کارن سب کینھ
دیوں تم کاہ محمد اہی پرتھوی چھت دینھ[2]

---

[1] ۔ جائسی گرنتھاولی ص ۳۰۴، ۳۰۵ ۔ [2] ۔ جائسی گرنتھاولی ص ۳۴۱

ولی نے دلی آکر شمال و جنوب کی حدود ایک کر دیں اور بقول حاتم ۱۱۳۳ھ میں ولی کے دیوان[1] نے شمالی ہند کے فارسی شعراء میں سے قزلباس خاں امید، سلیمان قلی خاں، مرتضیٰ قلی خاں فراق، میرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خاں آرزو کو اردو کی طرف مائل کیا۔ اور وہ اردو زبان میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ اور یہ زبان اردو نے معلی کا خطاب حاصل کر کے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئی[2]۔ ولی کے معاصرین میں سے آبرو، حاتم، ناجی، مضمون، مرزا مظہر جان جاناں نے اس زبان میں پختگی پیدا کر دی دکن میں نعت ارتقائی مراحل طے کر چکی تھی۔ دکن کے شعری سرمایہ میں مثنوی، غزل اور قصیدہ کی ساخت میں کافی جاندار نفیس ثبت ہو چکی تھیں مضامین کے اعتبار سے بھی دکن میں نعتیہ شاعری ہمہ جہتی ترقی کر چکی تھی شمالی ہند کے شعرائے نعت نے نعتیہ زبان کو صاف ستھرا کرنے میں کافی تعاون کیا۔ ولی کی شاعری میں صفائی اور سادگی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اور اس میں بندشیں اور پابندیاں نہیں کے برابر تھیں۔ دکن کے معاصرین ایہام گوئی کے بہت شائق تھے۔ فارسی زبان کی مہارت نے مضمون آفرینی اور رنگین بیانی میں خاص انہماک پیدا کر دیا تھا۔ ایہام گوئی کا رواج ہندی ادب کے ریتی کال کی شاعری اور دکنی روایات کے ملے جلے تاثر سے ہوا۔ انہی وجوہ کی بنا پر سودا کی نعتیں الفاظ کے طمطراق مضامین کی دقت پسندی اور تراکیب کے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے ایک ایسا منفرد رنگ رکھتی ہیں جس کی مثال ماقبل کی شاعری میں مفقود ہے۔

سودا سے قبل شمالی ہند کے متقدمین شعرا کے یہاں نعت کے دو ایک شعر تبرکاً ملتے ہیں۔ لیکن سودا کے ہاں نعت گوئی ایک صنف سخن کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کی نعت میں کیف، خلوص کے ساتھ شیفتگی و عقیدت ہے۔

---

[1] ۔ مطالعہ سودا : ڈاکٹر غلام حسین ص ۔ ۲۱۰

[2] ۔ تاریخ ادب اردو : رام بابو سکسینہ ص ۔ ۸۱

سودا کا دور

سودا ولادت ۱۱۱۹ھ ۔ وفات ۱۴ رجب ۱۱۹۵ھ مجر۔ ۷۔۱۷۸۲ء ـــــ ۲۷ جون ۱۷۸۱ء[1] ۔ مرزا محمد رفیع نام اور سودا تخلص ہے ۔ آبائی پیشہ سپہ گری تھا مگر سودا کے والد مرزا محمد شفیع نے سپہ گری کا پیشہ ترک کر کے پیشۂ تجارت اختیار کر لیا۔ گمان یہ ہے کہ مرزا محمد رفیع نے آبائی پیشہ کی مناسبت سے اپنا تخلص سودا رکھ لیا۔ سودا کی والدہ مشہور وقائع نگار نعمت علی خاں کی صاحبزادی تھیں حسن و جمال کا لطیف احساس طبیعت کی نفاست حسن کے مادی و ارضی روپ سے تعلق خوش باشی، سلیقہ مندی مرزا کو وراثتہً ملی تھیں۔ سودا اولاً بہادر شاہ کے لشکر میں سپہ گری کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ بعد میں سپہ گری کی جگہ شاعری نے لے لی۔ سودا نے اپنی شاعری کی ابتدا فارسی سے کی۔ مرزا محمد زماں عرف سلیمان قلی داؤد سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اور خان آرزو کی صحبت سے بھی مستفیض ہوئے۔ ریختہ میں شاہ حاتم کے شاگرد تھے۔ ریختہ گوئی نے سودا کی شہرت کے دامن کو دامن قیامت سے وابستہ کر دیا۔ سودا کی شاعرانہ شخصیت کی تعمیر دہلی کے قیام کے دوران ہو چکی تھی۔ میر، قائم اور گردیزی کے بیانات کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ وہ ۱۱۶۸ھ سے قبل سرسبد شعرائے ریختہ میں مشمول ہو گئے تھے۔ ۱۱۶۸ھ یا ۱۱۷۳ھ میں نواب عماد الملک اور شاہ درانی کے ہمراہ فرخ آباد گئے۔ جہاں احمد خاں بنگش والیٔ فرخ آباد نے ان کو روک لیا۔ ۱۱۸۵ھ میں والیٔ مذکور کی وفات کے بعد سودا فرخ آباد سے بھد شجاع الدولہ فیض آباد پہونچے اور جب آصف الدولہ نے پایۂ تخت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل کیا تو سودا اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھنؤ چلے آئے۔ شخصیت، مزاج اور کردار میں پختگی آجانے کی وجہ سے سودا لکھنؤ سے بہت کم متاثر ہوئے۔ لیکن ان کے کلام کی صناعی زبان و صحت زبان کا خیال خارجیت اور نشاطیہ عناصر لکھنویت کے لئے

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم ۔ (حصہ دوم) از ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۶۴۹

[2] ۔ مطالعہ سودا ۔ ڈاکٹر محمد حسن ص ـــ ۱۵

موزوں ثابت ہوئے ۔ بالآخر انھوں نے اپنی زندگی کے آخری دن پورے کرنے کے بعد ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا۔ اور لکھنؤ کے امام باڑہ آغا باقر میں دفن ہوئے۔

سودا نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کے ساتھ نعت گوئی کے میدان میں بھی کامیابیاں مقام حاصل کیا۔ انھوں نے قصیدہ، غزل اور مثنوی کی ہیئت میں اچھی نعتیں کہی ہیں۔ سودا کی تخلیقات میں ۵۳ قصائد ملتے ہیں، جن میں سے دو نعتیہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ ان کا ایک قصیدہ مکمل طور پر نعت میں ہے۔ اس قصیدہ کے قوافی "نصرانی" اور "طغیانی" وغیرہ ہیں۔ قصیدہ نگاری میں سودا کی شخصیت مسلّم ہے۔ تمام نقادان ادب اس رائے سے متفق ہیں۔ کہ سودا کے قصائد اردو زبان میں لاثانی ہیں۔ میر تقی میر نے انھیں سرآمد شعرائے ہندی[1] میر حسن نے انھیں قصیدہ و ہجو میں "صاحب ید بیضا"[2] اور شفیق نے ان کے صریر کلک کو "ہمدم اعجاز مسیحا"[3] کہا ہے۔ مصحفی کے خیال میں "وہ قصیدے کے نقاش اول ہیں"[4]۔ صاحب گلشن ہند کے نزدیک "قصیدہ تو ختم مرزا سودا پر ہوا"[5]۔ امداد امام اثر کے خیال میں "۔۔۔۔ اگر سودا نہ ہوتے تو اردو قصیدہ کو زیر بحث لانا بھی فضول ہوتا"[6]۔ اور لالہ سری رام کی رائے ہے کہ "اردو میں قصیدہ گوئی کا موجد اگر کسی کو کہہ سکتے ہیں تو وہ صرف مرزا کی ذات ہے۔ جن کے زور قلم نے عالم سخن میں دھاک بٹھا دی۔ مقطوع الجواب قصائد سن کر مخالفین نے بھی ان کا لوہا مان لیا"[7]۔ مولوی عبدا کا خیال ہے کہ "۔۔۔۔۔ قصیدوں میں وہ واقعات کو اس

---

[1] ۔ نکات الشعراء : میر تقی میر ۔ مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی صفحہ ۴۸ اشاعت اول جنوری ۱۹۷۲ء

[2] ۔ تذکرہ شعرائے ہند : میر حسن ص ۔۔۔ ۱۱۳

[3] ۔ چمنستان شعراء : لالہ لچھمی نرائن شفیق ۔ ص ۔۔۔ ۳۲۸

[4] ۔ تذکرہ ہندی ۔ مصحفی ص ۔۔۔ ۱۲۵

[5] ۔ گلشن ہند : مرزا علی لطف ص ۔۔۔ ۱۵۳

[6] ۔ کاشف الحقائق جلد دوم ۔ امداد امام اثر ص ۔۔ ۲۲۸

[7] ۔ مخزن جاوید جلد چہارم ۔ لالہ سری رام ص ۔۔۔ ۲۶۴

بے تکلفی اور سادگی سے نظم کرتے ہیں۔ کہ دوسرا شخص مثنوی میں بھی اس طرح سے نظم نہیں کرسکتا۔[1] اور مولانا عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ "اردو قصیدہ نگاروں میں سودا سب کے سرخیل ہیں۔"[2]

سودا نے مثنوی کی شکل میں کئی نعتیں لکھی ہیں۔ انھوں نے ایک نعت مثنوی "قصۂ درعشق پسر شیشہ گر بزرگر بطور ساقی نامہ و دیگر حکایت" کے تحت لکھی ہے۔ اس مثنوی کا آغاز "شیخ و دعا یا و شاہ" سے کیا گیا ہے۔ اس کے بعد "در توحید جناب باری" میں ۴ اشعار کہہ کر "در نعت سید المرسلین" میں نعت کے ۲۰ ابیات کہے گئے ہیں۔ سودا نے اس نعت میں صوفی انداز بیان اختیار کیا ہے۔ نبی صلعم کے اوصاف کا بیان بہت موجز اور دلاویز ہے۔ سودا نے محمد صلعم کو باعث ایجاد فلک، علت غائی تولاک، شاہد کنت کنزاً، عالم علم آگہی بمشیر عالم غیب، راز دار حق، سالار رسل، ماہر جزو کل، سزاوار مسند نبوت اور پناہ رہبری دو عالم کہا ہے۔ وہ اسی نعت میں تولاک کے مضمون میں جدت اور تازگی پیدا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

نہ پیدا خاک سے ہوتا جو وہ پاک — نہ پھرتے آسماں گرد سر خاک[3]

شاعر کا خیال ہے کہ گناہ کمیت اور کیفیت میں چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، آپ کی بخشش کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کی زبان مبارک سے لفظ بخشش نکلتے ہی آپ کی امت کے گنہگاروں کے پیچھے جنت دنبال کی طرح گھومنے لگے گی۔ بیان کی شاعرانہ ندرت ملاحظہ ہو۔

ہمیں کیوں کر نہ رحمت پر یقین ہو — کہ جب ایسا شفیع المذنبین ہو
جہاں بخشش پہ ہو اس شاہ کا حکم — رکھے کوہ گنہ واں کاہ کا حکم

---

[1] ۔ گل رعنا حکیم عبدالحئی ۔ ص ۔ ۱۴۸

[2] ۔ شعر الہند ۔ حصہ دوم مولانا عبدالسلام ص ۳۴۸ ۔ مطبع معارف اعظم گڈھ ۔

[3] کلیات سودا ۔ جلد دوم ص ۶۰ ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۹۳۲ء

وہ بیٹھے جب صف محشر کے آصدر — وہ دنبالی سے آمرزش ہو بیقدر[1]
زباں پر اس کے جب بخشش ہے ہو قال — پھرے جنت گنہگاروں کے دنبال

سودا کی نعتوں کی یہ خامی ہے کہ اس کے مضامین نعت افراط تفریط سے پر ہیں۔ وہ وفور جذبات سے سرشار ہو کر اپنے اشہب شاعری کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے اور اس کا دل واقعیت و شریعت سے بے نیاز ہو کر کام کرنے لگتا ہے۔ اس نے ایک شعر میں احمد بلا میم کے مضمون کا انتساب حضور صلعم کی ذات گرامی سے کرتے ہوئے کہا ہے۔

لیا جب نام پاک اپنا بہ حیظم — یہ فرمایا انا احمد بلا میم[2]

اس نے ایک شعر میں عبدیت کو الوہیت میں مدغم کرتے ہوئے حدیث نبوی "من رانی فقد رای الحق" کا مفہوم غلط تبلایا ہے اور اپنے باطل نظریہ کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے۔

اوسکی ذات سے اثبات حق ہے — کہ اوسکی ذات عین ذات حق ہے[3]
خدا کا اسکو ہم سمجھیں نہ ثانی — پر اس سے ہے حدیث من رانی

سودا نے ایک مقام پر بانی اسلام کی تعریف میں انبیائے سابقین کی تنقیص کردی ہے۔ اور آپ کے اصحاب کو انبیائے ماسبق سے افضل تبلاتے ہوئے کہا ہے۔

کرے جو ہمسری اوس سے کسے تاب — کہ نبیوں سے ہیں بہتر اوس کے اصحاب[4]

شاعر نے اصحاب نبی کی توصیف میں اپنے عقاید کا برملا اظہار کرتے ہوئے نعت کے میدان میں اپنی عجز بیانی کا اعتراف اس طرح کیا ہے۔

غرض طاقت کسے وصف و ثنا کی — سوا اوسکے رسول مجتبیٰ کی

---

[1] ۔ کلیات سودا ۔ جلد دوم صفحہ ۶۰ ۔ ۶۱

[2] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۶۰

[3] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۶۰

[4] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۶۱

نہ ہوگا نہ ہوا ہے مصطفےٰ سا وصی جس کا علی مرتضیٰ سا[1]

شاعر نے مثنوی پنجم "در بیان بیت مثنوی مولوی روم" میں کئی منظوم حکایات لکھی ہیں۔ اس نے "در حمد باری تعالیٰ" کے تحتی عنوان میں ۱۱۱ اشعار کہہ کر "در نعت سید المرسلین" کے تحت ۱۰ ابیات کہے ہیں۔ شاعر کو راہِ نعت کی دشوار گذاری کا خود بھی احساس ہے چنانچہ وہ نعت کے آغاز میں کہتا ہے۔

الا اے ساقیِ فرخندہ جام ادب کی مے سے تو آتش کا بھر جام
کہ یاں نقدِ فضولی نارواہے نہیں یہ حمد نعت مصطفےٰ ہے[2]

اس نے سرورِ کائنات صلعم کو "سرورِ فترارباب ملت" اور "تداوی بخش صد انواعِ علت" سے متعارف کراتے ہوئے "لولاک لما خلقت الافلاک" کا محبوب و پسندیدہ مضمون نظم کیا ہے۔

جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا ہوا اس کے لئے سب کچھ یہ پیدا
غرض جو کچھ کہ اس کا مرتبہ ہے خدا ہی عالم اس کا بخشندا ہے[3]

شاعر نے نعتیہ شاعری میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ اور سکوت کو "عجزِ سخن کی عیب پوشی" میں بہتر قرار دیتے ہوئے نعت کو ختم کر دیا ہے۔

یہ منھ اس کی ثنا لائق نہیں ہے ثنا گردان کا جبریل امیں ہے
بس اب بہتر ہے اس جا کہ خموشی کہ ہو عجزِ سخن کی عیب پوشی
سکوت بر محل ہے دل کی تفریح سخن پر اس کو سو درجہ ہے ترجیح[4]

سودا کی ان مثنویوں پر غائر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مثنویوں میں قصیدہ کے عناصر کا وفور ہے۔ اکثر مثنویوں میں تو تشبیب و گریز کا بھی احساس ہوتا ہے۔ بر سبیل

---

[1] ۔ کلیات سودا ۔ جلد دوم صفحہ ۶۱
[2] ۔ " " " صفحہ ۸۶
[3] ۔ " " " صفحہ ۸۶ یہ مثنوی درحقیقت سودا کے شاگرد قائم چاندپوری کی مصنفہ ہے۔ آزاد ۔ [4] کلیات سودا ۔ جلد دوم صفحہ ۸۶

مثال اس کی آخر الذکر مثنوی کو ملاحظہ فرمائیں۔ تو صاف معلوم ہوگا کہ اس کا پہلا بیت تمہید کے طور پر ہے اور دوسرا بیت اصل مقصد کی طرف ایک لطیف گریز ہے۔ اوّل الذکر عشقیہ مثنوی معنون بہ "مثنوی قصۂ پسر شیشہ گر" مثنوی کی روایت پر پوری اترتی ہے۔ ابتدا، آغاز، قصہ اور خاتمہ پر ہر جگہ فارسی اور اردو کی نمائندہ مثنویوں کی روایت کا التزام کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی مثنوی کے نعتیہ اشعار میں انداز بیان قصیدہ جیسا ہو گیا ہے۔ اس میں وہی تمکنت، وہی طمطراق، فارسی الفاظ و تراکیب کا وہی غلبہ اور مدح کا وہی مبالغہ آمیز اسلوب ہے۔ جو اشہب تخیل کو مطلق العنان کر دیتا ہے۔ اور بنیادی شعور تحت الشعور میں جا کر معدوم ہو جاتا ہے۔ شاعر کو یہ بھی احساس نہیں رہتا کہ اصحاب نبی اپنی بیکراں عظمت کے باوجود نبیوں سے بہتر نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر سید محمد عقیل درست لکھتے ہیں۔

"سودا کی مدحیہ مثنویاں بالکل قصیدہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ سودا اس کے کردیف و قافیہ میں مثنوی کا التزام ہے اور کہیں سے مثنویت ان میں نہیں پائی جاتی۔ وہی مبالغہ کی بھرمار، وہی زور شور، اکثر الفاظ کا انتخاب بھی قصیدہ جیسا ہوتا ہے مگر مغلق گوئی الفاظ سے کم خیالات کے دز یعہ زیادہ ہوا کرتی ہے[1]"

سودا نے کئی مذہبی قصیدے لکھے ہیں۔ جو جذبہ کی صداقت اور شیفتگی کے وفور میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ ان قصیدوں میں ان کے دل کی دھڑکنیں شامل ہیں۔ ان کی مطبوعہ کلیات میں ایک قصیدہ نعت پر ہے۔ اس قصیدے میں ۱۴۸ اشعار ہیں۔ مطلع اول کے تحت ۱۱۴ اشعار اور مطلع ثانی کے تحت ۳۴ اشعار ہیں۔ قصیدے کے تشبیب میں صنعتی خیالات کے تحت کائناتی صداقتیں نظم کی گئی ہیں۔ اس قصیدے کا مطلع ہے۔

---

[1] ۔ اردو مثنوی کا ارتقاء (شمالی ہند میں)
ڈاکٹر سید محمد عقیل صفحہ ۸۵

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنّار تسبیح سلیمانی

پوری تشبیب میں اصلاحی و مصلحانہ رنگ غالب ہے۔ شاعر نے اخلاق حسنہ کو اپنانے پر زور دیا ہے۔ انداز بیان شاعرانہ ہے۔ صنعت حسن تعلیل اور قول بالموجب کا لطیف استعمال ہے۔ مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ زیور ہنر سے آراستہ ہونے کے بعد جب لباس ترک کئے جاتے ہیں۔ تبھی رونق آتی ہے کیونکہ تلوار میں اگر جوہر نہیں ہیں تو پھر اس کا نیام میں رہنا ہی بہتر ہے۔ جوہر دار تلوار ہی برہنہ اچھی لگتی ہے حضرت خضر قیامت تک زندہ رہیں گے۔ شاعر حضرت خضر کی طولانی عمر کی شاعرانہ وجہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ حضرت خضر کی طولانی عمر کا راز ان کی خلوت پسندی میں نہاں ہے۔ اس لئے اس شخص کو جو بہت دنوں تک جینا چاہتا ہے علائق دنیوی کو زیادہ سے زیادہ منقطع کرنا ہوگا۔ شاعر نے تشبیب کے ایک شعر میں یہ کائناتی صداقت نظم کی ہے۔ کہ زمانہ نے تیرہ روزی کو ظالموں کے لئے زینت بنا دیا ہے۔ شاعر نے مصرع ثانی میں تشبیہ کا سہارا لیتے ہوئے اس کی یہ شاعرانہ وجہ بیان کی ہے کہ صفا بانی سرمہ کی سیاہی معشوق کی آنکھوں کو زینت بخشتی ہے بحر حال بحث نعتیہ قصیدے میں مطلع ثانی کے تحت دوبارہ تشبیب کہی گئی ہے۔ مطلع ثانی رقم ذیل ہے۔

عجب ناداں ہیں جنکو ہے عجب تاج سلطانی فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

مطلع میں صنائع و بدائع کا برجستہ و بے ساختہ استعمال ہے۔ "عجب اور عُجب" میں صفت تحرّف اور پورے مطلع میں صفت مراعاۃ النظیر اور حسن تعلیل کا حسین استعمال ہے۔ اس تشبیب میں واعظانہ صداقت سے معمور مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ اور اصلاحی رنگ غالب ہے۔ تخلیص کے اشعار میں برجستگی اور اختصار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سمجھ اے عاقبت نا فہم کب تک یہ بیاں ہوگا ادائے حسن پیشانی و لطف زلف طولانی
خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل ان کے خم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہوئے صعب یا کھینچے پریشانی

اس کے بعد اس نے مدحیہ اشعار کہے ہیں۔ مدح کے پہلے ہی شعر میں واقعۂ معراج کا سہارا لے کر نعت کے مضمون کو دلآویز بنایا گیا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

زہے دین محمد پیروی میں اس کے جو ہوئے رہے خاک قدم سے اس کی چشم عرش نورانی

شاعر کا خیال ہے کہ اگر حضرت آدم کی پیشانی نور محمد کی رہین نہ ہوتی تو فرشتے ہرگز حضرت آدم کو سجدہ نہ کرتے۔ شاعر نے مدحیہ اشعار میں بانیٔ اسلام کے باعث تخلیق کائنات ہونے اور شفیع المذنبین ہونے سے متعلق مضامین نظم کر کے آپ کی سعادت پر مختلف زاویوں سے نگاہ ڈالی ہے۔ اس سلسلے کی کاوشات میں درج ذیل شعر اساسی حیثیت رکھتا ہے۔

رکھا جب سے قدم مسند پہ آ ان نے شریعت کا کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی

شاعر کے خیال میں آپ کی انصاف پسندی کی وجہ سے بچۂ کبوتر کی آشیانہ بازیں پرورش و پرداخت ہوتی ہے۔ گڈریے نے گلہ کی نگہبانی بھیڑیئے کے سپرد کر دی ہے۔ اور چیونٹی سینہ دو میں چڑھ کر سلیمانی کرتی ہے۔ شاعر اپنے عہد کو دیکھ کر دور نبوی کی معدلت کا استحضار کرتا ہے۔ اور بڑے افسوس کے ساتھ کہتا ہے کہ

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

آپ کا جداطہر سایہ سے مبرّا تھا۔ شاعر نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

نہ ہونے سے جدا سایہ کے اس قامت سے پیدا ہے قیامت ہوئے گا دلچسپ وہ محبوب سبحانی

شاعر نے بانی اسلام کو یوسف ثانی کہہ کر اپنی غلطی کا احساس کیا ہے اور اعتراف تقصیر کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ کہ بانی اسلام اور یوسف میں کوئی موازنہ نہیں کیونکہ مقدم الذکر مہر الوہیت ہے جب کہ موخر الذکر ماہ کنعان ہے۔ ماہ مہر سے کسب ضیاء کرتا ہے اور روشنی حاصل نہ کر پانے کی صورت میں تاریک اور معدوم سا ہو جاتا ہے۔ شاعر تفریط کے جرم سے بچ کر

افراط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور کہنے لگتا ہے کہ "جس نے دیکھا ان کو اس نے دیکھی شکل پیدا کی" شاعر نے حدیث میں رائی کا مطلب غلط طور پر حوالہ اشعار کیا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "من رانی فقد رای الحق"[1] اس حدیث پاک کا ترجمہ یہ ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا۔ اس نے واقعۃً مجھ کو دیکھا۔ لیکن شاعر نے یہ مطلب نکالا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق یعنی ذات باری کو دیکھ لیا بخاری و مسلم میں منقول ایک دوسری حدیث جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ بالکل واضح ہے حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ حضرت صلعم نے فرمایا کہ من رانی فی المنام۔ فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی[2] "جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری صورت کی مماثلت نہیں کر سکتا۔

آخر میں شاعر نے اعتراف عجز کرتے ہوئے کہا ہے۔

بس آگے مت چل اے سودا۔ ابھی دیکھا فہم کو تیری کر استغفار اس منہ سے اب ایسی کی تنا خوانی

سودا کی کلیات میں ایک قصیدہ "در نعت منقبت حضرت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب" ہے۔ اس قصیدہ میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے نعت و منقبت کے مضامین باہم مدغم ہیں۔ اس قصیدہ کا مطلع ہے

چہرۂ مہروش ہے ایک سنبل مشکفام دو حسن بتاں کے دور میں سحر ایک شام دو

یہ قصیدہ ۳۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ردیف اور شام، جام، نام، خام، کام وغیرہ قوافی ہیں۔ تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع حسن کلام میں اضافہ کے علاوہ ایضاح مفاہیم کا کام کرتے ہیں مضامین تشبیب میں کائناتی صداقتوں کو شعری جامہ میں دلکش طور پر واضح کیا گیا ہے۔ ایک جان دو قالب کا مضمون ملاحظہ ہو۔

میرے تیرے یہ ربط ہے جیسے میان بحر و موج واقعی میں تو ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو

---

[1] ۔ المشکوۃ المصابیح، کتاب الرویا، الفصل الاول صفحہ ۳۹۴ المطبع المجیدی کانپور

[2] ۔ المشکوۃ المصابیح صفحہ ۳۹۴

آسمان تفرقہ پرواز ہے۔

پھینکے ہیں منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ بیٹھ کر اک دم کہیں ہو ویں جو ہم کلام دو

سودا نے گریز میں نعت و منقبت کے مضامین کو باہم مدغم کرنے کی بات بیش کرتے ہوئے کہا ہے۔

کہتی ہے مجھ سے مغفرت ہو ویگی خوب یہ غزل ہمراہ نعت و منقبت کر اسے انصرام دو

سودا نے مغفرت سے راہ کی دشوار گذاری کی بات اس طور پر کہی ہے۔ کہ

ایک زمین ہو سنگلاخ اس میں تو ہو ویں کام دو

مطلع نعت و منقبت کہہ تو چکا ہے میری جان بس مجھے آگے مانگ لے کر کے تو اب کلام دو

اس کے بعد شاعر نے مضامین نعت و منقبت میں غوطہ زنی کا آغاز کیا ہے۔ معنوی طور پر نبی و امام کے مفہوم کی یکسانیت کو واضح کرنے کے لئے قلم کے خط کی تخئیل پیش کی گئی ہے۔ اور اس تخئیل کا حامل شعر کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

مثل زبان خامہ ہیں گرچہ نبی و امام دو معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بنام دو

مدحیہ اشعار میں نعتیہ و منقبتیہ مضامین باہم منسلک ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی انسلاک کی آسانی کے لئے دو کی ردیف استعمال کی گئی ہے۔ شاعر نے کرامت امام و معجزہ نبی کو ایک شعر میں مدغم کرتے ہوئے کس قدر دلآویز طور پر کہا ہے۔

ہونے نہ دے غروب، ایک بہر نماز مہر کو ایک کرے اشارے سے قرص مہ تمام دو

سودا نے ممدوحین کے علو مرتبت کے باب میں جبرئیل، موسیٰ، خضر و مسیح۔ مہر و ماہ کا سہارا لیا ہے۔ تلمیحات کا استعمال ایضاح مفاہیم میں ایجاز پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ چند مدحیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اونکے طواف روضہ کو پہونچے کبھو نہ جبرئیل رکھ کے زمیں پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو

موسیٰ خضر اور مسیح در پہ انھوں کے وقت طوف ایک نبی جو چوب دار کرتے ہیں اہتمام دو

شاعر نے مہر و ماہ کے داغ سے یہ مضمون نکالا ہے۔ کہ مہر و ماہ ممدوحین کے در پر صبح و شام جبہہ سائی کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ دونوں ہی ممدوحین کے بارگاہ کے داغی

غلام ہیں حسن تعلیل کا دلکش استعمال ملاحظہ ہو۔

سجدہ کرتے ہیں مہ و مہر دریا نھوں کے روز و شب سبر ھن ان سے یوں ہوا دائمی ہیں یہ غلام دو

حسن تعلیل کے لطیف و دلاویز استعمال کے سلسلے میں اس سے پیوستہ شعر ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ہوتے حکیم کس سبب معتقد قیام دہر دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو

ممدوحین کے متعلقات میں براق و دلدل کی تعریف ملاحظہ ہو۔

وصف براق و دلدل اب کہہ تو میں کیا بیاں کروں

شرق سے تا بہ غرب جس کے تئیں ہیں گام دو!!!

سودا نے اس قصیدے میں اپنی نعتیہ کاوشات کی اختتامیہ روش سے انحراف کرتے ہوئے طبیعت کے اس اقتضا کا تذکرہ کیا ہے۔ کہ نعتیہ و منقبتیہ سلسلہ کو دراز کیا جائے لیکن ذکر نبی و علی نے اختتام کا تقاضہ کیا اور علی نے نبی سے شاعر کے لئے صلہ کی بات کی۔ سودا کی امید کے مطابق نبی علی سے یوں فرمائیں گے۔

اوروں کو دو جو ایک جام، دیجیو اسکو جام دو

صلہ کے باب میں سودا اپنے لئے اس امر کو باعث افتخار سمجھتے ہیں۔ کہ عرصۂ حشر میں ایسی دو دقیع و مقتدر ہستیاں اس کو یاد فرمائیں۔ اس قصیدہ کا خاتمہ بہت دلپذیر، دلاویز اور برجستہ ہے۔

سودا اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے ان کا ذکر

قطع کلام کر کے تم مدح کو اختتام دو

چاہے تھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو

کہیں علی نبی سے یوں اس کا صلہ تمام دو

ہے یہ امید اس سے بھی یوں علی سے نبی کہیں

اوروں کو دو جو ایک جام دیجیو اس کو جام دو

یہ بھی نہیں ہے کم عرصۂ حشر میں اگر

یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے باحترام دو (کذا)

سودا کی وہ نعت جو غزل کی ہیئت میں ہے۔ اس لئے اہم مقام رکھتی ہے کیونکہ اس میں عقیدت و شیفتگی کا اظہار صاف سادہ زبان میں بے ساختگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ نعتیہ غزل کا ایک نمونہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ شاعر نے اس غزل میں اپنے اس عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ اصحاب نبی صلعم کی پیروی ہی سے تقدس و پاکیزگی آ سکتی ہے۔ حدیث نبوی "انا دار الحکمۃ و علی بابھا"[1] کے مضمون سے استفادہ کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ صحیح معنوں میں غلام نبی وہی ہے جو سگ باب محمد یا دوسرے لفظوں میں کلب علی ہو گیا ہو۔ ارض و سما نور محمدی سے معمور ہیں۔ کیونکہ خورشید عالم تاب نور محمدی ہی سے کسب ضیا کرتا ہے۔ شاعر نے حسب عادت نعتیہ کاوش کا اختتام اعتراف عجز پر کرتے ہوئے دو عالم کو قاب محمد کا ریزہ چیں بتلایا ہے۔

ولا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمد کا جو چاہے پاک ہو پیرو ہوا صحاب محمد کا

محمد علم کا گھر ہے علی اس کا ہے دروازہ غلام اوس کا ہو تو جو کلب ہے باب محمد کا

قدر عنا جب اپنا خم کیا بہر نماز اون نے ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمد کا

زمین و آسماں کیوں ہوں نہ روشن نور سے اسکے کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمد کا

ادا اس کی زباں سے ہو سکے شکر اسکی نعمت کا دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمد کا[2]

سودا نے میر محمد تقی تخلص بہ تقی کے سلام و مرثیہ کی شرح "سبیل ہدایت"[3] کے نام

---

[1] ۔ المشکوۃ المصابیح، باب مناقب علی ابن ابی طالب، الفصل الثانی ص ۵۶۴

[2] کلیات سودا۔ سودا صفحہ ۲۴۸ ۔ مطبوعہ نول کشور۔

[3] ۔ شیخ چاند کی تحقیق کی رو سے یہ مرثیہ و سلام مشہور شاعر میر محمد المتخلص بہ تقی کا ہے۔ اس تحقیق کی توثیق شیخ چاند کے مطبوعہ تحقیقی مقالہ کے مقدمے میں مولوی عبدالحق نے کی ہے۔ ملاحظہ ہو ——— سودا از شیخ چاند صفحہ ۱۵ و صفحات ۱۰۶ و ۲۴۹ ناشر مکتبۂ اردو ادب۔ لکھنؤ۔ فروری ۱۹۴۲ء

سے لکھی جو کہ کلیات سودا جلد دوم کے محتویات میں ہے سلام میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح کے ایک شعر میں نعت کا مضمون آگیا ہے۔ یہ شعر بانیٔ اسلام صلعم کی نعت میں تفریط کی زد میں آتا ہے۔ سودا کی شرح جو سلام کے محولہ بالا شعر سے متعلق ہے نعت پر نظر ثانی تنقید کے سلسلے میں کافی اہمیت و وقعت کی حامل ہے۔

میر محمد تقی متخلص بہ تقی عرف میر گھاسی کا شعر ہے۔ [1]

اے نبی کے باطناً رتبے کے والی السلام ظاہراً ان سے بھی ہو اک نوع عالی السلام [2]

سودا نے اس کی شرح میں پہلی بات تو یہ کہی ہے کہ "باطنی رتبہ ہے نبی کا کیا" اور دوسری یہ بات دریافت طلب بتلائی ہے کہ "ہو تم اک نوع ان سے بھی عالی" میں وہ کون سی نوع ہے، جس میں نواسہ رسول، ذات رسول سے افضل ہے۔ اس کے بعد ان کی خود کی معروضہ ہے کہ۔

گرچہ وہ شخص ہے امام حسین ایکدن جس کو سید الثقلین
لگے فرمانے مجھ کو مبتلا تو مرتبے میں بڑا ہوں میں یا تو
تب یہ چھاتی پہ لوٹ کر بولا کیوں یہ سررشتہ بات کا کھولا
عرض کرتا ہوں مجھ کو کیجو معاف دل میں کریجو سن کے یہ انصاف
ماں مری فاطمہ، علیؑ ہے باپ والدین اپنے اب بتادیں آپ
اور جس شخص کا نواسا ہوں اس سے بھی مبتلا دوں

سودا نے اس ضمن میں حضرت حسین کی زبان مبارک سے خالص نعت کے دو اشعار کہلائے ہیں۔

حق میں جس کے ہے آیۂ لولاک بیزبانی ہے خالق افلاک
سب نبی جان اسکو مانیں ہیں اپنے نانا کو آپ جانیں ہیں

---

[1] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۴۲۸
[2] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۴۲۹
[3] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۴۲۹

شاعر نے اس قصہ کو بیان کر کے حتمی بات کہی ہے۔ کہ [1]

ان کے رتبے کی ہے بہم یہ نمط ایک جو آپ سمجھتے ہیں سو غلط

سودا نے باطنی رتبہ کا تذکرہ کر کے اس بات کی توضیح کی ہے کہ نبی کے رتبہ کے مافوق ذات احد کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ سودا کے یہ اشعار اس لئے درج کئے جا رہے ہیں کیونکہ یہ تنقیدی نقطۂ نگاہ کے علاوہ نفسِ مضمون کی بلندی کے نقطۂ نظر سے بھی اہم ہیں۔

رتبۂ باطنی پیمبر اپنے نزدیک ایک ٹھہرا کر
نسبتی مرتبہ کو تم فائق اس پہ سمجھے ہو یہ نہ تھا لائق
باطنی رتبہ جو نبی کا ہے اس کے مافوق ہے جو بیجا ہے
موجب اس رتبے کے نبی کریم آپ کو بولے احمد بے میم
میم احمد سے کر دیا جب رد تھا جو احمد سو ہو گیا وہ احد
احدیت سے ہے مرتبہ بالا سمجھے گا تب ہی پوچھنے والا
فہم یوں باطنی سے ماہر ہے اس سوا رتبہ جو ہے ظاہر ہے
کس طرح سے کہو تو سبط نبی رتبۂ باطنی سے ہو عالی
حرف میرا نہیں ہے لایعنی فہم کے معترض ہیں یہ معنی

سودا نے معنوی اسقام کی نشاندہی کے بعد موزونیت، بندش الفاظ اور تقطیع کے نقائص شمار کئے ہیں۔

عیب نہیں صرف اسکے مضمون میں خلل اس سے زیادہ موزن میں
کہو تقطیع شعر کی کردوں بندش الفاظ کی ہے ناموزوں
مصرع ثانی سے بھی ہو آگہہ نوع کے عین کو نہیں جا گہہ [2]

میر محمد تقی تقی نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسی سلام میں

---

[1] ۔ کلیات سودا ۔ جلد دوم ۔ صفحہ ۴۲۹
[2] ۔ کلیات سودا ۔ جلد دوم ۔ صفحات ۴۲۹ ۔ ۴۳۰

کہا ہے۔

یہ شہادت تیری تائید انا بشر کی تھی — کیا حدیث مثلکم تم نے پہچانی السلام
یہ شہادت تیرے کلمے کی شہادت ہے تمام — بعد ہر کے بات تم نے ساری پائی السلام
ورنہ تم بے شبہ و شک احمد بے میم ہو — فی مع اللہ کے ہو تم ہر وقت عالی السلام [1]

سودا نے ان اشعار کی شرح میں ۱۳۲ اشعار کہے ہیں، جن میں آیہ انا بشرٌ مثلکم کی شان نزول سے بھی بحث کی ہے۔ اور طریقت و شریعت کے فرق کو بھی واضح کیا ہے اور بتلایا ہے کہ عبدٌ عبد ہے اور الا۔ الا دونوں کو مدغم کرنا درست نہیں ہے۔ چند کلیدی اشعار درج ذیل ہیں۔

انا بشر جو بولے پیغمبر — اس کے اثبات پر دو یا تین سر
رتبہ تیرا ہے جوں خدا عالی — عبد تین ہو کے بات سب پالی
تو بلاشک ہے احمد بے میم — فی مع اللہ میں ہر زمان ہے مقیم
ہے تصوّف کی راہ سب یہ درست — بندش الفاظ کی پر اتنی سست

اور ہے راہ جو شریعت کی — واں خدا ہے خدا نبی ہے نبی
کلمہ ہے جو دین کی بنیاد — مسلمین کا ہے صبح و شام اوراد
وہ نبی نے جسے پڑھایا ہے — آپ کو عبد کہہ جتایا ہے
انا بشر ہے آیۂ قرآں — وحی بہر پیمبر دو جہاں
مثلکم جز و ہے اس آیت کا — منفصل باندھنا نہ میں سمجھا [2]

اس طور پر میر محمد تقی متخلص بہ تقی کے سلام کے محولہ بالا اشعار کی تشریح میں سودا نے نعت پر ایک جامع تقریر کر ڈالی ہے۔

---

[1] ۔ کلیات سودا - جلد دوم ۴۳۱
[2] ۔ کلیات سودا جلد دوم صفحہ ۴۳۲۔

الفاظ کا طمطراق، بندش کی چستی، مضامین کا ربط، فکری صلابت، جذبات کی شدت، عقیدت و شیفتگی کا خلوص اور نعت گوئی کے میدان میں شاعر کا اعتراف عجز، سودا کی نعتیہ کاوشات کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

میر تقی میر

(ولادت ۱۱۳۵ھ ہجری وفات ۲۰ شعبان ۱۲۲۵ھ ہجری - ۲۳-۱۷۲۲ء و ۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء) [1]

امام المتغزلین میر تقی میر نے اردو نعت کی دنیا میں کوئی نمایاں خدمت انجام نہیں دی لیکن پھر بھی اس دور کی نعتیہ خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی نعتیہ کاوش دو وجوہ سے اہم ہے۔ اول یہ کہ میر نے یہ نعت اپنے منفرد رنگ میں کہی ہے۔ اس میں بانیٔ اسلام کے وصفی انداز کے بجائے آپ بیتی کے عناصر زیادہ ہیں۔ ان کی اس کاوش میں زبردست داخلیت کی کارفرمائی ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ انھوں نے نعت ترجیع بند کی شکل میں مقدس کی ہیئت میں کہی ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ۳ بند ملاحظہ ہوں۔

روؤں جوں شرم گنہ سے زار زار — بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آگے اضطرار — زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمۃ الا لمبینی یا رسول — ہم شفیع المذنبینی یا رسول

سبزہ نمیا ہو گا جب تیرا نشاں — آفتاب حشر میں بہر اماں
ہووے گی انواع خلقت جمع ول — کیوں نہ ہوئے میں اس کے دو جہاں
رحمت الا لعالمینی یا رسول — ہم شفیع المذنبینی یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں — گر قرآں خواں میر تھے گر سبحہ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں — اب یہی ہے ہر زماں ورد زباں
رحمت الا لمبینی یا رسول — ہم شفیع المذنبینی یا رسول

میر نے رباعی کی شکل میں بھی نعت کہی ہے جس میں انھوں نے منبع نعت صلعم کے سایہ

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو جلد دوم (حصہ اول) از ڈاکٹر جمیل جالبی
سال اشاعت ۱۹۸۴ء مطبع تاج آفسٹ پریس دہلی صفحہ ۵۰۳

ہونے کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے اس کی شاعرانہ وجہ بیان کی ہے۔ یہ شاعرانہ وجہ بہت لطیف ہے اور ندرت سے ہمکنار ہے۔

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اس کا — معراج سے کمترین پایا اس کا
سایہ اس کے نہ تھا یہ باعث ہو گا — کل حشر کو سب پہ ہو گا سایہ اس کا

میر کی نعتیہ شاعری سودا کی نعتیہ شاعری کے مقابلہ میں کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے پست ہے۔

اس دور میں بانیٔ اسلام کی نعت میں وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔ اور داخلی انداز میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ داخلی انداز بیان کے تحت بانی اسلام سے عقیدت و محبت کی شیفتگی میں اپنے سوز دروں کو شعری جامہ پہنایا گیا۔ موضوع روایتوں اور غیر مستند واقعات سے احتراز کیا گیا ہے ہیئت کے اعتبار سے قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی اور مسدس کے اشکال کو منتخب کیا گیا ہے سودا نے اپنی نعتوں میں نعت کے آداب پر روشنی ڈالی ہے کی نعتوں میں نظریاتی اور عملی دونوں تنقیدوں کے نمونے ملتے ہیں۔

قائم چاندپوری

آپ کا نام محمد قیام الدین اور تخلص قائم تھا۔ آپ کی پیدائش چاندپور ضلع بجنور میں ہوئی لیکن آپ نے بچپن طفولیت ہی میں بجنور کی سکونت ترک کر کے دلی کو وطن بنا لیا۔ آپ نے جس شعور پر پہونچ کر دیکھا کہ اس وقت کی شعر و شاعری میں مرزا مظہر جان جاناں، شاہ حاتم، سودا اور درد کا طوطی بول رہا ہے۔ آپ نے یکے بعد دیگرے کئی اساتذۂ فن سے اصلاح سخن کا کام لیا۔ اور بالآخر ملک الشعراء سودا کے آگے زانوئے تلمذ تہ کر کے تشنگی اصلاح سخن کو سیراب کیا۔ طبیعت کی سختی کی وجہ سے زیادہ دنوں تک ایک استاد سے نباہ نہ کر پاتے تھے۔ یہی حالت سودا کے ساتھ بھی پیش آئی جس کے نتیجہ میں آپ کے کلام کا معتد بہ حصہ سودا کے کلام میں مخلوط ہو گیا۔ جب دلی پر مراٹھی بدحالی نے اپنا تسلط جما لیا۔ تو قائم کو بھی دلی چھوڑ کر بسوئی، امروہہ، سنبھل، ٹانڈہ اور بریلی وغیرہ مقامات کا رخ کرنا پڑا۔ زندگی کے آخری ایام رام پور میں گذارے اور یہیں انتقال فرما کر

نواب محمد یار خاں کے مقبرہ میں مدفون ہو گئے۔

آپ نے جملہ مروجہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی لیکن جہاں تک غزل اور مثنوی کا تعلق ہے آپ کسی طرح اپنے معاصر اساتذۂ سخن سے پیچھے نہیں رکھے جا سکتے اگرچہ یہ بات درست ہے کہ آپ کا کلام قبول عام کی سند حاصل نہ کر سکا۔

قائم کی شخصیت میں عہد شباب کی جملہ اسقام موجود تھے، لیکن مجموعی حیثیت سے آپ متواضع، خلیق اور ملنسار تھے۔ سیاسی اور معاشی حوادث نے آپ کی استاد طبع کو زبردست طور پر متاثر کیا۔ چنانچہ آپکا یہ رنگ آپ کی سبق آموز کہانیوں اور "رمز الصلوۃ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

آپ کے تخلیقی سرمایہ میں کلیات کے علاوہ "مخزن نکات" بھی لائق ذکر ہے۔ مذہب کی جانب میلان طبع نے کافی اچھی اور مودب نعتیں کہلائیں۔ یہ نعتیں غزل، رباعی اور قصیدہ کی ہیئات میں ہیں۔ قائم نے اپنی ایک نعتیہ غزل میں راہ نعت کی دشوار گذاری، منزل مقصود تک رسائی کے لئے نقوش پائے محمد کی اتباع کے لزوم اور ذات نبی کے منکشف امکان و وجوب ہونے کو مواضیع نعت بنایا ہے۔ نعت کے متعلقہ اشعار بغرض ملاحظہ رقم ذیل ہیں۔

مقدور کسے نعت پیمبر کی رقم کا — ہر دم ہے دم تیغ پہ یاں راہ قلم کا
گو پر تھا منزل کو نہ مقصود کی پہونچا — جو یا نہ ہوا یاں جو ترے نقش قدم کا
امکاں نہ تھا ممکن و واجب کو سمجھنا — مظہر جو نہ ہوتا تو حدوث اور قدم کا
یا ختم رسل گرچہ گنہگار ہے قائم — پر اس کو بھروسہ ہے ترے فضل و کرم کا

قائم نے اپنی ایک نعتیہ رباعی میں آپ کے "بظاہر مرخر بباطن مقدم" ہونے کے لطیف مضمون کو کمزور اور اچھوتے انداز میں نظم کرتے ہوئے آپ کو ہزار کی وہ اعلیٰ جنس قرار دیا ہے۔ جس کو آخر میں دکھلایا جاتا ہے۔

یا ختم رسل گو کہ تو پیچھے آیا — آگے حق نے ترا اس کو پایا
پیدا ہے کہ ہے وہ جنس قسم اوّل — ہزار نے آخر کو جسے دکھلایا

قائم کی کلیات میں تیرہ قصائد ہیں جن میں سے ایک نعت رسول کے لئے مختص ہے۔ اس قصیدہ میں ۱۷۲ اشعار ہیں۔ قصیدہ کی تشبیب میں پند و موعظت اور شکوۂ روزگار کے مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ گریز بہت "جواب ہے شکوۂ روزگار کے تحت لکد کوب حوادث کے مابین نڈھال ہو کر شاعر کو ایک مرجع اور پناہ گاہ کا احساس شدت سے ہوا۔ جو اسے ایک غیبی سروش کی تحریک پر بے کسوں کے سہارا حضرت رسالتمآب کی طرف کھینچ لے گیا۔ قصیدہ کے مدحیہ حصہ میں پیغمبر اسلام کے اوصاف کا ذکر خیر کیا گیا ہے جس میں آپ کے عدل و مساوات اور آپ کی شان کی رفعت کا بطور خاص تذکرہ ہے۔ آپ کے رخش براق کی تیز رفتاری کے سیر میں سرعت اوہام کے عجز کا بیان خاصا نادر ہے۔ اس نعت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ شاعر نے اس میں اپنے سوانح حیاتی عناصر اور شخصی احوال جمع کئے ہیں۔ اس نعت میں قائم کا ایک لائق ذکر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مدح خیر الانام کے دوران دو بار گریز کر کے فخریہ اشعار لکھے ہیں۔ اور زمانہ کی ناقدر شناسی سے عاجز آ کر مسیح نعت سے التجا کی ہے۔ کہ وہ اس زورق شکستہ کو خالق کائنات کے ذریعہ عالم جاودانی کی طرف بھجوا دیں تاکہ وہ کلفت ایام اور غیر مساعد احوال و کوائف سے نجات پا جائے۔ اس کی یہ دعا اس کے (شاعر کے) دکھ بھرے عرصے پر روشنی ڈالتی ہے۔ نعت کے بیان میں اپنے عجز کا تذکرہ کرتے ہوئے قائم نے نعت کو اپنے عرض حال کے لئے ایک بہانہ بنانے کی بات کہی ہے۔ اس سے اس کی نعت میں شہر آشوب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے اس حدیقہ میں جوں غنچہ اسکی زیست بہ کام — کہ تنگ آئے جو شیشہ سے مشتغل ہو بہ جام
ہے ساتھ عیش کے زیر سپہر کلفت غم — کہ متصل ہو شفق سے ہمیشہ ظلمت شام
ڈر آہ! اہل کدورت سے تو کہ برق بلا — زمانہ زد ہے سدا مثل شعلہ زیر غمام
میں ہوں وہ دانہ آتش رسیدہ بوکر جسے — خجل ہے آب کشادر زگردش ایام
یہ ناقبول بد و نیک ہوں میں جگ میں کہ تنگ — قبول عکس سے میرے ہے آئینہ کو مدام
گنہ کئے ہیں میں جتنے سو ہیں حساب سے بیش — ڈرے ہے دل کہ ہو روز حساب کیا انجام

زلیخ خروش ندامت تھی گوشہ گیر خیال — کہیں میں دل کے میں پاتا تھا سنگ بد الزام
کچھ اک زمانہ عجب مخمصے میں تھا میں اسیر — کہ دل کو غم سے تسلی نہ جان کو آرام

سروش غیب نے ناگاہ دل میں مرے — جناب حضرت حق سے دیا یہ لا کے پیام
کہ تھا تو ہمہ دوزخ تو فعل بد کے سبب — پہ بخشے جرم ترے میں ہے شفیع انام
زہے شفیع کہ گر ہو نہ اس سے چشم کرم — تو اک جہاں تکہ کار کا تباہ ہو انجام

خدا نہ کردہ جو میری نگاہ خشم کے ساتھ — پڑے معاملے گردوں کو قہر کے ہنگام
ہوا میں جسے دھواں دم میں ہوئے ہے ناچیز — ہوں اس طرح متلاشی سپہر کے احرام
ہے بحر عدل ترا جب سے جوش میں ہر گز — رہا نہ صفحہ آفاق پر غبار ظلام

میں تیرے رخش کی جلدی کا کیا کروں تقریر — کہ جس کی سیر سے عاجز ہے سرعت اوہام
ہے وہ روندہ کہ صحرا تراش و کوہ شکاف — ہے وہ دوندہ کہ گردوں نورد و عرش خرام

تری تو نعت ہو کس سے پر اس بہانے کے ساتھ — کچھ عرض حال کرے ہے حضور میں یہ غلام
شہا! ہے شہد سے شیریں کلام منہ کا مرے — بہ یمن لطف عذوبت کلامی خدام
میں ہی ہوں آج دو عالم میں گوہر نایاب — کہ جس کے مول سے خالی ہے کیسہ ایام
کب اس طرح میں لکھی یاں رباعیات و غزل — کہ تر ہوئے نہ خجالت سے سعدی و خیام
شروع فکر سخن میں کرے نہ یاں شاعر — مروڑے کان نہ جب تک وہ لے کے پیر انام
پر اس تفاخر بیجا سے مجھ کو کیا حاصل — جو دشمنی میں ہے میری یہ چرخ نافرجام
اگر ہوں ماہ رکھے مجھ کو تیرہ ہائے کسوف — وگر ہوں مہر کرے مجھ کو تنگ زیر غمام

خدا کے واسطے مجھ کو خدا سے چاہ تو اب — کہ رد نہیں ہے کسی حق میں مقبلوں کا کلام

شب سیاہ میں زورق شکستہ، بادِ تند ہے آگے قلزم و پیچھے نہنگ خوں آشام
جو ایسے وقت میں تو ہی نہ دستگیر ہو، تو امید کس سے رکھے یاوری کی پھر یہ غلام

بس اب اس ہرزہ سرائی سے باز آ قائم
ادب ضرور ہے ظالم کہ ہے ادب کا مقام

قائم کے یہاں مثنوی کے ابیات میں بھی نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ انھوں نے ایک مقام پر حمد و نعت کے فرق مراتب کی وضاحت کرتے ہوئے اسی ادب کا تذکرہ کیا ہے۔ جو نعت کا عظیم و اہم رکن ہے۔

الا اے ساقیِ فرخندہ جام ادب کی مے سے تو آتش کا بھر جام[1]
کہ زباں نقد مقبولی ناروا ہے نہیں یہ حمد نعت مصطفےٰ ہے

قائم نے اسی نعت میں سرورِ کائنات صلعم کو "سر دفترِ ارباب ملت" اور تداوی بخش صد انواعِ ملت" متعارف کراتے ہوئے "لولاک لما خلقت الافلاک[2]" کے محبوب و پسندیدہ مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

جہاں میں ہے یہ جتنا کچھ ہویدا ہوا اوس کے لئے سب کچھ یہ پیدا
غرض جو کچھ کہ اس کارِ تیلا ہے خدا ہی عالم اس کا یا خدا ہے

اس نے نعتیہ شاعری میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے اور سکوت کو "عجزِ سخن کی عیب پوشی" میں بہتر قرار دیتے ہوئے اس نعتیہ کاوش کو ختم کر دیا ہے۔

---

[1] ۔ یہ ابیات سودا کا الحاقی کلام ہے۔ مثنوی مذکور سودا کی کلیات جلد دوم میں صفحہ ۸۶ پر مندرج ہے، مگر درحقیقت یہ قائم کی ہے۔ 'راقم'

[2] ۔ الکلام المبین فی آیتِ رحمۃ اللعلمین مصنفہ مولانا مفتی محمد عنایت احمد ـــ ص ۔ ۳ ـــ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ماہ صفر ۱۲۱۳ھ
ماہ اگست ۱۸۹۵ء بار دوم

بس اب بہتر ہے اس جا گر خموشی کہ ہو عجزِ سخن کی عیب پوشی
سکوت بر محل ہے دل کی تفریح سخن پر اوسکو سو درجہ ہے ترجیح

اس طرح قائم نے نعتیہ مضامین میں کافی جدتیں پیدا کیں اور وہ یقینی طور پر سودا کو مستثنیٰ کر کے اپنے عہد کا سب سے بڑا نعت گو شاعر ہے۔

انشا و مصحفی کا دور

سودا اور ان کے معاصرین کے بعد اردو نعت گوئی میں نئے رجحانات آئے۔ سودا کے تتبع میں اکثر شعراء نے اس صنف کی طرف رُخ کیا۔ لیکن انھوں نے نقالی کی حد تک سودا ہی کو اپنا پیشوا بنا کر ان کی تقلید کرنا سرمایۂ افتخار سمجھا۔ سودا کے بعد کے شعراء میں کچھ ایسے بھی ہوئے جنھوں نے اپنے عہد کی نعتیہ شاعری میں تاریخ ساز مثبت قدم اٹھائے اور دو نعت کے ارتقاء میں اس دور کی خاصی اہمیت ہے۔ کیونکہ اس دور سے اردو نعت نے فنی اور صنفی حیثیت اختیار کرنی شروع کی۔ اس دور کے شعرائے نعت میں میر حسن، انشاء اور مصحفی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اردو کی نعتیہ شاعری میں کسی نہ کسی رجحان کی نمائندگی کی ہے۔

میر حسن

(ولادت ۱۱۴۹ھ وفات ۱۲۰۱ھ / ۱۷۳۶-۳۷ء - ۱۷۸۶ء)[1]

میر غلام حسن، حسن کی شخصیت اردو نعت میں اہم ہے۔ میر حسن سے پیشتر نعتیہ اشعار مثنوی کے آغاز میں تبرکاً لکھے جاتے تھے، جو تعداد میں کم ہوتے تھے۔ میر حسن نے اپنی یادگار جہاں مثنوی سحر البیان میں ۱۲۷ اشعار نعت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نے حمد باری تعالیٰ کے ضمن میں لکھے گئے اشعار میں بھی چند اشعار نعت کے کہہ دیئے ہیں۔ اس نے حمدیہ اشعار میں

[1] تاریخ ادب اردو۔ جلد دوم (حصہ دوم) از ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۸۱۹

پیغمبر کے ساتھ وصی اور امام کو شامل کر کے حمد و نعت و منقبت کو مدغم کر دیا ہے۔ ان اشعار میں نبی و امام کے ان اوصاف کی گئی ہے جن کا تعلق عوام سے ہے۔ میر حسن نے کہا ہے۔

پیمبر کو بھیجا ہمارے لئے — وصی اور امام اس نے پیدا کئے
جہاں کو انھوں نے دیا انتظام — برائی بھلائی سمجھائی تمام
دکھائی انھوں نے ہمیں راہ راست — کہ تا ہو نہ اس راہ کی بازخواست
کہ وہ کون سی راہ شرع نبی — کہ جنت کے رستے کو سیدھی گئی

میر حسن کا تعلق ایک علمی خانوادے سے تھا۔ ان کے مورث اعلیٰ میر امامی کا اصل وطن ہرات تھا۔ ان کے بیٹے میر عزیز اللہ تھے جن کے صاحبزادے میر غلام حسین ضاحک تھے۔ جو اردو مرثیہ نگاری میں وقیع حیثیت کے مالک ہیں۔ میر حسن، میر غلام حسین کے لڑکے تھے۔ جو راجح قول کی بنا پر ۱۱۴۹ھ / ۱۷۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی زبان دلی کی ٹکسالی زبان ہے جس میں صاف شفاف چشمہ کی روانی ہے۔ میر غلام حسن، حسن کو نعت سے بہت شغف تھا۔ انھوں نے اپنی مثنوی گلزار ارم کے "حمد علیم العلام و مناجات دل ناکام در ترجیعیت کلام" ذیلی عنوان میں اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ کہ وہ دریائے نعت میں نعت بہتا رہے۔ اسی لئے اس کو گنج شہر و سخن سے نوازا گیا ہے۔" ان کا اپنا یہ اذعان ہے کہ نعت کا حق ادا کر پانا یا کما حقہ نعت نبی لکھنا یا کہنا بہت مشکل اور دشوار کام ہے۔ اسی لئے انھوں نے مختلف مواقع پر نعت کے باب میں عجز کا اظہار و اعتراف کھلے لفظوں میں کیا ہے۔

محمد وہ کہ ہے فخر دو عالم — جہاں تک اس کی ہو تعریف ہے کم
کرے نعت اس کی کوئی کس زبان سے — کہ یہ تو بحث ہے باہر بیان سے
وہی مقصود ہے دونوں جہاں کا — وہی مبدا ہے یاں کا اور واں کا[1]

[1] مثنوی گلزار ارم۔ مصنفہ میر حسن صفحہ ۱۳۵

نعت میں اس کی کہوں کیا میں سخن — میں کہاں اور نعت اسکی اے حسنؔ
مدح خود جس کی کہے پروردگار — کیا بتا اسکی کہوں میں خاکسار
مرتبہ اسکا یہاں تک ہے بلند — عقل کل کی واں نہیں لگتی کمند
شافع محشر ہے وہ خیر البشر — ہو درود اس پر اور اسکی آل پر

میر حسن نے محبوب البیان کی نعت میں کئی موضوعات پر لب کشائی کی ہے۔ نعت کے ابتدائی اشعار میں ہادیٔ اسلام کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اور دیگر انبیائے عظام پر نبی صلعم کے تفوق کو ثابت کیا گیا ہے۔ ان اشعار میں شعریت ہے انداز بیان صاف سادا ہے لیکن پیرایۂ اظہار کی جدّت و ندرت نے نعت کی دلاویزی بڑھا دی ہے۔ نبی اکرم صلعم کو نبوت کے دریا کا دُرِ یتیم، اشرف الناس اور خیر الانام کہا گیا ہے آپ کی شریعت کو بہت نادر انداز میں ناسخ ادیان و مکمل بتلایا گیا ہے۔ انتخاب ملاحظہ ہو۔

ہوا علم دیں اس کا جو آشکار — گذشتہ ہوئے حکم تقویم پار
کیا حق نے جیبوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حق دار اُسے
بنایا سمجھ بوجھ کر خوب اُسے — خدا نے کیا اپنا محبوب اُسے
کہوں اس کے رتبہ کا کیا میں بیان — کھڑے ہیں جہاں باندھ صف مرسلاں

اس کے بعد مسیح کو آپ کے خرگاہ کا پارہ دوز، نجلی طور کو مشعل فروز، خلیل کو آپکے گلزار کا باغباں، سلیمان کو آپ کے دربار کا مہردار، خضر کو آپ کی سرکار کا آبدار، اور داؤد کے ایسے بہت سوں کو آپ کا ذرہ ساز بتلایا گیا ہے۔ شاعر نے ہر نبی کے ساتھ اسی وصف کو منسلک کیا ہے جو اس کے لئے معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ وصفی انداز بیان میں کہے گئے اشعار کا خاتمہ درج ذیل شعر پر کیا گیا ہے۔ جو نبی اکرم صلعم کی نعت میں اساسی حیثیت کا مالک ہے۔

محمد کے مانند جگ میں نہیں — ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں

شاعر نے مذکور بالا شعر سے اردو کے شعرائے نعت کا مقبول و محبوب مضمون یعنی نبی آخر الزماں کے سایہ نہ ہونے کے مضمون کو انوکھے انداز میں نظم کرنے کا آغاز

کیا اس نے آپ صلعم کا سایہ نہ ہونے کی کئی وجہیں بتلائی ہیں حضور صلعم میں رنگ دوئی کا کوئی امکان نہ تھا۔ آپ کا سایہ کعبہ کی پوشش میں صرف ہو گیا۔ آپ کا کل بدن معجزہ کا تھا۔ آپ کا آپ کا سایہ اتنا لطیف تھا کہ قوت باصرہ میں اسکو محسوس کرنے کی سکت نہ تھی۔ آپ ایسے گل تھے، جو گل قدرت حق کی بو تھا۔ سایہ نور حق سے جدا نہ ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ وہیں زیر پائے نور حق مستقر رہا۔ سایہ کا قدم عرش پر تھا۔ متذکرہ بالا وجوہ و علل کی توضیح کے بعد شاعر نے ایک بہت بدیع و نادر وجہ بیان کی ہے جسکی ندرت کا اسے خود بھی احساس تھا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔

نہ ہونے کی سایہ کی ایک وجہ اور — مجھے خوب سوجھی پہ ہے شرط غور
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہل نظر — سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے دیا پتلیوں پر اٹھا — زمیں پر نہ سایہ کو گرنے دیا
سیاہی کا تیلی کی ہے یہ سبب — وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں — اسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا — ملائک کے دل میں سمایا رہا

اس طور پر نعت میر حسن کے یہاں ایک کھلی فضا میں سانس لیتی دکھلائی پڑتی ہے۔ جس میں مذہبی و مذہنی جذبات کے علاوہ جذبۂ شعریت بھی کافر ما نظر آتا ہے۔

انشاء اللہ انشا نہایت ذہین و طبّاع تھے ان کی طبیعت میں شوخیاں بھری ہوئی تھیں بقول ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔

"انشا قدرت کی طرف ہی سے ایک بے چین سیماب صفت طبیعت لائے تھے۔ امنگوں اور جولانیوں سے بھری تیزی طراری طبّاعی اور شوخی سودا سے بڑھ کر ان میں تھی۔"

---

۱ - دلّی کا دبستان شاعری : ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ صفحہ ۲۰۲ و ۲۰۳
طبع دوم ۱۹۷۱ء پرنٹر سرفراز پریس لکھنؤ۔

ڈاکٹر موصوف ایک دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں۔ کہ

"واقعی انشا کی طبیعت میں ایسے جوہر تھے کہ اگر بہ طریق دیگر استخوانِ شعرا کہتے اور نواب سعادت علی خاں کی صحبت میں اپنی شاعری کا جوہر نہ کھو دیتے تو اردو شاعری کے اساتذہ کرام کے ساتھ ان کا کلام بھی بقائے دوام کا درجہ حاصل کرتا۔ سید انشا کے کلام میں شوخی، ظرافت، بے ساختہ پن سب کچھ موجود ہے لیکن ایک عجیب ہنگامہ پن کے ساتھ بے ہنگم پن ہے"[1]

وہ بڑا نادک خیال اور نازک دماغ شاعر تھا۔ ندرت پسندی اور جدت طرازی ان کی طبیعت میں ستار کے تار کی طرح بھری ہوئی تھی۔ انشا کے سخت سے سخت ناقد نے بھی اسکی قادر الکلامی، شوخی ادا اور استادی کا لوہا مانا ہے۔ اس نے نعت نویسی کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی لیکن اس کی نعتوں کے تیور بتلاتے ہیں کہ اگر وہ اس طرف توجہ کرتا تو اردو کا اچھا نعت گو شاعر ہوتا۔ اس نے اپنے دیوان کے آغاز میں جو نعت شامل کی ہے، اس میں بلا کا سوز و گداز ہے۔ مطلع کا ایک مصرع اردو اور دوسرا عربی میں لکھ کر اس نے عربی زبان میں اپنی مکمل مہارت کے ساتھ ساتھ برجستگی اور بے ساختگی میں بھی ید طولیٰ رکھنے کا ثبوت دیا ہے۔ دو ایک شعر میں وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے مگر سپاٹ اظہار وہاں بھی نادر اور دلاویز ہے۔ الفاظ آسان صاف اور سیدھے سادے ہیں معانی و مفاہیم میں کہیں پر تعقید یا گنجلک نہیں ہے علی جواد زیدی لکھتے ہیں کہ۔

"انشا کا ایک اور کارنامہ مقامی رنگ، ہندوستانی فضا، ہندی ٹھیٹھ اردو الفاظ کا بے تکلف استعمال اور ہندوستانی تلمیحات و روایات کے لئے جذبۂ قبول و اخذ ہے"[2]

نمونہ کے طور پر نعت ملاحظہ ہو۔

---

[1] ۔ دلی کا دبستان شاعری ۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی ص ۔ ۲۰۴ و ۲۰۵

[2] ۔ قصیدہ نگاران اتر پردیش: علی جواد زیدی صفحہ ۹۲ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۸ء طابع اسرار کریمی پریس الہ آباد ۳۔ ۲۱۱ ناشر اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ۔

اے عشق تجھے شاہد اصلی کو دکھا دوں — تو خندہ زدی و فقک اللہ تعالےٰ
ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذب محبت — اس نور تجلی کی جھلک مجھ کو جھنکا دے
اتنا تو پھرا وادیٔ وحشت میں کہ میرے — ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا
سر جھکے ہے تجھے عالم اطلاق کی منزل — الفت نے تو تقیید کی منزل سے نکالا
ہر چند کہ عاصی ہوں پر امت میں ہوں اسکی — جس کا ہے قدم عرش معلا سے بھی بالا
مولائے جہاں رہبر عشاق محمدؐ — سب عقدہ مشکل کا مرے کھولنے والا

انشا کی ایک نعت مخمس کی شکل میں ہے جس میں اس نے درود شریف۔ "صل علی نبینا صلی علی محمد" کی فضیلت بیان کی ہے۔ فارسی و عربی کے ادق الفاظ اور ثقیل ترکیب کی کثرت نے کر دیتی دیا ہے اس نعت کے صرف دو بند ملاحظہ ہوں ۔۔۔!

عرش کے کچھ نہیں فقط قائمۂ جلیل پر — نور جبیں ہر پر چشمۂ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کے برفصیل پر — ہے خط نسخ سے لکھا شہ پر جبرئیل پر
صل علیٰ نبینا صل علی محمد

لمحۂ ذات کبریا باعث خلق جزو کل — فخر جمیع مرسلین، رہبر و ہادی سبل
نور سے جس کے ہو گئی آتش کفر بجھ کے گل — بعد نماز تھا یہی ورد وظیفۂ رسل
صل علی نبینا صل علی محمد

انشا کی کلیات میں نعتیہ قصیدہ بھی ملتا ہے ان کی طباعی کے جوہر اس نعتیہ قصیدے میں بھی موجود ہیں

انشا کے حریف غلام ہمدانی مصحفی بھی بڑے پرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سے اچھے قصائد لکھے ہیں۔ مصحفی مذہبیات سے خاص شغف رکھتے تھے انھوں نے ستّرہ قصائد نعت و منقبت میں کہے ہیں۔ ان کی شاعرانہ عظمت کو تقریباً ہر قدیم تذکرہ نگار نے تسلیم کیا ہے۔ میر حسن نواب اعظم الدولہ سرور، قدرت اللہ قاسم اور مولانا محمد حسین آزاد سب ہی نے مصحفی کے کمالات شعری کا اعتراف کیا ہے مضامین کے اعتبار سے ان کے نعتیہ قصائد زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ ان کا ایک نعتیہ قصیدہ "انگشت

کی سخت ردیف میں ہے۔ تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حنا سے ہے یہ تری سُرخ اے نگار انگشت — کہ ہو نہ پنجۂ مرجاں کی زینہار انگشت
ضعیف اتنا ہوا ہوں کہ میرے ہاتھوں میں — تمہیں یہ پنجۂ طاقت سے بھلا دار انگشت
ہلال و بدر ہوں یکجا عرق فشانی کو — رکھے جبیں پہ جو تو کرکے تابدار انگشت
زلیکہ زشت ہے دنیا میں ہاتھ پھیلانا — رکھے ہے سمٹی ہوئی اپنی پشت خار انگشت
شمار داغ سے کب اتنی مجھ کو فرصت ہے — کہ رکھ سکوں بسر چشم اشکبار انگشت

یہی رنگ گریز اور قصیدے کے مدح والے حصہ میں بھی مستولی ہے۔ ردیف کی مشکل پسندی نے عام فہم مضمون کو بھی زود فہمی کے دائرے سے نکال دیا ہے۔ خالص نعت کے درج ذیل اشعار میں سے پہلے شعر میں "شق القمر" کا معجزہ نظم کیا گیا ہے لیکن انداز بیان کی دقت اور ردیف کی سختی نے معجزہ کو عام قاری کی سمجھ سے باہر کر دیا ہے۔

بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اس کی — نکل گئی سپر مہ ہے جسکی پار انگشت
محمد عربی معجزوں کا جس کے کبھی — نہ کر سکے فلک پیر کا شمار انگشت
چمن میں اس کی رسالت کا جب ثمر آئے ہے ذکر — علم کرے ہے شہادت کی شاخسار انگشت
وظیفہ جس کا پڑھے ہے یہ دانۂ شبنم — دعا میں جسکی ہے کھولے ہوئے چنار انگشت
اگر ہو بہرۂ گہوارہ سنگ فرش اس کا — نہ چوسے اپنی کبھی طفل شیر خوار انگشت
اٹھا دے گر کف افسوس ملنے کی وہ رسم — ہو دے پھر کبھی انگشت سے دوچار انگشت
کرے جو وصف وہ اس تاج انبیاء کے رقم — قلم کی جوں نئے نرگس ہو تاجدار انگشت

آنحضرت کی صلعم کی شان اقدس میں نعت کے ایک دوسرے قصیدے کی ردیف بھی سخت اور طویل ہے۔ اس نعتیہ قصیدے میں شاعر کی مخلص عقیدت، جوش و فور شیفتگی، معنی آفرینی اور نازک خیالی قابل ستائش ہے۔ مجموعہ بالا نعتیہ قصیدہ کی زبان سلیس اور رواں ہے۔ اس کی ردیف "گریبان آستین دامن" ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رفو ناصح سے کب ہو چاک پیراہن کا عاشق کے — مگر سلوائیں آنسو در گریبان آستین دامن

محمد باعث ایجاد عالم جس کے جامے کا — سئے اور یں پیمبر گریبان آستین دامن
وگرنہ مصحفی تو وہ سیہ رو ہے کہ کالا ہو — بدن سے جس کے چھو نے گر گریبان آستین دامن

گریز کی برجستگی اور مدح کی ندرت درج ذیل اشعار میں ملاحظہ فرمائیں۔

مجھ کو کبھی عروض آتی ہے نہ قافیہ چندان — اک شعر سے گرویدہ مرے پیر و جواں ہے
سو کیوں نہ ہو، ہوں میں بھی تو ایسے کا ثنا خواں — جس کے لئے مخلوق یہ سب کون و مکاں ہے
ماہ عرب، ای لقب، اعنی کہ محمد — نعت جس کی طرف دیدۂ انجم نگراں ہے

ایک دوسرے نعتیہ قصیدے کے صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

کچھ غم نہیں جو نامۂ اعمال ہے سیاہ — دھو دے گا ان کا ابر کرم اوس کو اک بجا!
کیا اوس کے معجزوں کا بیاں مجھ سے ہو سکے — منھ میں مرے ہے ایک نہ یاں معجزہ ہزار

[1] ۸۵ قصائد میں اس کے یہاں ۵ نعتیہ قصائد ملتے ہیں۔ اس نے اپنے قصائد میں ناقدری روزگار، شاعرانہ تعلی، اپنے تفوق و برتری کا اظہار اور شکوۂ روزگار کے مضامین نظم کئے ہیں۔ تغزل کا رنگ بھی ملتا ہے۔

اسی دور کا ایک شاعر نظیر اکبر آبادی ہے جس نے سودا اور میر کا دور دیکھا۔ اور انشاء و مصحفی کا عہد بھی پایا۔ لیکن چونکہ اس کی شاعری کے بیشتر حصہ کا تعلق انشاء نہ مصحفی کے دور سے ہے۔ اس لئے راقم الحروف نے اس کو اسی عہد کا شاعر قرار دیا ہے۔ اردو ادب کے مورخین نے نظیر کے لئے علحدہ باب قائم کیا ہے۔ اس کے کئی وجوہ و اسباب ہیں۔ نظیر کی ولادت کا سن آج تک متعین نہ ہو سکا۔ موضوع کے لحاظ سے

---

[1] مصحفی کی کلیات لاہور میں قصائد کے تین دیوان علحدہ ہیں۔ پہلی جلد میں ۲۴ قصائد ہیں۔ اور اس کا عنوان "جلد ہائے قصائد میاں مصحفی سلمہ کہ از دستخط خاص نقل گرفتہ شد" (کلیات صفحہ ۳۸۲) ہے۔ دوسری جلد میں جو نعت و منقبت پر مشتمل ہے۔ ۱۶ قصائد ہیں جبکہ تیسری جلد میں ۴۴ قصائد ہیں اور یہ سب ہی امراء و سلاطین کی مدح میں ہیں۔ اس طرح قصائد کی تعداد ۸۴ ہوئی اور ایک دیگر قصیدہ کو شامل کرنے پر یہ تعداد ۸۵ ہو جاتی ہے۔ راقم

کبھی ان کے کلام کو کسی مقررہ دور کی حدود میں محصور نہیں کیا جا سکتا۔ ڈاکٹر اعجاز حسین لکھتے ہیں۔

"ان کے کلام کی خصوصیات خود ایک دور کی خصوصیات کے برابر ہیں"[1]

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نظیر کے باب کے آغاز میں یوں رقم طراز ہیں۔

"ان کا تعلق کسی خاص دور سے نہیں ہے اور ان کا کلام بھی خاص رنگ رکھتا ہے۔ لہٰذا ان کا ذکر علحدہ کیا جاتا ہے"[2]

یہ درست ہے کہ ان کا کلام کسی خاص دور سے متعلق نہیں ہے اور ہر دور سے تعلق رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا بیشتر کلام دور مغلیہ کی معاشی و انشا کے محرکات و عوامل سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے اس لئے ان کا ذکر اسی دور کے تحت کیا جا رہا ہے۔

نظیر ایک صوفی مشرب انسان تھے۔ وہ انسانوں کی طرح حیوانوں بلکہ بے جان چیزوں سے لگاؤ رکھتے تھے وہ موجودہ دور کی نیچرل شاعری کے پیشرو ہیں۔ نظیر کا نام ولی محمد اور والد کا نام محمد فاروق ہے۔ ان کا مولد دہلی ہے وہ اپنے ماں باپ کے بہت لاڈلے تھے کیونکہ بارہ اولاد میں تنہا یہی بچ پائے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے وقت اپنی ماں اور نانی کو لے کر آگرہ چلے آئے اور بعد تاج گنج میں سکونت اختیار کر لی۔ نظیر کی عربی و فارسی کی قابلیت معمولی تھی۔ آپ طبعاً قناعت پسند واقع ہوئے تھے۔ وہ نہایت حلیم الطبع، منکسر المزاج ظریف اور بامذاق آدمی تھے۔ اسی لئے ہندو و مسلمان سب ہی ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ جوانی کی زندگی رنگین مزاجی سے معمور تھی۔ بڑھاپے میں پچھلے گناہوں سے توبہ کر کے صوفی صافی ہو گئے تھے۔ ان کے کلام میں جو استیعابیت ہے وہ دوسروں کے یہاں مفقود ہے۔ ان کو معمولی معمولی چیزوں سے غیر معمولی دلچسپیاں پیدا کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔

نظیر نے مذہبیات پر بھی نظمیں لکھی ہیں لیکن یہاں بھی ان کی آزاد خیالی، جلوہ گر

---

[1] مختصر تاریخ اردو ادب ڈاکٹر اعجاز حسین صفحات ۱۳۱، ۱۳۲۔

[2] تاریخ ادب اردو: رام بابو سکسینہ، مترجمہ مرزا محمد عسکری صفحات ۲۸۸۔۲۸۹ مطبع

ہے۔ انھوں نے جہاں اسلام کے بعض جلیل القدر رہنماؤں کو اپنی نظموں کا محور بنایا ہے وہیں دیگر مذاہب کے مقتدرین، جیسے شری کرشن جی گرو نانک وغیرہ پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔

ان کی کلیات کا کافی حصہ ہندو مذہب کی روایات و تہوار کے رنگین اور دلآویز بیان کی عکاسی کے لئے وقف ہے۔ مذہبی شاعری کے ضمن میں نظیر کے یہاں حمد باری، نعت، منقبت حضرت علیؓ و حضرت عباسؓ، مدح سلیم چشتی، عید الفطر شب برات وغیرہ سے متعلق نظمیں ملتی ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری ان کے عہد کو نگاہ میں رکھنے پر کافی دلآویز اور اثر انگیز معلوم ہوتی ہے۔ انھوں نے حضرت علی کی منقبت کے ضمن میں بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں منقبتیہ اشعار کے ضمن میں۔ بانیٔ اسلام کی نعت کا وصفی انداز اپنایا گیا ہے نمونہ کے طور پر منقبت کے چند بند ملاحظہ ہوں۔

کروں کیا وصف میں ان کا الم ناک — کہ جن کی شان میں آیا ہے لولاک
پھرا جو عرش اور کرسی پر یہ چالاک — کہاں وہ اور کہاں میرا یہ ادراک
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

محمد رحمت العالمین ہے — حبیب حق شفیع المذنبیں ہے
رسول پاک ختم المرسلین ہے — کوئی ایسا خدائی میں نہیں ہے
لگا تحت الثریٰ سے تا یہ افلاک[1]

نظیر نے ایک بند میں نعت رسول کے ساتھ منقبت علی اور مدح پنجتن کے مضمون کو شامل کیا ہے۔

محمد اور علی یا قوت احمد — در بحر خدا خاتون اطہر
زمرد لعل ہیں، شبیر و شبر — جواہر خانۂ قدرت کے اندر

---

[1] کلیات نظیر از اطہر راہی ص ۔۔ ۳۲

یہی پانچوں گوہر ہیں پنجتن پاک[1]

شاعر نے "کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جس میں کلمہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔ یہ نظم نعتیہ مضامین سے معمور ہے۔ شاعر نے اس نظم میں "سبب تخلیق کائنات" اور دنیوی عزت و اخروی شفاعت کے مضامین نظم کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

اس کلمہ سے اے دل ہیں زمین و آسماں روشن
مہ و خورشید تارے عرش و کرسی لامکاں روشن
اسی کلمہ سے ہیں جنت کے باغ اور باغباں روشن
غرض جنت تو کیا اس سے تو ہیں دونوں جہاں روشن
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد کا[2]

میاں اب جو یہ کلمہ ہے یہ حق کی خاص رحمت ہے
یہ صدقہ ہے رسول اللہ کی ہم پر عنایت ہے
اسی سے یاں نظیر عزت اسی سے واں شفاعت ہے
یہی سب مومنوں کے واسطے افضل عبادت ہے
پڑھا کر صدق دل سے رات دن کلمہ محمد کا

نظیر نے کلمہ کے علاوہ ایک نعتیہ خمسہ بھی لکھا ہے۔ اس خمسہ میں اپنایا گیا وصفی انداز بیان شاعر کی عقیدت اور مذہبی معلومات کا مظہر ہے۔ نعت کے سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ نظیر کا نعتیہ کلام حفظ مراتب سے معمور ہے۔ اس کا نعتیہ کلام جادۂ ادب کا راہی ہے اور عقیدتمندانہ جوش میں

---

[1] ۔ کلیات نظیر اکبر آبادی ۔ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۷ھ ص ۳۷ و کلیات نظیر از راہی ص ۳۳

[2] ۔ کلیات نظیر ۔ از اظہر راہی ص ۲۹

کہیں بھی غیر معتدل نہیں ہوا۔ اس کی زبان صاف سادہ سلیس اور رواں دواں ہے۔ موضوع کی مناسبت سے فارسی الفاظ کا لطیف اور دلاویز استعمال ہے۔ نمونہ کے طور پر چند بند ملاحظہ ہوں۔

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفےٰ
سرگروہ مسلمیں ہو یا محمد مصطفےٰ
حاکم دین متیں ہو یا محمد مصطفےٰ
قبلۂ اہل یقیں ہو یا محمد مصطفےٰ
رحمت للعالمین ہو یا محمد مصطفےٰ

آسماں تم نے شب معراج کو روشن کیا
عرش و کرسی کو قدم سے اپنے دی نور و ضیا
رنگ و بو گلشن کے جنت کی بڑھائی دلربا
جس جگہ وہم ملائک کو نہیں ملتی ہے جا
واں کے تم مسند نشیں ہو یا محمد مصطفےٰ

ہے تمہاری پشت پر مہر نبوت کا نشاں
اور تمہارا وصف ہے طٰہٰ و یٰسین میں عیاں
معجزے جو ہیں تمہارے ہو گئے کب انکا بیاں
کشور اعجاز جو ہے اس کی ہو تم تخت نشاں
صاحب تاج و نگیں ہو یا محمد مصطفےٰ

ظہور اولیں ہو یا محمد مصطفےٰ
ہمدم جاں آفریں ہو یا محمد مصطفےٰ
وجہ قرآں مبیں ہو یا محمد مصطفےٰ
نزہت بستان دیں ہو یا محمد مصطفےٰ
زینت خلد بریں ہو یا محمد مصطفےٰ

آپ کا فضل و کرم کونین میں مشہور ہے
اور تمہیں ہر طور سے لطف و کرم منظور ہے
حشر میں گرچہ سزا ملنے کا بھی دستور ہے
کیا ہوا لیکن دل امید سے مسرور ہے
تم شفیع المذنبین ہو یا محمد مصطفےٰ

مخبر صادق ہو تم اور حضرت خیر الورا
سرور ہر دو سرا اور شافع روز جزا
ہے تمہاری ذات والا منبع لطف و عطا
کیا نظیر اک اور بھی سب کی مدد کا آسرا
یاں بھی تم اور واں بھی تمہیں ہو یا محمد مصطفےٰ

---

[1] ۔ کلیات نظیر ۔ صفحات ۳۷ ۔ ۳۸ ۔ از اظہر راہی ۔ رام نرائن لال بینی مادھو ۔ ۲ کٹرہ روڈ، الہ آباد نمبر ۲ ۔ طبع اول ۱۹۷۶ء ۔

سعادت یار خاں رنگین[1] دہلوی بھی اس دور کے ایک ممتاز شاعر ہیں۔ انھوں نے شعراء کو چار قسموں میں منقسم کیا تھا۔ شاعر، استاد، ملک الشعراء اور علامہ۔ وہ میر تقی میر اور میر درد کو استاد، سودا کو ملک الشعراء اور خود کو علامہ کہتے تھے۔ انھوں نے دنیائے نعت کے مشہور و معروف قصیدہ "بانت سعاد" کا اردو ترجمہ مثنوی کی شکل میں کیا ہے۔ رنگین کی نعتیں فرسودہ مضامین کی حامل ہیں۔ رنگین کی ایک خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ ہر رنگ میں اپنی رنگینی اور شگفتگی برقرار رکھتے ہیں۔ موضوع کے مطابق اسلوب اپنانے اور فن برتنے میں انھیں مہارت تامہ حاصل ہے۔ انکی ایک نعتیہ کاوش سے چند منتخب ابیات ملاحظہ ہوں۔

بڑا ہے عرش سے بھی ان کا پایا — کہ سب کچھ جن کی خاطر ہے بنایا
جناب کبریا میں کر کے زاری — طلب کرتے تھے آمرزش ہماری
اگر حامی نہ ہوتے ایسے کامل — تو بے شک ہم کو پڑتی سخت مشکل
نبی کہتے گئے اس غم میں روتے — کہ اے کاش ان کی ہم امت میں ہوتے
تلف یونہی ہوئی سب انکی وقت — بر آوے گی مگر عیسیٰ کی حسرت
سرا ہیں اپنی ہم قسمت کو رنگین — کہ امت میں ہوئے ہم انکے بے کیں

میر نظام الدین ممنون کو مذہب سے خاص شغف تھا۔ وہ اس دور کے ایسے نعت گو شاعر ہیں جن کے قلمی دیوان میں موجود تینتیس قصائد میں سے سترہ قصیدے حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔[2] ڈاکٹر محمود الٰہی لکھتے ہیں۔

"سرور کائنات کی مدح میں ممنون نے تین قصیدے لکھے ہیں اور یہ تینوں قصیدے ان کے زور قلم کی بھرپور نمائندگی کرتے ہیں ایک قصیدے کا مطلع ہے۔

---

[1] سعادت یار خاں رنگین: ڈاکٹر صابر علی خاں بحوالہ اردو میں قصیدہ نگاری۔ ص ۱۳۳

[2] اردو میں قصیدہ نگاری صفحات ۱۳۶ و ۱۳۷ ڈاکٹر ابو محمد سحر۔

نگاہ و غمزہ و ابرو و مژگاں جفا کیشاں
رگ جاں میں، جگر میں، دل میں، سینے میں رکھیں پنہاں

یہ قصیدہ خوبصورت تراکیب کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ اس نے ہر شعر میں چار باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ہر بات کے لئے وہ دلکش الفاظ انتخاب کرتے ہیں۔ لفظی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس قصیدے کے اکثر مصرعوں کے ارکان مرصع ہیں یوں بھی ممنون نے مرصع ارکان کو اردو قصیدے میں رائج کیا جس کی تقلید ذوق نے بھی کی ہے۔ ترصیع میں جس ترنم اور وزن کی ضرورت ہوتی ہے وہ ممنون کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے۔[1]

ان میں اجتہادیت اور مجددیت قطعی طور پر مفقود تھی۔ انھوں نے اپنی نعتیہ کاوشات میں سودا کا تتبع کیا ہے۔ بالخصوص تشبیہات کے استعمال میں سودا سے بہت متاثر ہیں۔ محاورات کا برمحل استعمال اور پُرزور الفاظ و تراکیب میں ان کی موزوں و متناسب مضمون آفرینی قابل دید ہے ایک نعت کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

عرب جو تو ہے یہ اس میں ہے رمز پنہانی — کہ عین رب ہے تو اے فخر انس و جانی
قلم بکف نہ گرفتہ وے قلم کھینچا — ہر ایک دفتر ملت پہ کیا باسانی

شاہ رؤف

آپ کا تاریخی نام رحیم بخش تھا۔ آپ ۱۴ محرم الحرام ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۸۷۶ء میں لکھنؤ میں ولادت پذیر ہوئے لیکن زیادہ تر قیام رامپور میں رہا۔ آپ کا تخلص رافت تھا۔ آپ کی گنتی شیخ قلندر بخش جرأت کے ممتاز شاگردوں میں ہوتی ہے۔ آپ انشا، مصحفی اور رنگین کے

---

[1] اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ۔ ڈاکٹر محمود الٰہی صفحہ ۳۱۹ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی۔ بار اوّل۔ فروری ۱۹۷۳ء۔

معاصر تھے۔ آپ نے علوم عقلیہ کے اکتساب کے بعد بارہ سال شاہ درگاہی کی خدمت کی اور اسی کا اثر ہے کہ آپ کا دامن استاد کے معنوی رنگ سے بکسر پاک ہے آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملتا ہے۔ آپ شاہ غلام علی دہلوی کے مرید تھے اور جذب و سلوک کے مراحل طے کرنے کی غرض سے اکثر و بیشتر مرشد کے پاس دلی جایا کرتے تھے۔ اسی لئے آپ کے کلام میں لکھنؤ کی بداعت تراکیب اور مضمون آفرینی کے ساتھ دلی کی سادگی اور پاکیزگی مضامین بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ کا انتقال ۱۲۴۰ھ میں ہوا۔

"مثنوی اسرار غیب" "مراتب الوصول" "مثنوی یوسف زلیخا" "جواہر علویہ" "رسالہ صادقہ مصدوقہ" "سلوک العارفین" اور "شراب رحیق" آپ کی بعض مشہور تخلیقات ہیں۔ آپ کے نعتیہ کلام میں جذب و خلوص اور شیفتگی و عقیدت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ایک نعتیہ مسدس سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

بعد تمہید خدا و اند جہاں — کہہ و لا نعت شہ کون و مکاں
جس کے باعث ہے زمین اور زماں — وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتا امکاں
نہ عدم سے کوئی آتا بہ وجود
ہوتی وحدت سے نہ کثرت کی نمود

ہے وہی دیکھ لو ٹٹول کر لولاک — باعث خلقت ارض و افلاک
ذیل وصف اس کا کہ ہے ازپس پاک — کیونکہ پہونچے اسے دست ادراک
پاک کی بات ہو ناپاک سے کیا
ہوئے جز عجز کہو خاک سے کیا

کر کے نور اس کا خدا نے پیدا — پھر یہ چاہا کہ بنیں اور اشیاء
ہو گیا "کن" سے جو کچھ ہونا تھا — عالم امر کا کھینچا تھا
واہ کیا کیا حق نے ظاہر
نور سے اس کے اسی کے خاطر

ناسخ کا عہد

ناسخ کے عہد کی اہمیت اس لئے مسلّم ہے کیونکہ اس دور میں اردو شاعری کے ہر دو اسکول اپنے تشخصات و تعینات اس حد تک متمایز کر چکے تھے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے نمایاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اب شاعری کا مرکز دلی سے ہٹ کر لکھنؤ آ چکا تھا۔ سلطنت مغلیہ کے آخری فرمانروا صرف نام کے شہنشاہ رہ گئے تھے۔ قصر سلطنت متزلزل ہو چکا تھا۔ مغلیہ سلطنت کے شیرازہ کو منتشر کرنے میں مرہٹوں کی لوٹ مار، احمد شاہ درانی کی قتل و غارت گری۔ اور نادر شاہ کے حملے کافی حد تک دخیل ہیں۔ امن و امان کا نام عنقا ہو گیا تھا۔ عوام کو سکون و اطمینان نصیب نہ تھا۔ چنانچہ شعراء میں سے میر، سودا، میر حسن، انشا وغیرہ بھی ترک وطن پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان حالات میں لکھنؤ علم و ادب کے گہوارہ کی شکل میں ابھرا۔ شعرائے دلی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ان کو انعام و اکرام، وظیفوں اور جاگیروں سے سرفراز کیا گیا۔ اور ان کی نازک مزاجیاں اور بد دماغیاں برداشت کی گئیں۔ دلی کا نقصان لکھنؤ کے لئے سود مند ثابت ہوا۔ لکھنؤ میں شعر و شاعری کے چرچے عام ہو گئے۔ شاعروں کی محفلیں روزانہ منعقد ہونے لگیں۔ شعراء ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کے لئے کلام میں ندرت و جدت پیدا کرنے لگے۔ جدت پسند طبقوں نے قدامت پرستی کو ترک کر کے اپنے نام و نمود اور شہرت کی

نئی راہیں نکالیں۔ اس طرح شعرائے دہلی کی قدیم شاہراہ متروک ہوگئی۔ اور اس کی جگہ نئی راہ نے لے لی۔ قدیم اسلوب میں دل کی زیادہ اہمیت تھی۔ وہاں جذبات صاف سادہ اور پُر اثر الفاظ میں بیان کئے جاتے تھے۔ نئی راہ میں ذہن کی وقعت زیادہ ہو گئی۔ اور اس دور کے شعراء جدت ادا، بداعت اسلوب اور صنائع و بدائع کی طرف مائل ہونے لگے۔ مولانا محمد حسین آزاد "آبِ حیات" کے ضمنی عنوان "پانچواں دور" کی تمہید میں ایک مقام پر اپنے منفرد انداز بیان میں فرماتے ہیں۔

"پہلے بزرگ گرد و پیش کے باغوں کا پتا پتا کام میں لا چکے تھے۔ اب نئے پھول کہاں سے لاتے۔ آگے جانے کی سڑک نہ تھی اور سڑک نکالنے کے سامان نہ تھے۔ ناچار اس طرح استادی کا نقارہ بجایا اور ہمعصروں میں تاج افتخار پایا۔ یہ آخری دور کی مصیبت کچھ ہماری ہی زبان پر نہیں پڑی۔ فارسی کے متقدمین کو اس کے متاخرین سے مطابق کرلو۔ بستر اسے جاہلیت کو۔۔ متاخرین عرب سے مقابلہ کرو۔ انگریزی اگرچہ میں نہیں جانتا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ اس کے متاخرین بھی اس دور سے نالاں ہیں بس معلوم ہوا کہ زبان جب تک عالم طفولیت میں رہتی ہے۔ تب ہی تک شیر و شربت کے پیالے لنڈھاتی ہے۔ جب پختہ سال ہوتی ہے تو خوشبو عرق اس میں ملاتی ہے۔ تکلف کے عطر۔۔ ڈھونڈ کر لاتی ہے۔ پھر سادگی اور شیریں ادائی تو خاک میں مل جاتی ہے۔ ہاں دواؤں کے پیالے ہوتے ہیں جس کا جی چاہے پیا کرے"

اس موقع پر یہ کہنا واجب ہے کہ ان سے پہلے جو صاحب کمال لکھنؤ میں تھے وہ دلّی کے خانہ برباد تھے۔ وہ یا ان کی اولاد اس وقت تک دلّی کو اپنا وطن سمجھتے تھے اور اہلِ لکھنؤ ان کی تقلید کو فخر سمجھتے تھے۔ نہ کر عیب کیونکہ وہاں اب تک کوئی

صاحب کمال اس درجہ کا پیدا نہ ہوا تھا۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ انھیں خود صاحب زبانی کا دعویٰ ہوگا۔ اور زیبا ہوگا۔ اور جب ان کے اور دلّی کے محاورے میں اختلاف ہوگا تو اپنے محاورہ کی فصاحت اور دلّی کی عدم فصاحت پر دلائل قائم کریں گے بلکہ انہی کے بعض بعض نکتوں کو دلّی کے اہل انصاف بھی تسلیم کریں گے۔ ان بزرگوں نے بہت قدیمی الفاظ چھوڑ دیئے جن کی کچھ تفصیل چوتھے دیباچہ میں لکھی گئی اور اب جو زبان دلّی اور لکھنؤ میں بولی جاتی ہے وہ گویا انہی کی زبان ہے"۔[1]

ناسخ اس طرز جدید کے امام اعظم اور مقتدا مانے جاتے ہیں۔ یہ طرز لکھنؤ کے ساتھ اس حد تک منسلک ہوگیا کہ اگر دہلی کا شاعر اس طرز میں شاعری کرتا تو کہا جاتا کہ اس نے لکھنؤ کے رنگ میں شعر کہا ہے۔

اس دور میں ظاہری شان و شوکت، تکلف و طمطراق اور نمائش نیز دکھاوے کو اساسی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ بادشاہ اور رعایا سبھی چند روزہ عیش و عشرت میں مگن اور مست تھے۔ نعتیہ شاعری مذہبی شاعری کے زمرے میں آتی ہے جس میں ذہن سے زیادہ دل کو اور دنیا سے زیادہ دین کو اہمیت و وقعت حاصل ہے یہی وہ صنف سخن ہے جو عقیدت کی شیفتگی اور جذبہ کے خلوص کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ اس لئے اس دور میں نعت کے میدان میں کوئی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ اور سوائے چند رسمی نعتوں کے اور کوئی قابل ذکر سرمایہ نہیں ملتا۔

شیخ امام بخش ناسخ قادر الکلام شاعر اور مسلم الثبوت استاد تھے۔

---

[1] ۔ آبِ حیات: شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد صفحہ ۳۵۵؛ طابع ہندوستانی لیتھو پریس دہلی۔ ناشر۔ پیرو بیز بکڈپو دہلی۔ بار اوّل۔

وہ طرز جدید کے موجد ہیں۔ انھوں نے اپنے بعد شاگردوں کی ایک بہت بڑی جماعت چھوڑی۔ ان کو خوشامد اور چاپلوسی سے سخت نفرت تھی۔ وہ بہت جری اور حق پسند آدمی تھے۔ غازی الدین حیدر ان کو اپنے دربار سے منسلک کر کے ملک الشعرائی کا خطاب دینا چاہتے تھے۔ لیکن انھوں (ناسخ) نے یہ کہہ کر خطاب واپس کر دیا کہ غازی الدین حیدر کو نہ تو شاہان دہلی کا مرتبہ حاصل ہے اور نہ انگریزی سرکار کا اقتدار اس لئے ایسے بادشاہ کا خطاب لینا بے کار اور بے سود ہے[1]۔ انھوں نے ایک سچی اور صحیح بات بڑے جرأتمندانہ لہجے میں کہہ دی۔ حالانکہ وہ اس کی پاداشت میں جلاوطن کر دیئے گئے مگر یہ واقعہ ان کے جبلی کردار پر روشنی ضرور ڈالتا ہے۔ بھلا ایسا آدمی قصیدہ کہاں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ ان کے دیوان میں قصائد نہیں ملتے۔ تصوف سے بیگانہ تھے اس لئے نعتیہ قصائد کا فقدان ہے۔ البتہ انھوں نے غزل کی ساخت میں نعت کہی ہے۔ جس میں ان کا رنگ مکمل طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اس نعت میں حضور صلعم کی امیت آپ کو علم باطن پر مکمل عبور حاصل ہونا، آپ کا سایہ نہ ہونا، آپ کی معدلت، آپ کے اوصاف بے حد کی تبیین کا حد بشر سے باہر ہونا۔ اور احمد و احد کے مضمون کو بدیع و نادر انداز میں نظم کیا ہے۔ صنائع و بدائع کا فطری استعمال ہے۔ لفظی و معنوی محاسن اور مضمون آفرینی کے چکر میں ان کا نعتیہ کلام حد اعتدال سے متجاوز ہو گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر ان کی یہ نعت ہدیہ ناظرین ہے۔

دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمد کا

گھسے سُل قلم پائے طلب لیکن نہ ہاتھ آیا
نشانِ سایۂ احمد نشاں تصویر احمد کا

عبور اللہ نے اس کو دیا ہے علم باطن پر
دیا ہر چند ظاہر میں نہ درس اک حرف ابجد کا

کریگا جبکہ وہ اتمام آکر حجت حق کو
زمانہ میں رہیگا نام ملحد کا نہ مرقد کا

مسیحا بہر بیعت آئے گا چرخ چہارم سے
نہیں موسیٰ سے کم رتبہ ترے جلوے کے تجدد کا

جو نزدیک اس سلیمان زماں کا دور آئیگا
بیابانوں میں ہوگا ایک مسکن دام اور دد کا

---

[1] ۔ تاریخ ادب اردو : رام بابو سکسینہ ۔ صفحہ ۲۲۷

خدا تیرا معرف ہے ملک تیرے موصف ہیں
نہیں حد بشر کہنا ترے اوصاف بیحد کا

نہ سوئے چاہ دنیا منھ کیا اے شاہ دیں تو نے
سر بر سلطنت ہیچ ہے گویا تیری مسند کا

جو کندے ناتراشیدہ ہیں انکو فیض صحبت کیا
سوا اس کے کہ پایا مرتبہ ہے چوب مسند کا

بنا اے مہر تاباں قصر یاقوت اپنے جلوے
سمیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبرجد کا

ما قل ہو اللہ احد کے ہیں یہاں ناسخ
برائے قافیہ رکھا ہے میں نے میم احمد کا

میر انیس اور مرزا دبیر

جنھوں نے اپنی ساری عمر میں مرثیہ کے لئے وقف کر دیئے اسی دور کے شاعر ہیں۔ ان کے شعری سرمایہ میں نعتیں ملتی ہیں۔ لیکن انھوں نے اس صنف میں کوئی نمایاں کام انجام نہیں دیا۔ میر انیس نے نعت کو مقصود بالذات نہیں بنایا۔ بلکہ ان کے نعتیہ اشعار بر سبیل تذکرہ کے تحت آتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نعت کے آغاز میں جو مسدس کی شکل میں ہے کہتے ہیں۔

منظور تھا کہ اور روایت کروں رقم
یاد آ گئی مگر یہ حدیث غم و الم

ان کی نعتیہ کاوشات میں خاص بات منظر نگاری ہے۔ وہ نبی صلعم کے اوصاف اس تازگی و رعنائی سے بیان کرتے ہیں کہ قاری و سامع کے سامنے ۔۔ اشرف الانبیاء کا ایک جاندار سراپا آجاتا ہے۔

مسجد میں جلوہ گر تھے رسول فلک حشم
ہلتے تھے ذکر حق میں لب پاک دم بدم

روشن تھے بام و در رخ روشن کے نور سے
آئینہ بن گئی تھی زمیں تن کے نور سے

اصحاب خاص گرد تھے انجم کی طرح سب
تاباں تھا بیچ میں وہ مہ ہاشمی نقب

سر پر ملک صفات مگس راں تھے وہ عرب
جبرئیل تھہ کئے ہوئے تھے زانوئے ادب

خادم ہلال تھا پس گردوں اساس تھا
نعلین اس کے پاس عصا اس کے پاس تھا

گیسو تھے وہ مفسرِ واللیل اذا سجا　　رُخ سے عیاں تھے معنی والشمس والضحا
وہ ریشِ پاک اور رُخِ سردارِ انبیاء　　گویا دھرا تھا رحل پہ قرآں کھُلا ہوا
اوڑھے سیاہ عبا جو وہ عالم پناہ تھا
کعبہ کا صاف حاجیوں کو اشتباہ تھا

سرزا دبیر کی نعتوں میں ان کی مضمون آفرینی، دقت پسندی، بداعت اسلوب، پاس ادب اور ندرت اظہار دیکھنے کو ملتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

کیا قامتِ احمد نے ضیا پائی ہے　　چہرے میں عجب نور کی زیبائی ہے
مصحف کو نہ کیوں فخر ہو اس صورت پر　　قرآں سے پہلے یہ کتاب آئی ہے

آدم نے شرف خیرِ بشر سے پایا　　رشتہ ایماں کا اس گہر سے پایا
دو میم محمدؐ سے جہاں روشن ہے　　مضمون یہ دل شمس و قمر سے پایا

یٰسین کو سُن کر جو قضا کرتے ہیں　　حق الفت احمد کا ادا کرتے ہیں
یٰسین ہے نبی کا نام سو نزع کے وقت　　اس نام پہ جان اپنی فدا کرتے ہیں

غرضیکہ اس دور نے، لسانی اہمیت سے قطع نظر کر کے، اس صنف میں ایسے اضافے نہیں کئے، جن سے نعت کو اپنی شخصیت کی تعمیر میں کوئی مدد مل سکی ہو۔

خواجہ وزیر۔ آپ کا نام محمد وزیر اور تخلص وزیر تھا۔ آپ کے والد خواجہ محمد فقیر تھے لکھنؤ آپ کا آبائی مسکن تھا۔ آپ آباء و اجداد کی جانب سے خواجہ بہاء الدین نقشبند اور ننھیال کے اعتبار سے مرزاؤں کے ایک نامی خاندان سے متعلق تھے۔

شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ آپ نے شیخ امام بخش ناسخ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کی تھیں اور انہی کی زندگی میں مسلم الثبوت استاد قرار پا گئے تھے رفعت مضامین، نزاکتِ تخیل، متانتِ بیان، صحت زبان اور پختگیٔ کلام آپ کے شعری سرمایہ کے امتیازی عناصر ہیں۔

مذہب سے وابستگی کی بنا پر آپ کے کلام میں غزل کے علاوہ حمد و نعت سے متعلق سرمایہ بھی ملتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف کو رسول خدا صلعم سے بہت عقیدت و محبت تھی۔ نمونۃً آپ کی ایک نعتیہ غزل سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اللہ رے حسن رخ نیکوئے محمدؐ　　ہے چشم خداوند جہاں سوئے محمدؐ
نظروں میں شفاعت نے عمل تول لئے ہیں　　پلّے پہ ہے امت کے ترازوئے محمدؐ
بخشش میں وہ مصروف، یہ سرگرم شفاعت　　اللہ سے ہے ملتی ہوئی خوئے محمدؐ
کرتی ہے گناہ خلق خدا کچھ نہیں کہتا　　واقف ہے کہ نازک ہے بہت خوئے محمدؐ

مومن کا عہد

اردو نعت کی دنیا میں یہ دور کئی معنوں سے بہت اہم ہے۔ اس دور میں مغلیہ سلطنت کی شمع آخری سانس لے رہی تھی۔ اس لئے اس کی نوعیت ہی بدل گئی تھی۔ آخری مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر خود نعت کہتے تھے۔ اور نعتیہ مشاعرے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منعقد کراتے تھے۔ مومن خاں مومن، صہبائی، مولوی غلام شہید اور رحیم میر مٹھی کو ان مشاعروں میں شرکت کا افتخار حاصل تھا۔ اس دور کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ایسے کئی شاعر پیدا کئے، جنھوں نے ایک صنف سخن کی حیثیت سے نعت پر کام کیا۔ اس دور کے کئی شاعروں نے اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتوں کو نعت نبی کی مقدس خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ اس دور کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے نعت کو پر کیف تغزل، رعنائی، دلاویزی اور اثر سے روشناس کیا۔ اس دور میں نعت کی ہمہ جہتی ارتقاء کا آغاز ہوا۔ لطف علی خاں لطف نے تعداد کے اعتبار سے کافی نعتیں کہی ہیں۔ انھوں نے اتنی نعتیں کہہ ڈالی تھیں کہ ان کا نعتیہ دیوان ان کی زندگی میں مدون ہو گیا تھا۔ ان کے نعتیہ سرمائے میں نو مناجات اور ایک سو سے زائد غزلیں ہیں۔ انھوں نے قصیدہ، غزل، مثنوی، قطعہ اور رباعی کی ہیئت میں نعتیں کہی ہیں۔ اور جامی کی ایک غزل پر تضمین لکھ کر نعت میں تضمین کی راہ ہموار کی۔ شہیدی نے تعداد میں کم نعتیں کہی ہیں لیکن ان کی نعتوں میں بلا کا اثر

اور گداز ہے۔ اسی دور میں ایک شاعر منشی منور خاں منور دلگیر گزرے ہیں جنھوں نے دیہاتی زبان میں نعتیں لکھی ہیں۔ ان کی دیہاتی نعت میں گیت کے کافی عناصر موجود ہیں۔ غالب نے فارسی میں بہت اچھی اور توانا نعتیں کہی ہیں لیکن تعجب ہے کہ ان کے اردو دیوان میں ایک بھی نعت نہیں ملتی۔ اختر، کیفی، اور ساقی بھی اس دور کے مشہور نعت گو شاعر ہیں۔ اثر، خلوص اور معنویت، تغزل، صفائی، شستگی، رعنائی اور شیرینی اس دور کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مفتی صدرالدین آزردہ۔

آپ کی ہستی اپنے دور کی جامع علوم و فنون اور نادرۂ روزگار ہستی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں شاہ عبدالعزیز اور فضل امام ممتاز ہیں۔ اور شاگردوں میں نواب صدیق حسن خاں والیٔ بھوپال، مفتی سعداللہ اور سرسید احمد خاں کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ آپ کو شعر و سخن سے طبعی انس تھا۔ آپ کے شعری سرمایہ میں علمی اصطلاحات کا استعمال، مضامین کی بلندی، لہجے کا وقار، مضامین کی پاکیزگی اور خیالات کی صفائی قابل داد ہے۔ آپ نے غزل کی ساخت میں اچھی نعت کہی ہے۔ آپ نے غزل کے اشعار کے مابین بھی نعت کے اچھے اشعار نکالے ہیں۔ اسی قبیل کے چند اشعار بغرض ملاحظہ پیش ہیں۔

ریختہ یہ ہے کہ جیون آیت محکم ہے صاف
میں ہوں اور گوشۂ شیریں یہ تمنا ہے اب

معنی دور نہیں لفظ بھی مہجور نہیں
مدعا اے پر تو لطف نبوی کوئی عمل!!

خواہش سلطنت قیصر و فغفور نہیں
آستاں ہے ترے در کا وہ تجلی پرتو

شمع تنہائی ظلمت کدۂ گور نہیں
کوئی ساون ہے کہ خورشید جہانتاب سحر

پہنچے پاسنگ کو جس سے جبل طور نہیں
پایۂ عرش بڑھانا تھا اگر نہ یہ نام

خاک در سے ترے دریوزہ گر نور نہیں
ہوں ادا نظم میں کس طرح مناقب تیرے

لوح پہ عرش کی ہوتا کبھی مسطور نہیں
ترک روئے خوش آزردہ محالات سے ہے

سلسلہ یہ متناہی ہے وہ محصور نہیں
یوں خدا کی تو خدائی سے ہے کچھ دور نہیں

ذوقؔ

شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کا شمار اپنے وقت کے نامور اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنے زمانے میں "خاقانیٔ ہند" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ لیکن اردو کی نعتیہ شاعری میں آپ کا کوئی مقام نہیں۔ ان کے دیوان میں نعتیہ اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔ ان کے خیالات عام اور معمولی ہیں۔ لیکن ان کے بعض نعتیہ اشعار کافی اچھے ہیں۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر ذیل میں رقم کئے جاتے ہیں۔

رہے نام محمد لب پہ یارب اوّل و آخر — الٹ جائے بوقت نزع جب سینے میں دم میرا
محبت اہل بیت مصطفےٰ کی نور برحق ہے — کہ روشن ہو گیا دل مثل قندیل حرم میرا
شرف بغداد کا خط غلامی ذوق رکھتا ہوں — نہ کیوں دل اس خط بغداد سے ہو جام جم میرا
دل سے میں اپنے رسول عربی کا ہوں غلام — دل کہو جان کہو جو کہیں ہیں اس بات کو سب
میں حضوری میں رہوں اکی نہ کس طرح مدام — ہے یہ مشہور "مال عرب بیش عرب"

نام کو اللہ اکبر کیا ترے تاثیر ہے — ہر اذاں میں شامل اور داخل ہر تکبیر ہے

دلدار علی مذاقؔ بدایونی

آپ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں بدایوں میں متولد ہوئے۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ جب آپ پہلی بار ۱۸۳۶ء میں دہلی پہونچے تو اس وقت کی دلی میں ذوقؔ کا طوطی بول رہا تھا۔ چنانچہ جب آپ استاد ذوق کے شاگرد ہو گئے تو آپ نے استاد کے تخلص کی مناسبت سے مذاقؔ تخلص اختیار کیا۔ اس سے پیشتر آپ غبارؔ تخلص رکھتے تھے۔ آپ نے مشق و ممارست کے سہارے بہت جلد شعر و شاعری میں شہرت حاصل کر لی آپ کا دیوان کلام دلدار علی مذاقؔ کے نام سے ۱۲۸۱ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔

آپ ایک صوفی صافی اور درویش صفت انسان تھے۔ مزاج کی اسی افتاد کی بنا پر آپ کے کلام کا بیشتر حصہ سلام و منقبت اور حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ زبان کی پاکیزگی آپ کا جوہر ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام میں وصفی انداز بیان حاوی ہے لیکن کہیں کہیں سوز دروں کی کارفرمائی بھی نظر آجاتی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند نعتیہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

نبی جی کی میلاد کی کیا خوشی ہے — خوشی کے لئے سارے عالم کا جی ہے
کھلا ہے گل باغ ختم رسالت — گل و غنچہ کو کیا ہنسی اور خوشی ہے
ولادت کے دن سے قیامت تلک اسکی — صدا رات دن امتی امتی ہے
محمد ہے نام اس کا وہ ہے قریشی — لقب ابطحی شیبی ہاشمی ہے

ہیں ملنے کی اس کی بڑی آرزوئیں بہت خواہشیں، عمر تھوڑی رہی ہے

مذاق اب بر آئیں گی دل کی مرادیں
کہ احمد جواد و کریم و سخی ہے

قرآن کریم میں خدائے بزرگ و برتر نے فرمایا ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" اس مفہوم کو شعری جامہ پہناتے ہوئے حضرت مذاق فرماتے ہیں:

حق حق یوں ہے نہ حق ریاضت میں ملا — طاعت میں ملا نہ وہ عبادت میں ملا
واللہ مذاق جب کسی نے ڈھونڈا — اللہ رسول کی اطاعت میں ملا

انھوں نے اپنی ایک غزل میں جس کی ردیف مدینہ ہے۔ بہت صاف سادہ انداز نبی صلعم کے لئے اپنے عقیدت قلبی کا اظہار کیا ہے۔

ہے شمع خدا انجمن آرائے مدینہ — جبریل ہے پروانۂ شیدائے مدینہ
ہر رنگ میں ہے وہ چمن آرائے مدینہ — ہر گل میں ہے بوئے گل زیبائے مدینہ
دل عرش ہے تراشہ والائے مدینہ — تو آئے تو سینہ مرا ہو جائے مدینہ

قدرت کا خدا کی نظر آتا ہے تماشا
کیا دید کے قابل ہے تماشائے مدینہ

مذاق نے ایک نعت میں بارگاہ نبوی ﷺ کے حضور اپنا پُرخلوص سلام صاف سادا الفاظ میں پیش کیا ہے۔ چند بند بطور نمونہ رقم ذیل ہیں۔

کیا کہوں آہ یا رسول اللہ ﷺ — ہم ہیں جاں کاہ یا رسول اللہ ﷺ
قصۂ غم ہے طول کیا کہئے — قصہ کوتاہ یا رسول اللہ ﷺ
رب سلم علیٰ رسول اللہ ﷺ
مرحبا مرحبا رسول اللہ ﷺ
راہ تکتا ہوں تیری نکلے گی — کچھ نہ کچھ راہ یا رسول اللہ ﷺ
تم ہو اللہ کے نبی و رسول ﷺ — نبی اللہ یا رسول اللہ ﷺ

رب سلم علیٰ رسول اللہ ﷺ
مرحبا مرحبا رسول اللہ ﷺ
نام سنتے ہی شکل بھی دکھلا — نام للہ یا رسول اللہ ﷺ
پڑھ رہا ہے مذاق صلی علیٰ — رحمۃ اللہ یا رسول اللہ ﷺ
رب سلم علیٰ رسول اللہ
مرحبا مرحبا رسول اللہ

ظفر

خاندان تیموریہ کے آخری تاجدار سراج الدین محمد بہادر شاہ پسر اکبر شاہ ثانی صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کے چار دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ ان کو نعت سے خاص شغف تھا۔ انھوں نے مناعتوں کی بنیاد ڈالی۔ ان کی نعتیں صاف، سادہ، سلیس اور فصیح ہیں۔ ان کی نعتوں میں خیالات کی بلندی، تشبیہات کی رنگینی اور جذبات کی دلاویزی ہے۔ انھوں نے اپنی ایک نعت میں حدیث نبوی "کنت نبیا" و آدم بین الماء و الطین کو نظم کیا ہے۔ ایک مقام پر گردش فلک کی شاعرانہ وجہ بیان کر کے نبی صلعم کی نعت بیان کی گئی ہے۔ قرآنی تلمیحات نظم کرنے میں ظفر کو کافی مہارت حاصل ہے۔ اس کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ وہ زیارت دیار حبیب سے مشرف نہ ہو سکا۔ کلام میں خارجیت و داخلیت کی لطیف آمیزش ہے۔ نمونے کے طور پر ایک نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

اے سرور دو کون شہنشاہ مہ الکرم — سر خیل مرسلین و شفاعت گرام
رنگ ظہور ہے ترے گلشن رخ حدوث — نور وجود ہے ترے روشن دل قدم
تو تھا سریر آرائے رسالت پہ جلوہ گر — آدم ہنوز پس پردۂ عدم
صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں — رکھتا سر زمیں نہ اگر اپنا تو قدم
عریم تیرے دست مبارک سے رہ گیا — کیونکر نہ اپنا چاک گریباں کرے قلم
واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے ثنا — والشمس ہے تیرے رخ پر نور کی قسم
پھر بخانہ آستان مقدس کو تیرے میں — اس غم سے مثل چشم ہوئی میری چشم نم

اسماعیل شہیدؒ

مولوی اسماعیل شہید موسیٰ کے ہم عصر تھے۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے پسر ارجمند عبدالغنی کے نور نظر تھے آپ کی شخصیت علم و عمل کا حسین سنگم تھی۔ آپ عملی طور پر حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے وابستہ تھے۔ آپ کی شہادت ۱۸۳۱ء میں ہوئی۔

آپ بانی اسلام صلعم سے بہت مخلص عقیدت رکھتے تھے بدعات و خرافات کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے پیغمبر اسلام سے عقیدت کا اظہار درود و سلام کے ذریعہ کیا ہے۔ اسماعیل شہید نے موجز انداز بیان میں بانی اسلام کے وصاف شمار کئے ہیں۔ انھوں نے آپ کے تقدم و تاخر کو مقطع انبیاء اور مطلع اصفیاء کی ترکیبوں سے واضح کیا ہے۔ چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ انسان اکمل ہے سنتے ہو کون؟ — ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
نبی البرایا، رسول کریم — نبوت کے دریا کا در یتیم
محمدؐ ہے نام اور احمد لقب — بیاں ہو سکے منقبت انکی کب

یہ ظاہر جو ہے مقطع انبیاء — حقیقت میں ہے مطلع اصفیا
ہے اول ہی پیدا ہوا ان کا نور — یہ ظاہر کیا گو کہ آخر ظہور

ہے دستور یہ ناظموں کا تمام — کہ آخر کو ہوتا ہے ناظم کا نام
سو تھا انبیاء کا قصیدہ عجیب — ہوا ختم اس کا یہ بہتج غریب

تخلص کا موقع تھا یا دو جہاں سو قصویر ناظم ہوئی واں عیاں

الٰہی ہزاروں درود اور سلام
تو بھیج ان پر اور ان کی امت پر عام

حکیم مومن خاں مومنؔ

شاہ عالم کے عہد (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء) میں مومنؔ کے جد بزرگوار حکیم نامدار خاں کشمیر سے آکر دہلی میں اقامت گزیں ہوئے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے آبحیات میں لکھا ہے کہ۔

"ان کے والد حکیم غلام نبی خاں ولد حکیم نامدار خاں شہر کے شرفا میں سے تھے۔ جن کی اصل بجنائے کشمیر سے تھی"[1]

شیفتہ گلشن بیخار میں مومنؔ کی نجابت نسبی کے متعلق یوں رقم طراز ہیں۔

"از دودمان گرامی و از خاندان نامی است علو فضائل شیم و جلالیل فخیمش صدر قم پنکیت و شار محامد بزرگ و مکارم ستہ کش اندازہ قلم نہ"[2]

حکیم نامدار خاں دہلی آکر شاہ عالم کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ اور ان کو نارنول کا علاقہ جاگیر میں ملا۔[3] حکیم مومن خاں ۱۲۱۵ھ[4] مطابق ۱۸۰۰ء میں محلہ کوچہ

---

[1] ۔ آبحیات : محمد حسین آزاد صفحہ ۴۱۲

[2] ۔ گلشن بیخار : نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ صفحہ ۱۹۵

[3] ۔ دلی کا دبستان شاعری۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی صفحہ ۲۴۲

[4] ۔ آبِ حیات ۔ مولانا محمد حسین آزاد صفحہ ۵۳۹

چیلان میں متولد ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ان کے کان میں اذان دی اور محمد مومن نام تجویز کیا۔ عربی کی کتابیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے مدرسہ میں پڑھیں۔ اور فارسی عبداللہ خاں علوی سے جو علامہ المتقدمین عالم تھے، تحصیل کی[1]۔ مومنؔ بہت ذہین و طبّاع تھے فارسی میں غیر معمولی دستگاہ رکھتے تھے۔ کریم الدین لکھتے ہیں کہ۔

"حال استعداد انکا یہ ہے کہ عربی میں شرح ملّا تک اور فارسی خوب جانتے تھے"[2]

طب ان کا موروثی پیشہ تھا۔ اور اس سے ان کو جبلّی تعلق تھا۔ انھوں نے اپنے فکر شعر میں جا بجا اس طرف اشارے کئے ہیں۔ ایک غزلیہ قصیدہ میں فرماتے ہیں۔

طبیب ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل نظارہ رُخ گلفام سے مجھے محسوس

سعادت خاں ناصرؔ نے مومنؔ کو "سچا نفس، ستارہ داں، حکیم بے نظیر (شاعر بے عدیل) مومن خاں شاہجہاں آباد کا ساکن، شاعر باجماعت، تلامیذ بے نہایت"[3] لکھا ہے۔ علم نجوم، جفر، عملیات اور ریاضی سے بخوبی واقف تھے۔ وہ (مومن) خود محوّلہ بالا غزلیہ قصیدے میں کہتے ہیں۔

کروں جو گردش انجم کی میں رصد بندی فدا ہو وجد میں آکر روانِ بطلیموس

مومنؔ طبعاً بہت جامہ زیب واقع ہوئے تھے۔ موسیقی میں ان کی فنی خداقت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ "میر ناصر احمد نے آپ کے انتقال پر بین اٹھا کر رکھ دی"[4] عشق و عاشقی کے سلسلے میں ان کے پانچ معاشقے بہت مشہور

---

[1] ۔ اعجاز سخن شیر علی سرخوش صفحہ ۲۹۴

[2] ۔ طبقات الشعراء : کریم الدین ۱۸۴۸ء صفحہ ۴۴۳
انجمن ترقی اردو لائبریری۔ علی گڈھ۔

[3] ۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا۔ مولفہ سعادت خاں ناصر صفحہ ۱۵۵۔
مرتبہ ڈاکٹر شمیم احنفی۔ طبع اول جولائی ۱۹۷۱ء نسیم بکڈپو لکھنؤ

[4] ۔ مقدمہ دیوان مومن صفحہ ۲۵

ہیں۔ مومن نے دو شادیاں کیں۔ دوسری شادی خواجہ میر درد کے خاندان میں ہوئی۔ ان کے خسر خواجہ میر نصیر میر درد کے نواسے اور خوشدامن میر درد کی پوتی تھیں۔ مومن نے بارہ سال کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی[1] اور پچاس سال کی عمر تک مشق سخن جاری رکھا۔ مومن کے کلام میں مذہبیات کو کافی دخل ہے۔ وہ ایک سُنّی عامل بالحدیث مسلمان تھے۔ جوش عقیدت کا یہ عالم ہے کہ مذہبی تصلّب کبھی کبھی تعصب کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے۔ پچھت کی سیڑھیوں سے گر کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگے جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ مگر میرا علم یہ کہتا ہے کہ میں صرف بائیس مہینے جیوں گا[2] اور ۱۲۶۵ھ کو محرم کے دن صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔ مومن نے اس حادثہ کی جو تاریخ کہی تھی، وہ تاریخ وفات بن گئی۔ تاریخ حادثہ درج ذیل ہے۔

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفعت گفتا — خود با خود ش گفتم بشکست دست و بازو
گفتم کہ بایدت گفت تاریخ این مصیبت — گفتا خموش گفتم بشکست دست و بازو

مومن کی فتیہ شاعری ایک تضمین ایک مثنوی اور ایک قصیدہ پر مشتمل ہے۔ مومن نے اردو میں نو قصیدے لکھے ہیں جن میں سے ایک ایک حمد و نعت میں، چار خلفائے اربعہ کی منقبت میں ایک حضرت حسن مجتبیٰ کی مدح میں، ایک وزیر الدولہ امیر الملک نواب محمد وزیر خاں نصرت جنگ والیٔ ٹونک کی مدح میں ایک راجہ اجیت سنگھ رئیس پٹیالہ کی مدح میں ہے۔ مومن کے فتیہ قصیدہ میں ستاسی ۸۷ اشعار ہیں۔ مطلع درج ذیل ہے۔

چمن میں نغمہ بلبل ہے یوں طرب مانوس — کہ جیسے صبح شب ہجر نالہائے خروش[3]

اس فتیہ قصیدہ کی تشبیب بہاریہ ہے۔ پورے قصیدے میں مومن کا انداز بیان اور استعمال الفاظ و تراکیب دقت آمیز ہے۔ جو ہر ہر قدم پر قاری کی نظر کی

---

[1] ۔ مومن : کلب علی فائق صفحہ ۳۷
[2] ۔ حیات مومن : عرش گیاوی صفحہ ۸۱
[3] ۔ کلیات مومن : صفحہ ۱ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ بماہ ستمبر ۱۹۲۳ء

گہرائی و گیرائی کا امتحان لیتا ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے فتیہ قصیدہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

"انھوں نے بعض قصیدے مشکل قافیہ و ردیف میں بھی کہے ہیں"[1]

صنائع و بدائع کے استعمال میں برجستگی و بے ساختگی ہے۔ مومن نے تلمیحات کے استعمال سے فتیہ مضامین کو موجز و وقیع بنایا ہے۔ تلمیحات ایضاح مطالب میں ممد و معاون ہوتی ہیں۔ ایک شعر میں صنعت زائد و ناقص، مراعاۃ النظیر اور حسن تعلیل کا حسین و لطیف استعمال ملاحظہ ہو۔

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے — زبسکہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس[2]

شعر درج ذیل میں صحن چمن کی صفائی کے سلسلے میں شاعر کہتا ہے کہ صحن چمن میں جب پھول کا عکس پڑتا ہے۔ تو گلچیں اس کو اصلی پھول خیال کر کے توڑنے کے ارادے سے خاک پر ہاتھ ڈالتا ہے۔

زہے فریب صفا، خاک بیز ہے گلچیں
پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس[3]

شاعر تشبیب کے ایک شعر میں تعلّی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ باغ میں پرندہ اس خوش الحانی کے ساتھ یہ رنگین مطلع گا رہا ہے۔ کہ اگر اس کی آواز بلبل طوس یعنی فردوسی سُن لے، تو ششدر رہ جائے۔

پڑھے ہے مرغ گلستاں وہ مطلع رنگیں — کہ سُن کے بس جسے رہ جائے سن بنی بلبل طوس[4]

شاعر نے اکثر جگہ مضامین نعت کو علمی مصطلحات سے دقیق اور عسیر الوصول

---

[1] ۔ اردو میں قصیدہ نگاری : ڈاکٹر ابو محمد سحر صفحہ ۱۶۰
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۱ مطبع نولکشور لکھنؤ۔
[3] ۔ کلیات مومن : صفحہ ۱ ماہ ستمبر ۱۹۲۳ء
[4] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۱

بنایا ہے۔ اسی فتیہ قصیدے کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔ جن میں سے پہلے میں طبعی اصطلاحات اور دوسرے شعر میں اقلیدس کی اصطلاحات جمع کی گئی ہیں۔

خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار — عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس
ہے دشتِ بزم طرب کثرت نتائج سے — نہ کیوں ہو شکل حماری کو ناز شکل عروس[1]

شاعر نے چالیس اشعار تشبیب کے کہے ہیں۔ اور اکتالیسواں شعر گریز کا ہے جس میں شاعر کہتا ہے کہ اس کا دل ناکامی اور مایوسی کے باعث ناشگفتہ اور پژمردہ ہے۔ مگر ہوا کی تاثیر سے اس کا غنچۂ دل کھل کر پھول بن گیا، اس لئے وہ ہوا کا رہینِ منت ہے۔ اور بیالیسویں شعر میں شاعر نے کہا ہے کہ دمِ عیسیٰ کو بھی اس ہوا کی قدمبوسی کی حسرت ہے۔

عزیز آب نجالت ہوا کے فیض سے ہوں — کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دل مایوس
ہو۔ ہے کون سی ایسی مگر مدینے کی — دمِ مسیح کو ہے، جس کی حسرت پایوس[2]

شاعر نے مدحیہ اشعار کے تحت بانیٔ اسلام کی نعت میں بہت سے جاندار اور تر و تازہ اشعار کہے ہیں۔ وہ آپ کے حسن کی تعریف میں کہتا ہے کہ اگر زلیخا خواب میں بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ دیکھ لیتی تو کبھی یوسف پر عاشق نہ ہوتی، کیونکہ جمالِ محمدی، جمالِ یوسفی سے کہیں زیادہ دلادیز اور دلکش ہے۔

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا — تو دیتی دل کہیں یوسف کو دخترِ طیموس[3]

شاعر نے حضور صلعم کو باعث معاد نفوس، شفیع ہر دو سرا، جہاں مطاع، شہنشاہ آفتاب نشاں، فلک سریر، قمر طلعت، ملک ناموس، کہکر آپ کے فیوض بابرکات، آپ کے رحم، آپ کی شمشیر، آپ کے نیزہ، آپ کی استمداد سے نعرۃ الکوس کا

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۱
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۲
[3] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۳

رستم کے نعرۂ صفیر مرگ ہونا۔ خیال بانیٔ اسلام سے اصحاب کہف کا مست خواب ہونا۔ قاب قوسین اور وجہ تاخر زمانی کو نظم کیا ہے۔ متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہ کون احمد مرسل، شفیع ہر دو سرا — جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس
جہاں مطاع شہنشاہ آفتاب نشاں — فلک سریر قمر طلعت و ملک ناموس

ترے ہی فیض سے ہر قطرہ آبیار نجوس — ترے ہی نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس
ہمیشہ عفو ترا طالب گناہ گاراں — مدام رحم ترا در دمند کا جائوس
تری حسود کی نسبت سے جل رہی ہے کیوں — ہجوم شعلہ سے دوزخ ملے کف افسوس
خمیدہ کس لئے نہ آسماں بنے تھے بھلا — نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پایوس

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر — نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

ترا وہ خوف کہ رک جائے تا گلو آکر — نہ نکلے صبد ترسا میں نالۂ ناقوس
یہ ہے کوئی جہاں سوز نے جلایا ہے — کہ منع نہ کر سکے فرق صراحی و فانوس
رئیس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں — نہ آسماں کے واژوں رہے مدام کبوس
فریب وعدہ پہ چھوڑی تھیں نے جھوٹی قسم — سناز بس کہ زباں سے تری وعید غموں
دم مصاف ترے دشمنوں کے لشکر میں — صدائے نوحہ و شیون ہے شور و غلغل کوس
دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے — بسان ساغر خورشید کاسۂ ہاروں
ملا دے گا وزمیں گاو چرخ سے نیزہ — بٹھا دے خاک پہ شیر سپہر کو دنبوس
اگر کہے مدد لے یا محمد عربی — صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۳

جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے — وہ دیکھ لے تری زین و کمان کا قزح توس

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین — وگرنہ خواب کہاں اور زمان رقیا نوس

ظہور میں ہوئی تقدیم انبیاء کہ نہ تھا — ترے وسادۂ دولت پہ احتمال جلوس[1]

شاعر نے اسلوب بیان میں ہر جگہ پاس ادب ملحوظ خاطر رکھا ہے صرف ایک شعر ملاحظہ ہو۔

براق اسپ ترا ابر و تو فرشتہ رکاب — کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس[2]

اس قصیدے میں علمی اصطلاحات کا اژدہام ہے، علمی مصطلحات کے سلسلہ میں درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر — کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس

جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح — کرے دعائے رواج طریق جالینوس

دم مسیحا و پارہ گر قبض تا بدست لئیم — کیا ہو میں نے جو تجویز و ذن سنقز فلوس

گواہ عصمت مریم ہو کثرت اولاد — عقیمہ مجھ سے سنے گر بیان شکل عروس

طلسم ماہ لکھوں گر پئے زبان بستن — بنائے ہر دہن چرخ نقطۂ جاسوس

یقین ہے کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو — پڑھوں جو میں پئے دوری دعائے بدر بطوس[3]

چھبیسویں سے چودھویں تک کے اشعار میں، شاعر نے اپنے سوانح حیاتی عناصر منتشر کئے ہیں۔ شاعر نے نعت کے وصفی و معروضی روش بیان کو بڑی خوبی کے ساتھ اپنے سوانح حیاتی بیان کی طرف موڑا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

---

[1] ۔ کلیات مومن۔ ص ۱۴ ۔ [2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۴ ۔
[3] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۵

شہا ستم ہے کہ ترے مدیح خواں پر کرے — ہزار گونہ ستم روزگار نامانوس[1]

مومن نے شعر نمبر ۵۹ میں حرکت ارض کو فرضیت کے زمرہ میں رکھ کر اپنی تعلی کا بلیغ مضمون نکالا ہے۔

بغرض گردش کرۂ خاک کو کہوں دائر — نکستہ اسپ گلی ہو سبک تاز فرس

شاعر اپنی روانی طبع کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے کہتا ہے۔

جو دیکھیں میری طبیعت کی گوہر افشانی — شریک درد ہوں محمود نکتہ پرور طوس

شکایتی رضا مین سے فراغت حاصل کر کے اس نے تین دعائیہ اشعار کہہ کر قصیدہ کا اختتام کیا ہے۔

خدا کے واسطے گم دعا ہو بس مومن — کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

ہے جب تلک گل و بر قسمت نہال و شجر — ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت دوس

بدام چھوڑے پھلوں کا نخل مراد — رہیں داغ عدو کا رہے دل مایوس[2]

جوش عقیدت و وفور شیفتگی، خلوص و محبت، خیال کی پاکیزگی، جذبات کا خلوص، حسن عقیدت اور جوش مذہب ان کے نعتیہ قصیدہ کے امتیازی عناصر ہیں۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی مومن کے نعتیہ قصیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ جوش عقیدت جو حمد میں ہے، وہ ان کی نعت اور منقبت میں بھی نمایاں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کے نعتیہ قصیدے میں سادگی اور پرکاری کی وہ مثالیں تو نہیں ہیں، جن کا نمونہ اوپر گزرا، مگر زور بیان اور جوش ادا کی زندہ مثالیں موجود ہیں[3]۔"

کلیات مومن میں چھ مکمل مثنویاں اور دو نامکمل مثنویاں ہیں۔ نامکمل

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۴
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۱۵
[3] ۔ مومن شخصیت اور فن: ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صفحہ ۲۲ مطبع یونین پرنٹنگ پریس جامع مسجد دہلی طبع اول۔ فروری ۱۹۷۲ء۔

مثنویات میں ایک "مثنوی بمضمون جہاد" کے عنوان سے ہے۔ اور دوسری مثنوی کا عنوان "اشعار مثنوی ناتمام" ہے۔ اسی آخر الذکر مثنوی کے محتویات میں نعتیہ مضامین مندرج ہیں۔ شاعر نے مثنوی مذکور میں نعتیہ مضامین کے آغاز سے قبل شراب جام کوثر کا سہارا لیا ہے۔ چند افتتاحیہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

پلا ساقیا جام کوثر مجھے — خراب شراب ہدیٰ کر مجھے
وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب — کہ تسنیم ہو شرم سے جس کی آب
وہ مے جو کرے لوث عصیاں کو دور — کہے جس کو خالق شراب طہور
وہ مے جس کی حور و ملک تشنہ کام — وہ مے جو سوا احمدی کے حرام
وہ مے جس کا صہبا خم حوض و نہر — وہ مے جو پے تشنہ کامی ہے زہر
وہ مے جس کی تیزی دم ذوالفقار — علی سرخوش نشۂ بے خمار
وہ مے مشتری جس کے ہیں سرفروش — وہ مے جس کا صدیق ساغم بدوش[1]

مومن نے مثنوی معرض بحث میں قصیدہ کی شان پیدا کی ہے۔ چنانچہ اس نے یہ مضامین سے گریز کرتے ہوئے کہا ہے:

وہ مے جس کا مکیش نہ گمراہ ہو — وہ مے جس سے کیا دل آگاہ ہو
مجھے اس سے گر تشنہ کامی مری — منشی ہو شیریں کلامی مری
خراب شراب سخن ہو قبول — بنوں مے فروش ثنائے رسول[2]

اس کے بعد کے بیت سے بانی اسلام کی وصفی تعریف کا آغاز ہوتا ہے۔ شاعر نے نعتیہ مضامین کے مابین حضور صلعم کے امی ہونے، نقشبند علوم ہونے، ناسخ صحف و کتب ہونے، علامہ روزگار ہونے، شافع روز جزا ہونے، آنجناب کی گذارش کا مدار عفو ہونا، آپ کے نکوخواہ جملہ امم، وسیلۂ نجات و کرم، ساقی کوثر

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۳۹
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۰

سلسبیل آبرو بخش عبد ذلیل وغیرہ مضامین نظم کئے ہیں۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

محمد سزائے ستایش گری — مدیح آفریں جس کی پیغمبری
دل ساکنان سپہر بریں — سر انبیاء سید المرسلین
وہ بے امی نقشبند علوم — کلام اس کے سب دلپسند علوم
یہ کیسے فنون اس کو حاصل ہوئے — کہ سارے صحف نقش باطل ہوئے
کہاں ایسا علامۂ روزگار — کہ حکم کو اکب ہو تقویم پار
وہی شافع خلق روز جزا — اسی کی گذارش پہ عفو و سزا
نکو خواہ ساری امم کا وہی — وسیلہ نجات و کرم کا وہی
وہ ہے ساقی کوثر و سلسبیل — وہ ہے آبرو بخش عبد ذلیل
اسی کے مقلد کو جنت میں راہ — اسی کی ضراعت پہ عفو گناہ[1]

مومن کی نعتیہ شاعری میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ قرآن و احادیث کے تراجم اتنے لطیف انداز میں کرتا ہے کہ اصل سے غیر واقف شخص کو ترجمہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اس قبیل کے چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

اسی بات پر حجت اتمام ہے — کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
نکیجے اگر حسب شرع رسول — خدا کی بھی طاعت نہ ہوئے قبول

شاعر واقعۂ معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ کے "نقش قدم" کو "عرش کا تاج" قرار دیتے ہوئے کہتا ہے۔

یہ کیا جسم خاکی کی معراج ہے — کہ نقش قدم عرش کا تاج ہے[2]

شاعر نے واقعۂ معراج کے سلسلہ میں خرق فلک کے استحالہ کا بطلان معجزۂ شق القمر اور آپ کے باعث تخلیق کائنات ہونے سے کیا ہے۔

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۰
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۰

جو کہتے ہیں خرق فلک ہے محال — یہی ہے دلیل حضیض خیال
سمجھنے کی ہے بات اے نکتہ داں — ہوا خلق جس کے لئے آسماں
ہوا خرق اس کے لئے پھر اگر — تو کیا دور ہے گفتگو مختصر
بس اے تیرہ باطن نہ انکار کر — کہ برہان ساطع ہے شق القمر

شاعر نے اپنی اس نعتیہ کاوش میں آنجناب صلعم کے سایہ نہ ہونے کے مضمون کو مدللانہ انداز میں نظم کیا ہے۔

یہ تابش یہ انجم کا پایا نہیں — کہ ان کے ہے ظل اس کے سایہ نہیں
کدورت کہاں جسم اطہر میں وہ — کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ

سایہ نہ ہونے کی وجہ کو اپنی دانست سے باہر پاکر جب شاعر نے بارگاہ ایزدی میں وقوف کی التجا کی تو جو کچھ ہاتف غیب نے پیر خرد سے کہا، اس کو مومن نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔ اور اسی ضمن میں "فقدان ظل نبی" کے وجوہ و علل بیان کی ہیں۔ اس قبیل کے ابیات کی فہرست میں مندرجہ ذیل اشعار کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔

اگر وہ سبب خلق افلاک کا — تو سایہ بھی باعث ہے اہلاک کا
اگر ذات وجہ وجود امم — تو سایہ ہے آباد ملک عدم

ہوا جب کہ بہر ہدایت ظہور — کہ ہو جلوہ فرما میں پردہ نور
گوارا نہ تھا بسکہ ہونا جدا — ہا سایہ حاضر حضور خدا
یہ ہے رسم تجھ کو نہیں کیا خبر — کہ رکھ چھوڑتے ہیں زمان سفر
مصور سے کھچوا کے تصویر یار — برائے سکون دل بے قرار

زبس سایہ تھا ہم شمار گناہ — نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

شاعر نے پیغمبر اسلام کے حسن کے بیان میں ذرا بھی لغزش نہیں کی۔ بلکہ اس نے ہوشمند نعت گو ہونے کے متعدد ثبوت دیئے ہیں۔ چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

کہوں کس طرح اس کو یوسف جمال — کہاں ماہ کنعاں میں ایسا کمال

بہت فرق ہے بلکہ بالکل جدا — حبیب زلیخا، حبیب خدا
حضور اس کی طلعت کے بر آب و تاب — چراغ سحر سے کہیں آفتاب[1]

یہ ایما ہے اعجاز شق القمر — کہ کٹتے ہیں مہر و اسے دیکھ کر

شاعر نے بلیغ و فصیح و صفی نعت گوئی کے بعد اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلہ کے چند ابیات ہدیۂ سامعین ہیں۔

مثبت فقط قول جن و بشر — گواہ نبوت شجر تا حجر
مطاع جہاں و مطیع الٰہ — سرافراز عبد جہاں بادشاہ
بہار ازل خاتم المرسلین — گل اوّلیں و ہزار آخریں
کروں کس طرح میں شمار صفات — کہ ممکن نہیں انحصار صفات[2]

یہ شکل گرہ کھولے بیدست کیا — میں کیا اور مری فطرت پست کیا
کہاں میں کہاں مدح خیر الانام — علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام[3]

مومن نے قدسی کی مشہور غزل جس کا مطلع

مرحبا سید مکی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے، پر ایک دلاویز تضمین، جس کا عنوان "تخمیس بر غزل قدسی در نعت سرور عالم

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۲
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۳
[3] ۔ کلیات مومن صفحہ ۴۴۳

صلی اللہ علیہ وسلم" ہے، منصۂ شہود پر جلوہ گر کی ہے۔ اس تضمین میں ہر بند کا مصرع رابع و خامس قدسی کی غزل کا کوئی نہ کوئی شعر ہے۔ قدسی کی اس غزل پر بہت سے شعرا نے تضمینات لکھی ہیں۔ تیمّن و تبرک، مسابقت فنی، مضمون و بحر کی دلعزیزی، اصل شعر کے ابہام و اشکال کا ازالہ مقاصد تضمین میں داخل ہیں۔ مومن کی تضمین کا پہلا بند، جس میں مثالی پاس ادب، حفظ مراتب اور رعایت مدارج ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اس بند کا چوتھا اور پانچواں مصرع قدسی کی محوّلہ بالا غزل کا مطلع ہے۔

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی — میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت وہ نبی
یا نبی یک نگہ لطف بہ امی وابی — مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی[1]

اسی قماش کا ایک اور بند ملاحظہ ہو۔

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم — یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جائے ہے اور کیا ہیں ہم
خودستائی ہے زبس رسم فصیحان عجم — نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی[2]

معرض بحث تضمین میں مومن نے قدسی کے مضمون کو دلاویز خلاقیت اور بہت ہوشمندی کے ساتھ اپنے موافق بنایا ہے۔ دونوں مضامین اسقدر دست و گریباں ہیں کہ جو شخص قدسی کی غزل سے روشناس نہ ہو، وہ اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ پیوند کاری ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مظہر نور خدا شکل ہے محسود صنم — محو تیرے ملک و حور پری و آدم
کیا ہی عالم ہے کہ تصویر یہی کا سا عالم — من بیدل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمالست بدیں بوالعجبی

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحہ ۲۴۰
[2] ۔ کلیات مومن صفحہ ۲۴۱

شاعر کو بانی اسلام سے والہانہ عقیدت و شیفتگی ہے۔ ہر وہ چیز جس کا انتساب بانی اسلام کی طرف ہو جائے، باعث رشک ہے۔ مکین کی شوکت و حشمت سے مکان کا شرف بڑھ جاتا ہے۔ جہاں بانی اسلام قیام پذیر ہوں، وہ مقام جنت ہے۔ نبی اکرم صلعم سے نسبت حاصل کر کے ہر چشمہ کوثر و تسنیم کے خواص پیدا کر لیتا ہے نخلستان مدینہ حضور صلعم کی وجہ سے ہمیشہ سرسبز و شاداب ہیں۔ بیان کی رعنائی دلاویزی ملاحظہ ہو۔

صاحب خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام — وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام — نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرہ آفاق بشیریں رطبی

خالق کائنات کو اپنے محبوب کی رعایت اور ان کا خیال منظور تھا محبوب کبریا عرب میں ظہور پذیر ہوئے اس لئے خدا نے کلام پاک کو عربی زبان میں نازل فرمایا۔ اس نے اپنے حبیب پاک صلعم کی خاطر قرآن کو ناسخ کتب سماویہ بنایا ورنہ انجیل بھی آسمانی کتاب تھی، لیکن وہ تورات و زبور کی ناسخ نہ تھی۔ مضمون کی لطافت اور بطیب خاطر خود قدسی کے اشعار کی تشریح ملاحظہ ہو۔

ہوئی انجیل کہاں ناسخ توریت و زبور — تیری خاطر سے خدا نے یہ نکالا دستور
ہے رعایت تری ہر بات کی کتنی منظور — ذات پاک تو در میں ملک عرب کرہ ظہور
زاں حبیب آمدہ قرآن بزبان عربی[1]

---

[1] ۔ کلیات مومن صفحات ۲۴۰، ۲۴۱

مرزا علی بیگ نازنین

اُردو کی نعتیہ شاعری میں نازنین کی شخصیت اس لئے ناقابل فراموش ہے کیونکہ انھوں نے جو نعتیہ خمسہ قدسی کی غزل پر کہا ہے، وہ ریختی ہی کا نہیں، بلکہ اردو شاعری کا گرانمایہ سرمایہ ہے۔

آپ دہلی کے معروف و ممتاز ریختی گو شاعر تھے۔ آپ کا پورا نام مرزا علی بیگ اور تخلص نازنین تھا۔ موصوف کی ریختی گوئی کا آغاز اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ہو چکا تھا۔ لیکن ان کی شہرت کو چار چاند بہادر شاہ ظفر کے دور میں لگے۔ آپ لکھنؤ کے مشہور ریختی گو شاعر میر یار علی جان صاحب کے ہم عصر تھے۔

نازنین کو نسوانی زبان و بیان اور نسوانی محاوروں کے استعمال پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان کی شاعری میں روزمرہ اور اور محاورات کا بہت برجستہ استعمال ہے اور ان کلمات کی بھرمار ہے، جو عورتوں کے یہاں بطور تکیۂ کلام مستعمل ہیں۔

قدسی کی مشہور غزل جس کا مطلع ہے۔

مرحبا سید مکی مدنی العربی دلی وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے، پر نازنین نے بھی تضمین کہی ہے۔ جس میں زبان و بیان کی خوبیوں کے علاوہ نسوانی جذبات کی صحیح عکاسی درخور اعتنا اور لائق صد ستائش ہے۔ ان کی اس نعت میں کہیں پر بھی تکلف و تصنع سے کام نہیں لیا گیا۔ اور قدسی کی محولہ بالا نعتیہ غزل کے بلند و بالا مضامین کو جس سادگی اور شگفتگی سے ادا کیا گیا ہے وہ نازنین ہی کا حصہ ہے۔ ریختی وہ صنفِ سخن ہے جس میں نسوانی جذبات و احساسات اور

نسوانی معاملات کی ترجمانی عورتوں کی زبانی انہی کے روزمرہ اور انہی کے محاورات میں کی جاتی ہے۔ یہ اردو کی آبرو باختہ صنفِ سخن سمجھی جاتی ہے۔ لیکن نازنین نے نعت کے ایسے گرانمایہ اور مقدس موضوع پر کامیاب ریختی لکھ کر اپنی فنی مہارت کے ثبوت دیئے ہیں۔ اور ثابت کر دیا ہے کہ کوئی صنفِ سخن بذات خود نہ اردو شاعری کی آبرو ہے اور نہ اردو شاعری کے لئے کلنک کا ٹیکہ۔ احساسات و جذبات سطحی، رکیک اور مخرب اخلاق بھی ہوتے ہیں اور بلند و بالا، عالی، رفیع اور مہذب اخلاق بھی۔

نازنین کی زیر بحث نعتیہ کاوش منفرد اور اچھوتی ہے۔ اور زیادہ طویل نہیں ہے۔ اس لئے ذیل میں نقل کی جاتی ہے۔

تو منڈی سو جان سے قربان گئی تجھ پہ نبی اچھی محشر میں بجھا دیجیو میری تشنہ لبی
تو ہے بندی کا وسیلہ دم حاجت طلبی مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دلی وجاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

عورتیں جمع تھیں یکجا پہ سن اے شاہ امم وصف یوسف لگیں کرنے زلیخا سے بہم
دیکھ تصویر تری بولی یہ بی بی مریم من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

کھایا آدم نے جو دھوکا ہوا اللہ خفا بخشوائے ترے صدقے گئی، تو نے ہی خطا
دادی حوّا نے بلائیں تری لے کر یہ کہا نسبتے نیست بذاتِ تو نبی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

اور پھل دے کے ہرا باغِ جہاں میں ہے نام اور گل حسن سے شوہر کا معطر ہو مشام
پھولتی پھلتی ہمیشہ رہوں اے عرش مقام نخل بستانِ مدینہ زتو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

میں ہوں عورت نہ مجھے عقل ہے کچھ اور نہ شعور نہ میں ہوں رابعۂ بصری نہ ہوں بی بی نور
پر یہ سمجھی کہ ہے عزت تری رب کو منظور ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

جو خوشی کا کہ ہوئی راہ سے تیری برگشت — خاک اڑائے گی مری وحشتِ تنگ دشت بدشت
واسطے تیرے میں واری چمن جنت ہشت — شب معراج عروج تو ز افلاک گذشت

بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

گو کہ ہم جنس کو اک نوع کی نسبت ہے بہم — پر میں اپنے میں جو دیکھوں تو ہوں ہر بات میں کم
تر کا مادہ سے بڑا رتبہ ہے اے شاہِ امم — نسبت خود بہ سگت کردم و خود منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

درد عصیاں سے جو تھی نازنیں کو بے تابی — منہ پہ آنچل وہ دوپٹہ کا دھری روتی تھی
دیکھا اس دکھیا کا عالم تو اسے کچھ نہ بنی — سیدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی[1]

---

[1] : تذکرہ رنجیتی ۔ سید تمکین کاظمی صفحات ۷۶ و ۷۷

مولوی غلام امام شہید

مولوی غلام امام شہید کا نام غلام امام اور شہید تخلص ہے ۔ امیٹھی کو وطن مالوف ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ آپ کے والد کا نام شاہ غلام محمد تھا ۔ آپ نے فارسی کا درس آغا پیر محمد اسماعیل مازندانی سے لیا تھا ۔ آپ اردو عربی اور فارسی کے متبحر عالم تھے ۔ اور اردو فارسی زبانوں میں شاعری کرتے تھے فارسی میں مرزا قتیل اور اردو میں شیخ مصحفی سے اصلاح لیتے تھے ۔ حصول تعلیم کے بعد ملازمت کا رُخ کیا اور ایک مدت تک آگرہ میں سررشتہ دار رہے ۔ یہیں آپ کی ملاقات سرسید احمد سے اس وقت ہوئی جب موخر الذکر ۱۸۳۹ء میں ملازم ہو کر آگرہ آئے ۔ مولوی شہید کو زندگی ہی میں کافی شہرت و عزت ملی ۔ نواب کلب علی خاں دائی رام پور، سعید عالم خاں رئیس سورت اور سر سالار جنگ وزیر اعظم حیدر آباد موصوف کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے ۔ حیدر آباد سے چار سو تیس روپیہ سالانہ نذرانہ ملتا تھا ۔ جو زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا ۔

مولوی صاحب کو بانیٔ اسلام سے بیحد شیفتگی اور محبت تھی ۔ بقول حامد حسن قادری :

"ان کی شیفتگی و فدائیت اس درجہ پر پہونچ گئی تھی کہ بجز نعت شریف لکھنے اور پڑھنے کے کوئی شغل نہ تھا ۔ اسی سبب سے "مداح نبی" و "عاشق رسول" کے مبارک القاب سے مشہور

تھے۔ اطراف ہندوستان میں اضلاع آگرہ و مراد آباد و رام پور
و الہ آباد و دکن میں شہید نے صدہا شاگرد و مرید چھوڑے۔[1]

فارسی زبان میں کلیات شہید جو قصائد و غزلیات پر مشتمل ہے موصوف
کی فارسی دانی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اردو میں ان کے خطوط و مضامین کا
مجموعہ "انشائے بہار بے خزاں" کے نام سے ۱۸۶۶ء میں ان کی زندگی میں شائع
ہو چکا تھا۔ آپ نے محافل میلاد میں پڑھنے کے لئے ایک کتاب مولد شریف کے
نام سے تصنیف کی، جو بہت مقبول ہوئی۔ مولد شریف اردو میں اپنے طرز کی پہلی
کتاب ہے۔ جس کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ "لوگوں
نے اس سے اخذ و اقتباس کیا۔ اس کی نقلیں کیں، اس کے ہو بہو نمونے کی
کتابیں لکھیں۔"[2] اور وہ اب تک اتنی بار چھپ چکی ہے کہ اس کی اشاعتوں
کا احصاء متعذر ہے۔ مولوی صاحب کی آواز بہت مترنم تھی، اور بقول
حامد حسن قادری:

"جب شہید خود اس کو محفل میں پڑھتے تھے، عجب سماں
بندھ جاتا تھا۔ اکثر اہل محفل پر وفور رقت سے غش طاری
ہو جاتا تھا۔"[3]

مولوی صاحب کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات پردۂ خفا میں ہیں
سنہ وفات ۱۸۷۶ء ہے۔ منشی غلام غوث بیخبر نے "وائے امام شعرا شد
شہید" سے سنہ وفات ۱۲۹۳ھ کا استخراج کیا ہے۔

اردو نعت گو شعرا کے مابین غلام امام شہید کی شخصیت کافی اہم و وقیع

---

[1] ۔ داستان تاریخ اردو: حامد حسین قادری صفحہ ۲۲۹
[2] ۔ داستان تاریخ اردو: " " صفحہ ۲۲۹
[3] ۔ داستان تاریخ اردو " " صفحہ ۲۲۹

ہے۔ انہوں نے نعت کے دامن کو وسیع کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔
انھوں نے قصیدہ، مثنوی، غزل اور ترجیع بند کی ہیئات میں نعتیں لکھی ہیں۔ مولود شہید
کی نعتیہ شمولات حسب ذیل ہیں:

(۱) ترجیع بند (بر واقعہ معراج)
(۲) خمسہ شہید (بر غزل خسرو)
(۳) قصہ حضرت بلال رضؓ
(۴) غزل وصف قدم شریف
(۵) قصہ حضرت حلیمہ سعدیہ
(۶) روایت استن حنانہ

مولوی صاحب کے نعتیہ سرمایہ میں غزلیں اور قصیدے بھی شامل ہیں۔
تشبیہات و استعارات کے عام فہم استعمال، نرم و نازک لہجہ اور رنگین غنائیت
کے ساتھ مضامین میں رواں دواں عشق و ولولہ، جوش و شوق، جذبہ کا خلوص،
عقیدت کی شیفتگی اور سوز و درد شہید کی نعتیہ کاوشوں کی امتیازی خصوصیات
ہیں۔ شہید کو ہر اس چیز سے والہانہ محبت ہے۔ جس کا بانیٔ اسلام کی ذات
گرامی سے تعلق و انسلاک ہو۔ ان کے یہاں وصف انداز بیان کم اور جذب و
کیف کی حسرت اور داخلیت کی آمیزش زیادہ ہے۔ شاعر مدینہ کا وصف بیان
کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اس کا انداز بیان وصف سے زیادہ سوز و دروں کا
مظہر ہے۔

سینہ ہے میرا دشت خرائے مدینہ — دل ہے جرس محمل لیلائے مدینہ
اس دشت سے پیدا ہے تمنائے مدینہ — اس رنگ سے نکلے ہیں تمناہائے مدینہ
بوسے کی تمنا ہے جو مینائے فلک کو — جھکتا ہے سو گنبد خضرائے مدینہ

اس کو مدینہ کے ہر پتھر میں شرر طور کا جلوہ اور ہر خشت میں ید بیضا کا نظارہ
دکھائی پڑتا ہے۔

ہر سنگ میں واں کے شرر طور ہے پنہاں ہر خشت کو کہیے ید بیضائے مدینہ

بانیٔ اسلام سے اس کو اس قدر شیفتگی ہے کہ وہ ہر اس شخص کا والہ و شیدا ہے، جس کی آنکھوں نے زیارت مدینہ کا شرف حاصل کیا ہو۔

عظمت یہ دکھاتی ہے کہ حسرت کی نظر سے ہم دیکھتے ہیں اوس کو جو دیکھ آئے مدینہ

شاعر کے نزدیک نعتیہ کلام سفر عدم کے لئے زادِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

درپیش ہے عدم کا سفر سب کو دوستو جو نعت کا کلام ہے توشہ ہے راہ کا

شہیدؔ سے قبل معراج نامے، مولود نامے، وفات نامے لکھے گئے اور قرونِ اولیٰ کے کارناموں سے اصلاحی کام بھی لیا گیا۔ لیکن نعت میں شعریت کی روایت اور تشبیہات و استعارات کے ذریعہ وصفی اسلوب بیان پر شاعرانہ انداز بیان کا استیلا جس آب و تاب کے ساتھ شہیدؔ کے یہاں ملتا ہے وہ ما قبل کی شاعری میں نایاب ہے۔ شہیدؔ کے نعتیہ کلام کے جملہ امتیازی خصائص ان کے ترجیع بند میں موجود ہیں۔ اس نعتیہ نظم کے ہر بند میں چار ابیات ہیں اور ہر بند کے بعد قدسی کی مشہور غزل کا مطلع:

مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

بار بار آتا ہے۔

مولوی شہیدؔ کے ترجیع بند سے چند بند نمونہ کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔ معراج کی رات و فورِ مسرت سے کائنات شاعرانہ رنگ سے رنگین نظر آرہی ہے منظر نگاری اور مرقع نگاری میں شاعری کا کمال ملاحظہ فرمائیں۔

آمد آمد کی جو افلاک پہ بیہم تھی دھوم عرش ہر مرتبہ بس شوق سے جاتا تھا جھوم

پاؤں رکھتا تھا جہاں ناز سے وہ عین علوم اوس جگہ آنکھیں بچھاتے تھے تمنائے نجوم

اور ہر اک نقشِ قدم پر تھا مہ و شوق کا خیمہ کوئی رکھتا تھا جبیں اور کوئی نقا تھا چوم

کوئی کرتا تھا ادا عشرتِ شاہی کی رسوم اور کسی نغمے سے ہوتا تھا یہ مضموں مفہوم

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

شبِ معراج پیغمبر اسلامؐ کے استقبال میں عناصر کائنات کی شاعرانہ تیاریاں ملاحظہ ہوں۔

ہر سمے فرشِ تمامی کا بچھایا تھا تمام بادۂ نور سے لبریز ہوا اس کا جام

چاندنی پر جو بنایا تھا ستاروں کا کام ماہ کو حسنِ ملاحت سے ملی شہرتِ عام

مرکبِ انداز تجمل سے اٹھاتا گام نہ تو آہستہ ہی چلتا تھا نہ تیز خرام

ملکِ جن و بشر کرتے تھے جھک جھک کے سلام حور و غلماں کی زبانوں پہ تھا جاری یہ کلام

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

معراج کی شب مطلوماتِ نبیؐ میں اور اس کے ساتھ ہی سراپائے رسولؐ میں بھی جاری و ساری شعریت ملاحظہ فرمائیں۔

قدِ رعنا کی ادا جامۂ زیبا کی پھبن سرمہ چشمِ غضب ناز بھری وہ چتون

وہ عمامے کی سجاوٹ وہ جبیں روشن اور وہ مکھڑے کی تجلی وہ بیاضِ گردن

وہ عمامہ عربی اور وہ نیچا دامن دلربا پاجامہ و رفتارِ وہ بیساختہ پن

وہ بھی دیکھے تو کرے چاک گریبانِ کفن اوٹھ چلے قبر سے بیتاب زباں پر یہ سخن

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

حضرت بلالؓ کے تقدس میں صنعت مراعاۃ النظیر کا استعمال بہت برجستہ ہے۔ زبان کی سلاست اور صفائی، اندازِ بیان کی دردانگیزی اور شاعر کے داخلی جذبات کی ترجمانی نے منظوم قصہ کو دلآویز اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔ چند ابیات ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ایک موذن تھا نبی کا بلال — ہجر سے اوس مہ کے گھٹا جوں ہلال
دام محبت میں گرفتار تھا — شیفتہ طرۂ طرار تھا
تشنۂ سرچشمہ دیدار تھا — نرگس بیمار کا بیمار تھا
شیفتہ کا کل شب نام کو — زلف جو یاد آئی چلا شام کو
چھوٹ گیا دیس جو محبوب کا — شام کا ملک آنکھوں میں تاریک تھا

روایت استن حنانہ ب اس ستون کی روایت ہے، جس کو نبی صلعم کی نزدیکی کا شرف حاصل تھا۔ ہجر نبی میں اس کی حالت زار کا درد انگیز بیان مولوی شہید کے یہاں ملتا ہے۔ شاعرانہ انداز بیان نے اس روایت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ ساری کائنات عشق نبی سے سرشار ہے، خواہ وہ ذی روح ہو یا غیر ذی روح۔ شہید نے استن حنانہ کا سہارا لے کر اسی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے۔ صنائع بدائع کے استعمال نے کلام میں جان ڈال دی ہے۔ نمونہ کے طور پر چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

مسجد مسیطے میں ایک ستون — تھا بہت اوس جمال پر مفتوں
گو کہ آتش کو چوب سے ہے لاگ — لیکن اوس کی غذا تھی عشق کی آگ
دست بستہ رہ وفا میں سدا — ایک ہی پانوں سے کھڑا رہتا
خشک ہو کر وہ درد و غم کا دوست — رہ گیا صرف استخوان و پوست
محو عکس جمال دلبر تھا — چوب میں آئینہ کا جوہر تھا
عشق جانانہ سے جو بے کل تھا — رکن کعبہ سے بھی وہ افضل تھا
طاق ابرو کی سمت ہے جھکنا — یہ ستون تھا کہ مرغ قبلہ نما
حق کی قدرت کے کھیل ہیں یہ نفیس — چوب سے لیوے کار مفناطیس
یار و مکڑی کا ماجرا دیکھو — کاہ میں جذب کہربا دیکھو

شاعر کا صحیح راسخ عقیدہ ہے کہ ہر وہ شی جو بانی اسلام کے لئے بے کل ہے

رکن کعبہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔

نعت رسول کے ضمن میں شہید کی وہ نظم، جس میں اس نے حلیمہ سعدیہ کا قصہ نظم کیا ہے، فراموش نہیں کی جا سکتی۔ اس نظم کی زبان صاف، سادا اور رواں دواں ہے تشبیہات و استعارات عام فہم اور زود رس ہیں۔ اظہار بیان میں قدم قدم پر مخلص عقیدت مترشح ہوتی ہے۔ اس نظم سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی شہید نفسیات انسانی کے زبردست ناقد تھے۔ انھوں نے ماں کے لئے بچے کے جذبات، اس کا پیار، محبت، شیفتگی، وارفتگی اور والہانہ پن کو، کامیابی سے ظاہر کیا ہے۔ جس سے شاعر کی تجربہ کار، گہری، درد خیز اور استیعابی نظر کے ثبوت ملتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک عاشق تھی حلیمہ دائی — جس نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی
دودھ اس گل کو پلاتی تھی وہ — گل سے پھولے نہ سماتی تھی وہ
کبھی سکھڑے کی بلائیں لیتی — صدقے ہو ہو کے دعائیں دیتی
گرد پھرتی تھی کبھی سو سو بار — جیسے ہو شمع پہ پروانہ نثار
کبھی کر بیٹھتی بیساختہ شور — چاند کو دیکھ کے جس طرح چکور
خواب سے کرتی تھی جس دم بیدار — آنکھوں کو تلوؤں سے ملتی تھی ہزار

بخت عالم ہے تو اے دلبر جاگ
جاگنا بخت کا ہے بہتر جاگ

غلام شہید کا وہ قصیدہ، جو بحر طویل میں ہے۔ کافی اہم و وقیع ہے۔ قصیدہ بہت مترنم ہے۔ اور محفل نبی سے متعلق ہے۔ اس میں شاعر نے وصفی انداز بیان اپنایا ہے۔ پورا قصیدہ مرصع و سجیع ہے۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر درج ذیل ہیں۔

باغ جہاں آباد ہے، یاں سرو بھی آزاد ہے — قمری نہایت شاد ہے نہ صید ہے نہ صیاد ہے
یاں محفل میلاد ہے، وقت مبارکباد ہے — جبریل کو ارشاد ہے، مشہور کر دے یہ سخن

فوزِ خدا پیدا ہوا، فخر اللہ پیدا ہوا، بحرِ عطا پیدا ہوا، ابرِ سخا پیدا ہوا، غم الہدیٰ پیدا ہوا،
بدر الدجیٰ پیدا ہوا، شمس الضحیٰ پیدا ہوا، پیدا ہوا شاہِ زمن۔

مولوی شہید نے نعت میں شعریت کو شامل کرکے اور روحانی انداز بیان کو شاعرانہ اسلوبِ بیان سے ہم کنار کرکے نعت کے مضامین میں تنوع اور رنگا رنگی پیدا کی ہے۔ شہید کے یہاں پہونچ کر ہم رسمی نعت گوئی سے ایک ایسی کھلی فضا میں آجاتے ہیں، جو ہمارے مشامِ جان کو معطر کرتی ہے۔ ان کی لے میں ایک دلآویز انفرادیت ہے، جس نے اخلاف کے لئے مشعلِ راہ کا کام کیا ہے۔ شہید نعت گوئی کی دنیا میں ایک مجتہد کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اردو نعت کے ارتقائی سفر میں ایک ایسے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا وہ صحیح معنوں میں امام النعاتین کے لقب سے ملقب کئے جانے کے لائق ہیں۔

شہیدی

شہید کا نام مولوی کرامت علی خاں اور تخلص شہیدی ہے۔ آپ کے والد کا نام عبدالرسول خاں تھا۔ آپ کا مولد بانس بریلی ہے۔ مگر آپ کی نشو و نما لکھنؤ میں ہوئی۔ سعادت خاں ناصر نے "تذکرہ خوش معرکہ زیبا" میں لکھا ہے کہ:

"شاعر پختہ، کرامت علی خاں (تخلص) شہیدی ساکن بریلی اگرچہ شاگردی اس کی مفصل معلوم نہیں۔ لیکن شعرائے رام پور اور بریلی میں (اسکو) لکھا جاتا ہے۔"[1]

شاعری کا شوق ابتدا ہی سے تھا اور اولاً مصحفی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔

---

[1] ۔ تذکرہ خوش معرکہ زیبا: سعادت خاں ناصر۔ صفحہ ۳۴۴۔ مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی۔ بار اول۔ جولائی ۱۹۷۱ء۔

بعد میں شاہ نصیر سے اصلاح لینے لگے۔ آپ طبعاً یار باش تھے کیمسٹری میں ملازم تھے۔ ایک بار پار باشی میں سرکاری پیسہ اڑا دیا۔ جب گرفتاری کا خوف دامنگیر ہوا، تو دفتر کے رہائشی حصہ کو نذرِ آتش کر دیا۔ ذاتی اثاثہ کے ساتھ دفتر کا حساب کتاب بھی جل کر خاکستر ہو گیا۔ آپ نے زندگی کا کچھ حصہ پاگل بن کر گزارا۔ آخر میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ کچھ دنوں تک نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کی صحبت میں رہے، جس کے اثرات ان کی شاعری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ میر اور سودا سے بھی متاثر ہوئے۔ اور بقول خود انھوں نے میر سے نمک اور سودا سے شکر لیا۔ جس کا انھوں نے اس طرح اعتراف کیا ہے۔

ہے طرزِ تر زبان شہیدی میں چاشنی — سودا سے اس نے لی ہے شکر، میر سے نمک

شیفتہ ان کی عروض دانی کے قائل تھے۔ انھوں نے شہیدی کی بابت "گلشنِ بیخار" میں لکھا ہے کہ "در عروض دستگاہے معقول دارد"۔ شہیدی کے دیوان میں قصیدے، غزلیں، مثنویاں، قطعات، رباعیات اور خمسے ملتے ہیں۔ وہ فارسی شعرا میں جامی، حافظ، بیدل، فغانی سے اور اردو شعرا میں عطا حسین عطا، جرأت، اور شاہ نصیر سے متاثر ہیں۔ انھوں نے جامی کی ایک غزل پر تضمین خمسہ لکھا ہے۔ جس کا افتتاحیہ بند درج ذیل ہے۔

بادشاہی سے تو بہتر ہے مجھے رسوائی — شہد ہمت سے بھی شیریں ہے مجھے تلخی
عقل کل کو ہے تمنا مری دیوانہ وشی — بے حبیب عربی، مدنی قرشی
کہ بود در دو غمش مایۂ صد عیش و خوشی

انھوں نے شاہ نصیر اور عطا کی ایک ایک غزل پر اور جرأت کی تین غزلوں پر خمسے حوالۂ قرطاس کئے ہیں۔ جن میں ایک کا ترجیعی مصرع زبان زد خاص و عام ہو گیا ہے۔

ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

شہیدی پر جرأت کا اثر زیادہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جرأت

کی طرح بے باک نہیں ہوئے۔ انھوں نے محض "جو چاٹی" نہیں کی بلکہ اس رنگ میں بہت سے اچھے اشعار بھی نکالے ہیں۔ ان کے کلام میں لکھنؤ کا خارجی رنگ جرأت کی دین ہے۔ چند اشعار مثال کے طور پر ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

وہ پری پہنے تھی کل رات طلسمات کا ہار — میں نے بھولے سے لیا اسکو چھو ٹوٹ پڑا
صبح تک خوار پھرا شہر میں کانٹے کے لئے — رات زاہد کا کنویں میں جو سبو ٹوٹ پڑا
دن رہائی کے قریب آئے شہیدی تا کے — خود بخود آج مرا طوق گلو ٹوٹ پڑا

نعت گوئی کے میدان میں شہیدی کی شخصیت بہت قد آور ہے۔ ان کو بانی اسلام سے بہت عقیدت و شیفتگی تھی۔ پیغمبر اسلام سے نسبی تعلق کو وہ اپنے لئے باعث افتخار و نجات متصور کرتے تھے۔ انھوں نے اس قصیدے میں جو حضرت علی رضؓ کی منقبت میں ہے واضح طور پر کہا ہے کہ

شہیدی مصطفےٰ کا بالا و لا حیدر کا پیارا ہوں
مجھے کیا خوف ہے بروز حشر میں شاہ شہیداں کا

ان کی کلیات میں تا حال تینوں قصائد مذہبی ہیں، جن میں سے ایک حمد میں، دوسرا نعت میں، اور تیسرا حضرت علی کی منقبت میں ہے۔ ان کی وہ دعا جو انھوں نے اپنے مشہور نعتیہ قصیدہ میں جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا — سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

مانگی تھی بارگاہ ایزدی میں مستجاب ہوئی چنانچہ وہ زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو کر بانی اسلام کے متبرک مسکن مدینہ جا رہے تھے۔ کہ راہ میں مرض الموت نے آگھیرا۔ قبہ خضرا کی زد میں پہونچ کر روضہ انور پر حسرت بھری نگاہ ڈالی۔ اور بموجب اپنی دعا محولہ بالا جو درج ذیل شعر میں مشمول ہے۔

تمنا ہے درختوں پر تو ہے روضہ کے جا بیٹھے — قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

داعی اجل کو لبیک کہکر روضۂ انور کی حدود میں دم توڑ دیا۔ یہ واقعہ ۱۲۵۶ھ صفحہ [illegible]

سلہ ۔ خمخانہ جاوید جلد پنجم صفحہ ۲۱۷ و صفحہ ۲۱۸

مطابق ۷ اپریل سنہ ۱۸۴۰ء کا ہے۔

شہیدی کا نعتیہ سرمایہ محولہ بالا قصیدہ اور مرقومہ ذیل غزل میں منحصر ہے۔ اسی سرمایۂ نعت نے ان کو وہ بقائے دوام اور شہرت عام عطا کی کہ لطف جیسے شاعر نے ان کی قسمت پر رشک کیا۔ اور حسن کاکوروی و امیر مینائی کے ایسے مقتدر شاعروں نے ان کے مقبرہ پر اپنے قصائد لکھے۔ امیر نے واضح لفظوں میں کہا کہ:

کہا اس سے نہیں کسی میں نے بھی توصیف حضرت میں
شہیدی گو کہ موجد ہے اس آئین مجدد کا

لطف نے کہا تھا۔

عشق میں لطف جو تو اوس سے نہ کمتر ہوتا
تیرا مرقد بھی شہیدی کے برابر ہوتا

شہیدی کے نعتیہ قصیدہ میں کل تینتیس ۳۳ اشعار ہیں۔ قصیدہ کا نعتیہ انداز و صفیہ ہے۔ شاعر نے طلوع روشنی کو شہ کا نشان آمد اور نور احمد کو ظہور حق کی حجت کہہ کر دلاویز اور دلپذیر انداز میں بانی اسلام کے تقدم بالزمان کو ثابت کرتے ہوئے کہا ہے:

طلوع روشنی جیسے نشاں ہے بخشر کی آمد کا — ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا
دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا — نہ تھا نام و نشاں جن روز وں اس نوح زبر جد کا
چمن پیرائے کن فراش جسکی بزم رنگیں ہیں — بہار آفرینش ایک بوٹا اس کی مسند کا

شاعر ولادت با سعادت سے دنیوی امارت و تمکنت پر قیامت خیز زلزلے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا — عرب میں شور اٹھا جس وقت اسکی آمد آمد کا

حضور صلعم تنہا فخر عالم ہی نہ تھے بلکہ اپنے آباو اجداد ابراہیم و آدم کے لئے بھی باعث فخر تھے۔

شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اس سے نہ تنہا فخر عالم فخر تھا اپنے اب و جد کا

بارگاہ نبوی میں جبرئیل امین کی تعجب، ڈھنگ کی خوشامد کا دلاویز بیان شہیدی کی زبانی سماعت فرمائیں:

شب و روز اس کے صاحبزادوں کا گہوارہ جبیں تھا
عجب ڈھب یاد تھا روح الامین کو بھی خوشامد کا

حضور صلعم کی ذات گرامی عبدیت کے دائرے میں تھی۔ اور ساتھ ہی واصل الی اللہ بھی تھی۔ انداز بیان کی بداعت ملاحظہ ہو:

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

بیان معراج میں شاعر کے عبدیت پسند ذہن کی ندرت ملاحظہ ہو:

شب معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اتر آیا بیان اس قلزم معنی کی ہو کیا جزر اور مد کا

میم احمد کا مضمون شعراء کی دلچسپی کا مرکز رہا ہے۔ لیکن شہیدی نے تخیل کی جدت اور اسلوب کی ندرت سے فرسودہ مضمون کی کہنگی کو صرف دور ہی نہیں کیا بلکہ اس میں تازگی اور شادابی پیدا کر دی۔

گدر وحدت سے کثرت میں نہ ہوتا ذات مطلق کو
نہ بنتا صفر گر نقش احد پر میم احمد کا

شاعر جز اسود کی سیاہی کی شاعرانہ وجہ بیان کرتے ہوئے لطیف و دلکش انداز میں کہتا ہے۔

رہا کعبہ میں تیرے روضہ کے در پر نہ جا پائیں
اس اندوہ سے ہے رنگ تیرہ سنگ اسود کا

بانی اسلام کے مرتبہ کی عظمت و جلالت پر حتمی بات کہتے ہوئے شاعر کس قدر موجز اور دلکش انداز میں اپنے دل کی بات کہتا ہے:

ہوا تجھ ساز ہو سکتا ہے برا ہے ہی ایماں نہ مانوں مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا

شہیدی کا معرض بحث غزلیہ قصیدہ اپنے حسن خاتمہ اور دعا کی باعث

فنی نقطۂ نگاہ سے بے نظیر ہے جس خاتمہ میں شیفتگی خلوص اور محبت و عقیدت کا متلاطم جوش قاری و سامع کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔

ملاحظہ ہو۔

مدینے کی گلی کے گر نہ لائق ہو سر الاشر کسی صحرا میں وال کے طعمہ ہوں میں دام اور دد کا
تمنا ہے درختوں ہر ترے روضہ کے جا بیٹھے نفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا
خدا منہ جوم لیتا ہے شہیدی کس محبت سے زباں پر میری جس دم نام آتا ہے محمدؐ کا

وفور شیفتگی اور خلوص عقیدت میں شاعر کی تمنائیں ملاحظہ ہوں۔

کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں کبھی میں دور بیٹھوں اور کروں نظارہ گنبد کا

شہیدی نے اپنی نعتیہ غزل میں کثرت سے تلمیحات استعمال کی ہیں۔ ان کے یہاں مستعمل قرآنی و تاریخی تلمیحات، مضامین نعت میں جدت و تازگی پیدا کرتی ہیں۔ یہ تلمیحات اظہار مدعا میں شاعر کی مدد و معاون ثابت ہوتی ہیں اس کے لئے روئے روشن والشمس کی اور موئے مبارک واللیل کی تفسیر ہے۔ گیسوئے محمد شب قدر اور روئے محمد تجلی الٰہی کے مظاہر ہیں۔ ابروئے محمد ہلال عید اور محمد صلعم سے وابستگی رکھنے کے باعث نخل بیابان عرب طوبیٰ جناں ہے۔ کیونکہ شاعر قامت محمد کا شیفتہ اور دلدادہ محمد ہے۔ بازوئے محمد بظاہر بہت نازک سے ہیں لیکن اسکے باوجود وہ اپنے میں اتنا کس بل رکھتے ہیں کہ وہ بیحد سبکدستی کے ساتھ بار دو عالم اٹھائے ہوئے ہیں۔ شہیدی کا ایک کمال یہ ہے کہ اس کے مضامین نعت افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ گو یوسف بازار عشق میں بیش بہا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ سنگ ترازوئے محمد تک نہ بن سکا۔ شہیدی نے مثالی عقیدت و شیفتگی کے ساتھ کوئے محمد کے خس و خار کو رضوان کے لئے سوغات محمد قرار دیا ہے۔ ذیل میں شہیدی کی معرض بحث غزل نقل کی جاتی ہے:

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمد واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمد

جب روئے محمدؐ کی نظر آئی تجلی — سمجھا میں شب قدر ہے گیسوئے محمدؐ

ماہ نوِ شوال سے عاشق کو کہاں عید — جب تک نظر آجائے نہ ابروئے محمدؐ

کس وضع اٹھائے ہوئے ہیں بار دو عالم — ظاہر میں تو نازک سے ہیں بازوئے محمدؐ

تھا بیش بہا عشق کے بازار میں یوسف — پر ہو نہ سکا سنگ ترازوئے محمدؐ

گلگشت گلستاں پہ پڑھو صل علیٰ تم — ہر پھول کی پتی میں رچی بوئے محمدؐ

کعبے کی طرف منہ ہو نمازوں میں ہمارا — کعبے کا شب و روز ہے منہ سوئے محمدؐ

ہر نخل بیابانِ عرب مجھ کو ہے طوبیٰ — ہوں شیفتہؔ قامت دلجوئے محمدؐ

رضواں کے لئے لے چلو سوغات محمدؐ
گر ہاتھ لگے خار و خس کوئے محمدؐ

شہیدی کے دیوان میں مشمول نعتیہ رباعی کا ایجاز ملاحظہ ہو۔

عصیاں سے مراد ست امل کو نہ ہے — ہاں چشم شفیع کی طرف گہ گہ ہے

ذاکر کو ہے لاالٰہ کا شغل — یاں ورد محمدؐ رسول اللہ ہے

نعت گوئی میں جو شہرت شہیدی کو ملی، وہ بہت کم نعت گو شعرا کے نصیب میں آئی ہے۔ ان کا مدح خویل پیشین گوئی کو بارگاہِ خداوندی سے کامل مقبولیت نصیب ہوئی۔ جس نے بیشتر شعرائے نعت کے دواوین کو تقویم پارینہ بنا دیا۔

بیٹھیں گے مثلِ تقویم کہن دیواں ہزاروں کے
ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعارِ مجدد کا

لطف ۔ آپ کا نام محمد لطف علی خاں ہے۔ آپ کا مسکن و ملجا محلہ سوداگراں بریلی تھا۔ لطف کا وہ دیوان جو راقم کے زیر نظر ہے، مطبع خاص گلزار محمدی لکھنوی متصل زیر اکبری دروازہ کا مطبوعہ نسخہ ہے اور اس کے سرورق پر ــــ

بحسب فرمایش برگزیدۂ کونین جناب حاجی شیخ رجب علی صاحب مدظلہ

دیوان لطف و سراپا رسول اکرمؐ و معراج نامہ منظوم بہ حسن صحت تمام و کوشش مالا کلام جناب خواجہ محمد سلمہ اللہ الواھب" رقم ہے اس دیوان کو حاجی محمد قمر الدین ولد نظام الدین نے حسب اجازت مولوی حافظ محمد لطف علی خاں مطبع آئینہ اسکندری میں چھپوایا تھا۔ نسخہ معرض بحث کے دیباچہ کا اقتباس ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

"بعد حمد پروردگار و نعت سید ابرار خاتم المرسلین حبیب رب العالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمدؐ و آلہ و اصحاب اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین کہ یہ بندہ گنہگار امید مغفرت ایزد غفار حاجی محمد قمر الدین ولد نظام الدین ابن عظیم الدین اذا قتعما اللہ حلاوت کمال الایمان قوم کمبوہ مسکون و مولد شہر بانس بریلی مرید حضرت سبحان شاہ صاحب زید اللہ عرفانہ قادریہ و نقشبندیہ بہ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب و عبد الرشید صاحب نقشبندیہ کا ہے اور گیارہ برس سے بوجہ نسبت فرزندی بخانمدان نواب مبارک علی خاں صاحب میرٹھ میں رہتا ہے۔ اس عاجز نے حسب اجازت مولوی حافظ محمد لطف علی خاں صاحب لطف بریلوی مطبع آئینہ اسکندر میں چھ سو پچیس جلدیں دیوان لطف کی چھپوائیں جس نے دیکھا پسند کیا۔ اور بجان و دل سے خریدار ہوا۔ اور میں اس کی برکت سے مشتاق زیارت مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ہوا مگر چونکہ سرمایہ نہ رکھتا تھا بطور وظیفہ مناجات مرقومۃ الذیل کو پڑھنا شروع کیا۔"[۹۱]

اس کے بعد لطف کی مشہور مناجات ہے۔ جس کا افتتاحی شعر ذیل میں درج ہے۔

شفیع الورا یا شفیع الورا — مجھے بخشوا یا شفیع الورا

---

۹۱ ۔ دیوان لطف ۔ ص ۲

مناجات محولہ بالا کے اثر کے تحت مرقوم ہے کہ۔

"حسن اتفاق سے مولوی حاجی محمد علی خانصاحب تحصیلدار کوڑہ جہان آباد ضلع فتحپور نہوہ ایک سال کی رخصت لے کر مکہ معظمہ جانے کو تیار ہوئے۔ یہ عاجز بھی مع والدہ و ہمشیرہ اس ہم رکاب جناب ممدوح الالقاب ہوا اور وہ میرے کفیل اور مددگار ہوئے"[1]

اس کے بعد حاجی محمد قمرالدین مرحوم نے روانگی فتحپور سے لے کر سفر حج کی تفصیل نقل کی ہے۔ تفصیل میں مذکور ہے کہ وہ (حاجی محمد قمرالدین مرحوم) دیوان لطف کا ایک نسخہ ——

"داخلی بیت اللہ شریف میں کرا کے اور ایک جلد ——

کتب خانہ میں بھی دیوان کے رکھ کر مدینہ شریف کو روانہ ہوئے"[2] اور روضہ منورہ کا شرف زیارت حاصل کر کے وہاں بھی ایک نسخہ کتب خانہ میں رکھ کر اور ایک جلد کو داخل کر کے ہمراہ لے آئے۔ دوسری بار پھر اسی مناجات کو ورد زبان کرنے کی تاثیر انھوں نے والدۂ شیخ الٰہی بخش ساکن کمپ میرٹھ کی معیت میں شرف زیارت حرمین شریفین حاصل کیا۔ دیوان کے خاتمہ پر یہ عبارت مندرج ہے۔

ایں دیوان در نعت شریف سرور دو جہاں، محبوب رب العالمیاں
تصنیف محمد لطف علی خاں عاشق معشوق یزداں ساکن بریلی محلہ
سوداگران قطعہ تاریخ از مصنف۔

رسول اللہ کی مدحت سے اے لطف — مرتب نعت کا دیواں ہوا آج
صدا یہ غیب سے آئی ہے پیہم — مرتب نعت کا دیواں ہوا آج

۱۸۷۰ء

---

[1] ۔ دیوان لطف صفحات ۲ و ۳ ۔ [2] ۔ دیوان لطف ص ۳
[3] ۔ دیوان لطف ص ۔ ۴۶

دیوان لطف کے آغاز سے بیشتر ہر محمدیہ ذیل تین بندوں کا ایک خمسہ درج ہے۔ یہ خمسہ دائرہ کی شکل میں پندرہ خانوں میں اس طرح منقسم ہے۔ کہ ہر خانہ میں ایک مصرع مکتوب ہے۔ سولھویں خانہ کو جس کا رخ اوپر کی طرف ہے" جملہ "یارب صل وسلم دائما ابدا علی نبیک خیر الخلق کلہم" زینت بخش رہا ہے۔ خمسہ کا پہلا بند جو دائرے میں دائیں جانب ہے عرفی کے مشہور و معروف قصیدہ کے ایک شعر پر تضمین ہے۔

کروں کرور بسطر بدن بمشک و گلاب — بساؤں لاکھ طرح پیرہن بمشک و گلاب
غرارے سو کروں وقت سخن بمشک و گلاب — ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنور نام تو گفتن کمال بے ادبست

خمسہ کا دوسرا بند دائرے کے بائیں جانب ہے۔

اوس شاعری کو لطف ہمارا سلام ہے — کہتے ہیں جس کو اہل شریعت حرام ہے
یاں ذوق شوق مدحت خیر الانام ہے — ورد زباں جناب محمدؐ کا نام ہے

قابل درود پڑھنے کے اپنا کلام ہے

تیسرا بند جو دائرہ کے تحتی حصہ میں وسط دائرہ کو زینت مرحمت کر رہا ہے۔

سن سن کے ضیائے رخ زیبائے محمدؐ — سن سن کے صفائی رخ زیبائے محمدؐ
سن سن کے ثنائے رخ زیبائے محمدؐ — روتا ہوں برائے رخ زیبائے محمدؐ
اللہ دکھاوے رخ زیبائے محمدؐ

دیوان لطف کے محتویات میں دو نعتیہ مناجات، دو نعتیہ خمسے جن میں سے ایک میں تین بند اور دوسرے میں آٹھ بند ہیں، ایک سراپائے رسولؐ جس میں ستانوے ۹۷ اشعار ہیں۔ اور ایک سو دو ۱۰۲ غزلیں ہیں جنکی ردیف وار تفصیل درج ذیل ہے۔

دال: ۵، ذال: ۱، را: ۷، زا: ۱، سین: ۲، شین: ۱، ھا ہوز: ۲، حطا: ۲، طا: ۱، ظا: ۱،
ردیف الف: ۲۱، ردیف با: ۲، تا: ۳، ثا: ۲، جیم معجمہ: ۷، ھا: ۱،
خا: ۱، عین: ۱، فا: ۲، قاف: ۱، کاف: ۱، لام: ۳، میم: ۲، نون: ۹، واؤ: ۶،

ہا: ۳ اور یاء ۱۸ ۔ ان غزلوں میں غزل نمبر ۱۳ اصحابؓ نبی کی منقبت میں اور غزل نمبر ۱۱ حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی مدحت و عقیدت میں ہے۔ بقیہ سبھی غزلیں نعتیہ مضامین پر مشتمل ہیں تیسری غزل میں منقبت چار یار پر تفصیلی اشعار کے بعد شاعر نے کہا ہے:-

بجائے روشنائی بھی سارے جہاں کا آب ہو ہر شجر قلم چمن روزگار کا
ہر دہ ہزار خلق کرے گر رقم نہ ہو ادنیٰ سا وصف ایک بھی ان چار یار کا

پنجتن کی مدح پر غزل کا اس طرح اختتام کیا گیا ہے۔

اور پنجتن کا وصف تو باہر ہے وصف سے اک ایک برگزیدہ ہے پروردگار کا
بخشش میں تیرے کون کرے لطف گفتگو مداح ہے تو پنجتن چار یار کا

نعتیہ غزلوں میں وفور شیفتگی — جوش عقیدت اور رسول پاک صلعم سے مخلص وابستگی کا اظہار صاف سادہ زبان اور نرم لہجے میں کیا گیا ہے۔ اس کی غزلوں میں جاری و ساری داخلیت، تڑپ، اضطراب اور بیان و اظہار کا خلوص قابل توجہ ہے۔

لطف مسلم الثبوت نعت گو شاعر ہیں۔ ان کا شمار اردو کے ان معدودے چند نعت گو شعراء میں ہوتا ہے جن کے ہم پلہ شاعر کم پیدا ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے کو نعت گوئی کے دائرے میں بند کر کے لافانی شہرت حاصل کی۔ مدح رسولؐ ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا اور فطرت نے انھیں نعت گوئی کے خواص ودیعت فرمائے تھے۔ لطف کو اس ودیعت خداوندی پر ناز تھا۔ نعت گوئی کی بدولت ان کو قبولیت عام اور شہرت دوام نصیب ہوئی۔ ان کو اس واقعیت کا خود بھی احساس تھا۔ چنانچہ انھوں نے اکثر جگہ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

وصف لکھتا ہوں نبی کے حسن عالمگیر کا کیوں نہ شہروں شہروں شہرہ ہو میری تحریر کا
تیری مدحت کے بدولت اب تو اے ممدوح حق خلق میں ممدوح ہوں اک اک جوان و پیر کا

---

۱ ۔ دیوان لطف ۔ ص ۔ ۵ ۲ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۷

لطف نعت سید ای لطف کے فیض سے یک بیک بے مشق کیا اوستاد کامل ہو گا

لطف الطاف خدا ہوتا ہے جس شاعر پر نجد اہے وہی مداح پیمبر ہوتا

میں نعت نبی لکھتا ہوں تا مید خدا سے ظاہر میں تو ظاہر ہے میرا ذہن نبی ہے

لطف یہ شہرت ہوئی حاصل بدولت کے ہر کوئی کہتا ہے مداح رسول اللہ ہے
بجا ہے گر مجھے ہو شاعر و نہیں زعم یکتائی کہ یہ مدحت سرا ہوں اس مدیح کبریا کا

لطف گر نعت نبی میں تم نہ لکھتے ہر غزل شاعروں کو خوش نہ آتا آپ کا انداز آج

سارے عالم پہ الفت و تولا وارث یہ تو نے مدحت خیر الورا کا دیکھا فیض

لطف کا یہ آپ کہ ان اسلاف کی باتوں میں جو حلاوت و شیرینی ہے وہ خود میں بھی مفقود ہے۔

التجا کی باتوں میں لذت نبی سے ہے نجد اقند بھی اتنا تو نہ میٹھا ہو گا

---

۱ ۔ دیوان لطف ص ۹
۲ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۳۶
۳ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۴۱
۴ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۱۱
۵ ۔ دیوان لطف ص ۱۳
۶ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۲۱
۷ ۔ دیوان لطف ص ۔ ۱۴

شاعر کا عقیدہ ہے کہ جب وہ زمانِ موجود حضرت پر نعت خوانی کریگا
تو آتش کدہ فارس کی طرح نارِ جہنم سرد ہو جائے گی۔

مثال نارِ فارسی آتش دوزخ بجھائیگا [1] پھر رہے گا نعت جب وصف زمانِ موجود

حضرت آدم و حوا برسول الغیاث کرتے رہے۔ مگر ان کی دعا کے لئے اجابت کو
قطعاً جنبش نہ ہوئی۔ لیکن جب انھوں نے آنحضرت کے توسل سے توبہ کی تو اجابت
بہر استقبال دوڑ آئی۔

بے توسل آپ سے کس دن ہوئی توبہ قبول [2] برسول ہی کرتے رہے حوا و آدم الغیاث

ایک دوسرے مقام پر اسی مضمون کو یوں نظم کیا گیا ہے۔

نام او زنکا کام آیا او ندفوں ورنہ کبھی [3] حشر تک ہوتا نہ اے آدم و حوا ختم غلط

شاعر کو اس بات پر فخر ہے کہ وہ اس شہنشاہ کی رعیت ہے جس کی دربانی
کے لاکھوں سکندر محتاج ہیں۔ بیان کی ندرت و لطافت ملاحظہ ہو۔

ارسل شہنشاہ کی اے لطف رعیت ہوئیں [4] جس کی دربانی کے ہیں لاکھ سکندر محتاج

اس کا عقیدہ ہے کہ مدینہ کی گدائی بادشاہی سے بہتر ہے۔

مدینے کی گدائی بادشاہی سے زیادہ ہے [5] چنوائے لطف یہاں سے خاک ڈالو اس دیا پر

فضائے دشت مدینہ کے مقابلے میں خلد کا گلزار شاعر کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح
کھٹکتا ہے۔

فضائے دشت مدینہ ہے مد نظر [6] کھٹک رہا ہے اب آنکھوں میں خلد کا گلزار

---

[1] دیوان لطف ص ۱۴
[2] دیوان لطف ص ۱۴
[3] دیوان لطف ص ۵۴
[4] دیوان لطف ص ۱۶
[5] دیوان لطف ص ۱۹
[6] دیوان لطف ص ۲۱

اس کے نزدیک مدینہ کی سکونت جنت سے بالاتر ہے۔

بھول کر بھی کبھی خالق سے نہ جنت مانگیں [1] گر میسر ہو مدینے کی سکونت ہم کو

لطف کے نزدیک خاک مدینہ میں وہ شفائی عناصر ہیں جن سے عہد عیسیٰ
کے بیمار بھلے چنگے ہو سکتے ہیں۔

شفا دینے کی یہ خاک پاک میں ہے لطف [2] کہ چنگے ہوتے ہیں عیسیٰ کے عہد کے بیمار

نعت نبی سن کر رضوان اس قدر محو ہو جائے گا کہ شاعر بے کھٹکے جنت چلا
جائے گا۔ اور رضوان اس کو نہ روک سکے گا۔

در فردوس پہ رضواں نہیں جب روکے گا [3] ہم چلے جائیں گے حضرت کی ثنا کر تعریف

شاعر کا عقیدہ ہے کہ جن آنسوؤں کی وابستگی منبع نعمت سے ہو جائے وہ
آتش دوزخ کو سرد کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حشر کے دن آتش دوزخ بجھانے کے لئے [4] روک رکھے ہیں کچھ آنسو دیدہ نمناک میں

شاعر کی دور رس نگاہ کا فیصلہ ہے کہ نعت سے انتساب حاصل کر کے اس
کا کلام یادگار جہاں ہو جائے گا۔

نعت رسول میں کوئی دیواں لکھوائے لطف [5] تا خلق یاد کرتی رہے مرحبا کہ ساتھ

لطف کے نزدیک ہر وہ نظم و نثر جو نعت نبی سے مبرا ہو ناکارہ و بیکار ہے
اسلوب کی لطافت و بلاغت ملاحظہ ہو۔

مدح محبوب الٰہی کی نہ ہو جس سے عیاں [6] نظم ہو یا نثر ہو ناکارہ ہے بیکار ہے

---

[1] دیوان لطف ص ۲۳
[2] دیوان لطف ص ۲۲
[3] دیوان لطف ص ۲۵
[4] دیوان لطف ص ۳۰
[5] دیوان لطف ص ۳۴
[6] دیوان لطف ص ۳۶

شاعر کا کلام داخلیت، جذبہ کی تڑپ اور سوز دروں سے معمور ہے۔ روضۂ انور کی زیارت نہ حاصل کر پانے کا اسے شدید احساس ہے۔

جیتے جی روضۂ اقدس کو نہ دیکھا افسوس — کبھی پوری نہ ہوئی دل کی تمنا افسوس[1]

اس کو اس بات کا بھی افسوس ہے کہ وہ خواب تک میں زیارت نبی سے مشرف نہ ہو سکا۔

لے چلے عالم ہستی سے یہ حسرت افسوس — کی نہ مرنے میں بھی حضرت کی زیارت افسوس[2]

لطف بیمار ہی حضرت کی زیارت کا رہا — ہوئی شربت دیدار سے صحت افسوس[3]

شاعر نے معجزات نبویہ، آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے اپنے نعتیہ مضامین کو مزین کیا ہے۔ شاعر از توجیہات، حسن کلام کو دوبالا کرنے میں مدد کرتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

شق القمر انگشت کا ادنیٰ ہے اشارہ — اے صل علی قوت بازوئے محمد[4]

قوسین کے استعمال سے نعتیہ مضمون کی بلندی ملاحظہ ہو۔

قوسین کا تھا فاصلہ حق سے شب معراج — ادنیٰ سایہ ہے رتبۂ اعلائے محمد[5]

واللیل، بدر الدجیٰ اور والضحیٰ کا استعمال ملاحظہ ہو۔

چاندنی چھٹکی ہوئی آنکھوں میں ہے مثل گناہ — خواب سے چونکا ہوں اک بدر لدوجی کو دیکھ کر

رات دن پڑھتا ہوں زلف و رخ والیل پر درود — سورہ والیل کو اور والضحیٰ کو دیکھ کر

لطف نے احادیث کے تراجم کے ذریعہ بھی مضامین نعت کو پُر رونق بنایا ہے۔

۱۔ دیوان لطف ص ۔ ۲۲
۲۔ دیوان لطف ص ۔ ۲۲
۳۔ دیوان لطف ص ۔ ۱۷
۴۔ دیوان لطف ص ۔ ۱۸
۵۔ دیوان لطف ص ۔ 19

اور مزہ یہ ہے کہ جو شخص اصل سے نابلد ہو اس کو ترجمہ کا قطعی احساس نہ ہوگا۔

او سے جنت کو لے جائیگا وہ راہ جہنم سے — گواہی جس نے دی ایکبار بھی انکی رسالت پر[1]

آیت قرآنی "ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما" کو لطف نے اس طرح نظم کیا ہے۔

خدا کا صاف یہ قرآن پر حکم ناطق ہے — مرے نبی پہ تم اے مومنو درود پڑھو

خدا خدا کے فرشتے درود پڑھتے ہیں — غیر نہیں تمھیں اے غافلو درود پڑھو[2]

لطف نے اپنے طبّاع ذہن کی جولانی کے سہارے میم احمد کے فرسودہ مضمون میں تروتازگی پیدا کر دی ہے۔

میم احمد کے نہ کر ناز کو افشا کہیں — بند کرائے لطف منھ اپنا خدا کے واسطے[3]

شاعر نے بانی اسلام کے سبب تخلیق کائنات ہونے کے مضمون کو بہت سلیقگی سے نظم کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

خدا نے جس کے سبب خلق کو کیا ہے خلق — ظہور کے لئے جس کے یہ سب ہوا اظہار

نبی ہے جس کے سبب سے بہشت اور دوزخ — لقب ہے جسکا کہ محبوب ایزد غفار[4]

شاعر نے نعت میں اعتراف عجز کے مضمون کو مختلف رنگوں میں باندھ کر نعتیہ مضامین کی تروتازگی میں مفید اضافے کئے ہیں۔ اس سلسلے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

وصف محبوب خدا کا کہہ نہیں سکتا کوئی — لطف منھ بند کرو بہر پیمبر اپنا[5]

۱۔ دیوان لطف ص ۔ 19
۲۔ دیوان لطف ص ۔ ۳۲
۳۔ دیوان لطف ص ۔ ۳۶
۴۔ دیوان لطف ص ۔ ۲۱
۵۔ دیوان لطف ص ۔ ۸

خدا و خدِ دو عالم ہے میرا مدح قرآں میں — تیری تعریف لکھنے کی کہاں طاقت ہے انساں میں[1]
خالق ارض و سما آپ ہو جس کا مداح — ایسے ممدوح کی ہر حمد ہے کیونکر تعریف[2]
یہ کریمی ہے خدا کی ہو جو مداح نبیؐ — ورنہ میرا منہ تو وصف پاک کے قابل نہیں[3]
وہ ہے مدیح خدا اس کا ہے خدا مدّاح — بشر کی جان لکھے نعت سید ابرار[4]
لائے یہ بندہ کہاں سے حق تعالیٰ کی زباں — احمد مرسل ترے وصف ثنا کے واسطے[5]
خدا مداح خود ہے آپ تو ممدوح انبیا ہیں — بشر میں مدح خوانی کی تیری کب تاب و طاقت ہے[6]
اگر ہیں وا لکھنے عارض تو ہیں واللیل وہ گیسو — زیارت آپ کی صورت کی قرآں کی تلاوت ہے[7]
قرآں میں خدا آپ ہے حضرت کا ثنا خواں — اوصاف لکھے آپ کے انسان کی جاں ہے[8]
ہر اک مضمون عالی عالم بالا سے لاتا ہوں — میرا فکر رسا کی یہ اولوالعزمی یہ قدرت ہے[9]

لطف جب نبی سے اس قدر سرشار ہیں کہ وہ کبھی کبھی جوش عقیدت میں جذبات ہو گئے ہیں۔ اور ان کی عقیدت بندگی کی حدود سے داخل ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے موقع پر انھوں نے اپنے عقیدے سے اتفاق نہ رکھنے والے

---

[1] دیوان لطف — ص ۔ ۲۸
[2] دیوان لطف — ص ۔ ۲۵
[3] دیوان لطف — ص ۔ ۲۹
[4] دیوان لطف — ص ۔ ۲۰
[5] دیوان لطف — ص ۔ ۳۵
[6] دیوان لطف — ص ۔ ۳۷
[7] دیوان لطف — ص ۔ ۴۱
[8] دیوان لطف — ص ۔ ۳۷
[9] دیوان لطف — ص ۔ ۳۱ و ۳۲
[10] دیوان لطف — ص ۔ ۳۱ و ۳۲

لوگوں کو نا زیبا اور توہین آمیز الفاظ سے یاد کیا ہے۔

اے منکر و حدیث مجھ میں دیکھ تو — حضرت ہی ہوں گے شافع یوم الحساب[1]

لطف نے غزل کی ساخت میں نعت کہہ کر شاعری کی غزل کا بھرم رکھ لیا۔ انکے نعتیہ کلام میں تغزل، ترنم، معانی و بیان کی حسن کاری، حسین و لطیف تشبیہات و استعارات کا استعمال خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ان کے یہاں غزل کا حسن نکھار اور رنگ و آہنگ نعت کے روپ میں امتیازی شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ وہ سراپائے رسول صلعم کا افتتاح اس طرح کرتے ہیں۔

میری یہ فکر رسا ہے کہ ہوں طیبت دار — ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کا عنوان

آگے چل کر کہتے ہیں۔

اوسی کی وصف ثنا کا سبب یہ عزت ہے — خدا ئی کہتی ہے مداح احمد مختار[2]

اور اس کے بعد اس نے سراپا لکھنا شروع کیا۔ شاعر نے سراپائے رسول میں منطقی استدلال اور زبان بیان کی لطافت کے ساتھ دلاویز تشبیہات و استعارات، نوروں و نرم الفاظ، حسین تراکیب، دلکش صنائع و بدائع اور عام روایات و محاکات شعر روزمرہ کے ذریعہ نعت کو غزل کے رنگین لباس میں ملبوس کر کے دکھلایا ہے۔ ان کی نعتیں نعت اور غزل کا حسین سنگم ہیں، جن میں بیک وقت نعت کی لطافت اور تغزل کی چاشنی ملتی ہے۔ اور سامع و قاری نعت اور غزل دونوں کے لطف سے محظوظ ہوتے ہیں ان کا عشق روحانی ہے۔ اس لئے ان کی شاعری میں طہارت و پاکیزگی اور تطہیر و تزکیہ ہے۔ ان کی محبت میں گداز، سوزش اور تڑپ ہے ان کا فکر حیات و کائنات میں وسعت پیدا کرتا ہے اور سیرت میں بلندی پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ ان کا محبوب کائنات اور خالق کائنات دونوں کا محبوب ہے۔ اسلئے ان کے کلام میں روحانیت اور حقیقت

---

[1] دیوان لطف — ص ۔ ۲۳
[2] دیوان لطف — ص ۔ ۴۳
[3] دیوان لطف — ص ۔ ۳۲

کا دلکش اقتباس ہے۔ شاعر نعت مبارک کی تعریف کس قدر حسین انداز میں کرتا ہے۔

یہ سرو سر ہے کہ کیا جس پہ ابر نے سایہ　　سر وہ سر ہے رہی جس پہ رحمت غفار

وہ اپنے محبوب کی زلف مشکبار، سیاہ ریشی، رخ مصحف، مہر نبوت، لبہائے مبارک، زبان مبارک، سلک دندان، دست مبارک اور انگلیوں کی اس انداز سے مدحت سرائی کرتے ہیں۔ کہ تغزل کی چاشنی کے ساتھ شاعرانہ فنکاری عروج پر نظر آتی ہے اور صنائع و بدائع کا استعمال بدرجہ اکمل پایا جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سو سو سفر کے اب زلف مشکبار کے وصف　　جو اوسکو سنبل جنت لکھوں تو ہو بیکار
خطاب مشک ختن سے جو اوسکو دوں تشبیہ　　تصور ہے جو لکھوں شوک نافہ تاتار

شکار دل کو کیا ہے یہ بے ان آنکھوں نے　　ہر اک غزال حرم بن رہا ہے جن کا شکار
یہ وصف دیدۂ وا نشہ ہے اون آنکھوں کا　　بھرا ہے نشہ عشق خدا کا ایسا خمار
جو ہوشیار کو دیکھا نہ امت الست　　جو دیکھا مست ہے کو ظرف کر دیا ہشیار

برادن لبوں کو لکھتا ہے لعل خلد بریں　　تو یہ فضول ہے تشبیہہ اور بس بیکار
وہ لب وہ جنھیں کہتے ہیں لب جاں بخش　　انھیں لبوں کا ہے دم بھر رہا ہر اک بیمار[1]

لطف خود شراب حب نبی سے سرشار ہیں۔ اور اپنے قاری و سامع کو بھی اس شراب سے سرشار ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نعت نبی سے وجد لطف اندوز ہو سکتا ہے، جس کو سید ابرار سے عشق ہو۔

عشق ہے جسکو جناب سید ابرار کا　　لطف حاصل ہوگا اوسکو لطف کے اشعار

اور محبوب والے عشق میں اسقدر مخمور شاد ہے کہ۔

نبی کی زلف دعا رخ کا جسنے وصف کیا　　نہیں خزاں ہے دل میرا گلاب عطر و عنبر کا

---

[1] ۔ دیوان لطف　　ص ۔ ۴۳ ، ص ۔ ۴۴ ، ص ۔ ۴۵

قیامت یاد قامت میں تیرے نعرے کرتا ہوں　　کہ ہمسایوں کو ہو جاتا ہے دھوکا نشور محشر کا
وہ ہوں تشنہ دہن دیدار پاک مصطفےٰ کا ہوں　　نگاہوں منہ سے جنت میں نہ ساغر حوض کوثر کا
یہاں تک سر کو رگڑوں گر خدا پہونچاوے اس در تک　　کہ ہو سر میں نشاں پتھر کا اور پتھر میں ہو سر کا

نعت رسول عشق نبی اور کلام کا قابل آفریں ہونا لازم و ملزوم ہیں۔ شاعر نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس کو نعت گوئی کی بدولت عشق نبی کی دولت نصیب ہوئی ہے۔

اے لطف نعت گوئی میں یہ مرتبہ ہوا　　مجھ کو حصول عشق حبیب خدا ہوا

اور نعت گوئی ہی کی باعث اس کا کلام قابل ستائش بنا۔[1]

وصف رخ نبیؐ کا صلہ یہ عطا ہوا　　میرا کلام قابل صل اعلیٰ ہوا

لطف کے یہاں داخلیت خارجیت سے زیادہ ہے شاعر وصفی انداز بیان سے اپنے کلام کی تزئین کرتا ہے۔ وصفی انداز نگارش اس کی ان نعتوں میں زیادہ واضح طور پر نمایاں ہے۔ جہاں اس نے میلاد نبی کو ہدف نعت بنایا ہے ان نعتوں کو تلمیحات کے ذریعہ وقیع اعجاز عطا کیا گیا ہے۔ مثال میں ان کی درج ذیل نعت ملاحظہ ہو۔

آج فخر انبیاء و صل علیٰ پیدا ہوئے　　شافع روز جزا صل علیٰ پیدا ہوئے
زینت ارض و سما صل علیٰ پیدا ہوئے　　رونق ہر دو سرا صل علیٰ پیدا ہوئے
حامد و محمود احمد خاص ہے جن کا لقب　　وہ محمد مصطفےٰ صل علیٰ پیدا ہوئے
حضرت آدم سے جن حضرت کا تھا پہلے ظہور　　اب وہ ختم الانبیاء صل علیٰ پیدا ہوئے
نور سے جن کے ہوئی تھی آتش نمرود سرد　　آج وہ نور خدا صل علیٰ پیدا ہوئے
نوح کی کشتی بچی جن کے سبب طوفاں سے　　آج وہی ناخدا صل علیٰ پیدا ہوئے
اے خضر تھی تم کو جن کی پیروی کی جستجو　　وہ رہبر رہنما صل علیٰ پیدا ہوئے

---

[1] ۔ دیوان لطف　　ص ۔ ۶ و ۷

ہر نبیؐ کے جو شب معراج ہونگے مقتدا — وہ امام و پیشوا صل علیٰ پیدا ہوئے
کیوں نہ بت ساری خدائی کے گریں سجدہ میں آج — مظہر ذات خدا صل علیٰ پیدا ہوئے
رفعت خورشید پہنچے جن کو طاقت عاصیو — آج وہ شمس الضحیٰ صل علیٰ پیدا ہوئے
ہاتھ میں جن کے لواء حمد ہو گا روز حشر — وہ شہ روز جزا صل علیٰ پیدا ہوئے
نزع میں، مرقد میں، محشر میں کریں گے جو مدد — آج وہ مشکل کشا صل علیٰ پیدا ہوئے
جو کہ ہر امت سے پہلے بخشوائیں گے بخشیں — عاصیو وہ پیشوا صل علیٰ پیدا ہوئے
آج امت کے نہ کیوں ہوں شاد محتاج و غنی — مقصد شاہ گدا صل علیٰ پیدا ہوئے[1]

لطفؔ کے یہاں اضطراب، بے قراری، اور شیفتگی کے مضامین کی بھی کثرت ہے۔ اس سلسلہ کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

تڑپ رہا ہے یہ بیمار یا رسولؐ اللہ — دکھائیے اسے دیدار یا رسولؐ اللہ
نہ ملک و مال ہے درکار یا رسولؐ اللہ — حضور کا ہوں طلبگار یا رسولؐ اللہ
غم رسولؐ سے ہوں زار یا رسولؐ اللہ — میرا علاج ہے دیدار یا رسولؐ اللہ

عذاب قید جہنم سے ہیں رہا بخدا — تمہارے غم کے گرفتار یا رسولؐ اللہ[2]

لطفؔ کی ایک خاص ادا یہ ہے کہ وہ اکثر منبع نعت اور آپ کے متعلقات کے خارجی محاسن کے ساتھ اپنے داخلی جذبات کو مدغم کر دیتا ہے۔ اور تشبیہات و و استعارات سے نہ صرف یہ کلام کی لطافت میں اضافہ کرتا ہے بلکہ ان کے ایضاح مطالب میں بھی استمداد کرتا ہے۔ اور اس طور پر اس کی کاوشات محاکات نگاری کے مصحف کی لافانی آیات محسوس ہونے لگتی ہیں۔ لطفؔ کی سادگی میں وہ رعنائی ہے جو رنگینی میں بھی کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

لکھوں حبیب خدا کی وہ مدحت رخسار — کہے جہاں کہ یہ مطلع ہے مطلع انوار

۱۔ دیوان لطفؔ صفحات ۴۲ و ۴۳
۲۔ دیوان لطفؔ ص ۳۴

لکھوں جناب کا وہ وصف گیسو و رخسار — کہے زمانہ کہ یکجا ہوئے ہیں لیل و نہار
لکھوں حضور کا گر وصف ابرو و رخسار — کریں طواف میرے گھر کا کعبہ کے زوّار

خدا کے بعد خدائی سے آپ اعلیٰ ہیں — جناب پاک کا ادنیٰ سا ہے یہ عزّ و قار

بلا تو ہند پر آشوب سے مدینے میں — بس التجا ہے یہی صبح و شام و لیل و نہار

فرشتے لکھتے ہیں نیکی بدی جو بندوں کی — کریں گے پیش وہ پیش خدا بروز شمار

ہر ایک فرد بشر لے کے اپنی فرد عمل — خدا کو آپ سنائے گا اپنی آخر کار

دکھایا جائیگا جب اپنا نامہ اعمال — اور اس میں ہو گی لکھی نعت سید ابرار

ادھر سے نعت پڑھی جائے گی ادھر سے درود — رہے گی دیر تلک روز حشر یہ تکرار
پھر اس کے بعد کروں گا یہ عرض خالق سے — بحق سید ابرار احمد مختار
تیرے حبیب محمدؐ کا مدح خواں ہوں میں — ہزار ہوں میں بد اطوار لاکھ بد کردار
کرم سے اپنے مجھے بخش دے مرے مولا — بہت ہوں میں عاجز و محتاج و بیکس و لاچار
شفیع حشر کے صدقے میں کیا عجب ہے اے لطفؔ — تجھے بھی حشر کے دن بخش دے اگر غفار[1]

لطفؔ سے پیشتر مومنؔ اور سوداؔ شاعری کی مختلف شکلوں میں نعتیں لکھ چکے تھے۔ لیکن غلام امام شہیدؔ اور لطفؔ اس معنی میں گلہائے سرسید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اولیت کے حقدار بھی ہیں۔ کہ انھوں نے اپنی کاوشات کا مرکز نعت نبی کو بنایا۔ اور نعت کے میدان میں اپنے کو محصور کر کے اس میں کمیّت اور کیفیت دونوں..

۱۔ دیوان لطفؔ صفحات ۲۰ و ۲۱

اعتبار سے وسعت پیدا کی۔ دیوان لطف دو غزلوں کو چھوڑ کر مکمل طور پر نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ لطف کا کمال یہ ہے کہ اس کی نعتیہ کاوشات میں ایک مقام بھی ایسا نہیں آیا، جہاں وہ جادہ اعتدال سے ہٹ گیا ہو۔ اس نے دشوار گذار مراحل میں بھی نعت خوانی کی ہے لیکن اس کا دامن کہیں بھی بے اعتدالیوں سے ملوث نہیں ہوا۔ نمونہ میں صرف ایک شعر نقل کیا جاتا ہے۔ جس میں شاعر نے بانیٔ اسلام کو خدا کے مثل ٹھہرایا ہے۔ لیکن وجہ شبہ نے اس مماثلت سے منبع نعت کے صحیح مقام کو ایک شعر میں واضح کر کے سمندر کو کوزہ میں بھرنے والی بات کا استحضار کرا دیا ہے۔

خدا کے بعد وہ افضل ہے سب خدائی سے — خدا کے مثل ہے بے مثل احمد مختار[1]

لطف کا یہ شعر "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" والی رباعی کی تذکیر کرتا ہے۔

کافی ؎ اس عہد کے نعت گو شعراء پر تبصرہ کرتے ہوئے کافی کی شخصیت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے اسلاف مراد آباد کے قدیمی باشندے تھے۔ آپ کا نام عبدالکافی اور تخلص کافی ہے علمی زندگی کا آغاز مراد آباد میں ہوا اور علمی تشنگی کو سیراب کرنے کے لئے موصوف نے بدایوں اور بریلی کے سفر کئے۔ آپ نے علم حدیث کا درس ابوسعید رام پوری سے اور علم طب کا درس حکیم شبیر علی سے اخذ کیا۔ ابوسعید موصوف کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کی شاگردی اور شاہ غلام علی دہلوی کی خلافت کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے شاعری میں مہدی علی خاں ذکی مراد آبادی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا۔

مولانا عبدالکافی کو روضۂ اقدس کی زیارت کا بیحد اشتیاق تھا۔ جس کا والہانہ اظہار موصوف کے کلام میں متعدد جگہوں پر ملتا ہے اس قبیل کے ایک

---

[1] ۔ دیوان لطف ص ۔ ۲۰

دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے مدینہ کی زیارت کا جو کافی مشتاق — یہ ارادہ مرا یارب کبھی پورا ہو گا

کافی یہ تمنائے دلی ہے کہ دم مرگ — گر آہ جو کھینچوں تو کہوں ہائے مدینہ

مولانا موصوف کو روضہ مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ان کیفیات و جذبات کا اظہار مثنوی "تجمل دربار رحمت" میں بڑے لطف پیرائے میں پرجوش طور پر کیا ہے۔ آپ نے ہندوستان کی جنگ آزادی میں عملی طور پر نمایاں حصہ لیا۔ اور جب انگریزی افواج کے استحکام پر محبان وطن کو چن چن کر شہید کیا گیا تو آپ بھی فخر الدین کلال کی مخبری پر گرفتار کر لئے گئے اور سولی پر چڑھا کر شہید کر دیئے گئے۔ جب آپ مقتل کی جانب لے جائے گئے تو آپ اپنی ہی نعت کے مرقومۂ ذیل اشعار خوشی و مسرت کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائیگا — پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائیگا
ہمصفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا — بلبلیں اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائیگا
اطلس و کمخواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو — اس تن بے جان پر خالی کفن رہ جائیگا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود — آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائیگا

سب فنا ہو جائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائیگا

کافی کے نعتیہ سرمایہ میں مثنوی "تجمل دربار نبی کریم" "حلیہ شریف" "مولود بہاریہ" اور "بہار خلد" کو وقیع اہمیت حاصل ہے۔ تذکرہ شمیم سخن میں مرقوم ہے کہ مولانا کافی عالم و صالح و دیندار تھے۔ مداحی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے اوقات عزیز گذارتے تھے۔[1]

---

[1] ۔ شمیم سخن۔ مولفہ مولانا عبدالحئی صفا بدایونی ص ۔ ۱۹۱

روانی، سادگی زبان، تلمیحات کا برمحل استعمال، صداقت و واقعیت، خلوص، آمد اور درد و اثر مولانا کے نعتیہ کلام کے مخصوص و ممتاز عناصر ہیں۔

آپ نے اردو و فارسی میں کئی نعتیہ جاندار اسلام بھی کہے ہیں۔ نمونہ کے طور پر درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

السلام اے خاتم دور رسالت السلام — اے وجودت مطلع انوار رحمت السلام
السلام اے ماہ کامل بر سپہر اصفیا — السلام اے مہر رخشانِ جلالت السلام
قاصرم از شرح حرفے از کتاب حسن تو — گر بگویم یا نویسم تا قیامت السلام

بندۂ کافی بخدام جناب مصطفیٰ
میکند معروض ہر ساعت یہ ساعت السلام

یا نبیؐ! تم پہ بار بار سلام — بے عدد اور بے شمار سلام
عرض کرتا ہے یا رسولؐ اللہ — کافی خستہ و نزار سلام

کافی کی وہ نعت جس کی ردیف "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" اور جس کا مطلع درج ذیل ہے کافی جاندار اور وزنی ہے۔

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم — خلد سرا بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انھوں نے ترمذی شریف کو شعری جامہ میں پیش کیا ہے۔ اور اپنی مصنفہ کتاب کا نام "بہار خلد" رکھا ہے۔ شمائل ترمذی کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ اس میں حضور صلعم کے عادات و اطوار، خصائل و شمائل، گفتار و کردار اور ملبوسات و مقولات بیان کئے گئے ہیں۔ کافی کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ عربی نثر کو اردو نظم کے قالب میں ڈھال دیا ہے بلکہ اپنی کاوش میں فنی حذاقت سے شعریت بھی پیدا کی ہے۔ "بہار خلد" کا سنہ طباعت ۱۲۶۱ھ ہے۔ جس کا عیسوی سنہ مطابقت ۱۸۴۵ء ہے۔ ترمذی شریف میں عنوانات کے ذیل احادیث جمع کی گئی ہیں۔ کافی نے ہر باب کے عنوان کا مفہوم ایک شعر میں ادا کر کے

اس کو بمنزلہ عنوان کے استعمال کیا ہے۔ امام ترمذی نے پہلا باب قائم کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلعم" کافی نے سراپا کو عنوان بناتے ہوئے کہا ہے:

بدل اس کو سنو اے عاشقانِ صورت احمد — سراپا سید کونین کا کافی سناتا ہے[1]

کافی نے "بہار خلد" کی فہرست قصیدہ کی شکل میں پیش کی ہے۔ اس نے عموماً ایک شعر میں ایک باب کا مفہوم نظم کیا ہے۔ اور کہیں کہیں ضرورت شعری کی بنا پر ایک شعر میں دو ابواب کے مفاہیم نظم کر دیئے ہیں۔ جو اس کے موجز بیانی کی دلیل ہے۔

شاعر نے کتاب کے آغاز میں رسمی نعت کے سلسلے میں بہت جاندار اور شعریت سے معمور اشعار کہے ہیں۔ انھوں نے خدا سے ملاحت و فصاحت کی التجا کرتے ہوئے کہا ہے۔

ہے یکساں یوں تو گو مخلوق عالم — ولیکن خاص اک رحمت میں ہیں ہم
وہ رحمت کیا وجود مصطفیٰ ہے — نمود ذات فخر انبیاء ہے
سزاوار خطاب پاک لولاک — ہوا جن کی قدم سے فخر لولاک
مجھے شیریں زبانی دے الٰہی — کہوں معروف نعت مصطفائی
ملاحت شعر میں میں چاہتا ہوں — ملیحان عرب کا خاک پا ہوں
فصاحت ہو سخن میں یہ دعا ہے — فصیحان عرب سے دل لگا ہے
ملی میری سخن کو فیض ارشاد — بحق احمد و اولاد امجاد[2]

اس کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اس کا یہ شعری کارنامہ ترجمہ ہوتے ہوئے بھی بہت فصیح و بلیغ ہے۔ اکثر جگہ لفظی ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور کہیں کہیں حاصل معنی

---

[1] ۔ بہار خلد: کافی۔ ص ۲۰۔ مطبع سنگین ہزار و دو صد و شصت ایک سنہ ہجری۔
[2] ۔ بہار خلد: ص ۵۷

نظم کئے گئے ہیں۔ ایجاز "بہار خلد" کی جان ہے مصنف نے خود کہا تھا۔

کلام مختصر مرغوب پایا

کافی کا کمال یہ ہے کہ اس نے واقعیت اور مفہوم سے سرمو مستجاوز نہ ہو کر بھی کلام کو دلاویز اور جاذب سامعہ بنایا ہے۔ اس نے نبی اکرم صلعم کے وصال پر جو غزل شامل کتاب کی ہے وہ سوز و گداز سے معمور اور شاعرانہ حسن کاری اور فنی کمال کا نادر نمونہ ہے۔ غزل ملاحظہ ہو۔

جہاں میں شور محشر گھر بگھر ہے — قیامت رحلت خیر البشر ہے
رسول اللہ کا نظروں سے چھپنا — اگر سمجھو بڑا داغ جگر ہے
ملک جن و بشر ہیں زار و نالاں — زمین و آسماں بھی نوحہ گر ہے
وفات سید کون و مکاں سے — سر شوریدہ عین درد سر ہے
اندھیرا کیوں نہ سارے جہاں میں — چھپا پردہ میں وہ رشک قمر ہے
نہیں گر سامنے وہ رشک گلشن ہے — رگ گل چشم تر میں نیشتر ہے
کسی کی روح اطہر کا تصور — ہمیں تو رات دن آٹھوں پہر ہے
کہاں تک صدمۂ فرقت اٹھاویں — کدھر او جذبۂ آہ سحر ہے
تڑپتا ہے تپ فرقت میں کافی — کوئی وہاں تک نہیں کرتا خبر ہے[1]

---

[1] : بہار خلد ۔ ص ۱۵۹

امیر و داغ اور محسن کاکوروی کا دور

دلی میں غالب و مومن شاعری کی شمع جلائے ہوئے تھے۔ اور لکھنؤ میں ناسخ و آتش کشت شعر و سخن کی آبیاری کر رہے تھے۔ دلی میں مغلیہ سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ تھا اور لکھنؤ میں شاہان اودھ کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی برقی روشنی جس کو تاریکی کا علم نہ تھا۔ اور نہ وہ تاریکی کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ زمانہ کی کروٹ نے ایک آن میں اودھ کی برقی روشنی کو بجھا دیا۔ ۱۸۵۷ء میں آزادی کی لڑائی کا بگل بجا۔ اس جنگ میں ہندوستانیوں کی شکست ہوئی۔ اور حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ادھر بہادر شاہ ظفر قید ہو گئے۔ اور ادھر واجد علی شاہ پہلے ہی معزول کئے جا چکے تھے۔ باشندگان ہند پر خوف اور ہراس طاری ہو گیا۔ اور رنج و الم مصائب و محن نے ہر چہار طرف سے ان پر یلغار کر دی۔ مایوس کن ماحول میں خدا اور رسول کی یاد شدت سے آتی ہے۔ اور ماحول مذہب و تصوف کے لئے ساز گار ہو جاتا ہے۔ اس مایوس کن ماحول میں اتفاق شاعری پر امیر و داغ اور محسن طلوع ہوتے ہیں۔ اور یہی دور تاریخ نعت میں امیر و داغ اور محسن کا کوروی کا دور کہلاتا ہے۔ یہ دور اردو نعت کے لئے سابقہ تمام ادوار سے زیادہ سازگار تھا چنانچہ اس عہد میں نعت نے مثالی ترقی کی۔ نعت صلعم سے مخلص عقیدت اور والہانہ شیفتگی سلاست و سادگی کے ساتھ کہا گیا۔ صنعت و اظہار کے مقابلہ میں سوز دروں کا اظہار زیادہ

کیا جانے لگا۔ نعت گو شعرا نے عبد اور الٰہ کے درمیان کی وہ حدود توڑ دیں، جن کو برقرار رکھنے کی تاکید خود خدا اور رسولؐ نے کی تھی۔ نعتیہ شاعری کے ماہرین متصوفانہ مسائل کی تشریح اور ان کے رموز کا انکشاف کیا گیا۔ نعتیہ شاعری میں وہ الفاظ اور وہ معنی و مفاہیم استعمال کئے گئے جو مجازی شاہدوں کے لئے تو موزوں ہو سکتے ہیں، لیکن شاہد حقیقی کی طرح ان کا استعمال کسی طرح روا نہیں رکھا جا سکتا۔ حفظ مراتب کا خیال یکسر بھلا دیا گیا۔ اور اس طرح داخلی اور خارجی دونوں قسم کی نعتیہ شاعری بے احتیاطی کا شکار ہو گئی۔ موضوع روایات اور غلط قصے بغیر کسی تحقیق کے نظم کئے گئے۔ اور بیجا مبالغہ کے زیر اثر روایات کی صحیح صورت مسخ کر دی گئی۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ سبھی شاعروں کا یہی حال رہا ہو۔ امیر مینائی نے تو خاص طور پر موضوع قصوں کے نظم ہو جانے پر بارگاہ ایزدی میں عفو کی التجا کی۔ اور اپنا معافی نامہ شائع کیا۔ محسن کاکوروی نے ادب کا پاس ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے۔ اور اپنے کلام کو تمام بے اعتدالیوں سے بچا لیا۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار نہیں ملتے جن میں نعوذ باللہ حضور صلعم کی تنقیص ہو۔ یا عبد کو الوہیت میں شریک کر دیا گیا ہو۔ داغ نے نعتیہ شاعری میں اپنے دامن کو بہت حد تک بے اعتدالیوں سے بچا لیا ہے۔ انھوں نے نبی صلعم کی نعت میں وصفی انداز بیان بھی اپنایا ہے اور داخلی اظہار بیان بھی۔ انھوں نے پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے حسن یوسف میں پیغمبر اسلام کا نور دکھلایا اور آپ کو چارۂ دیدۂ یعقوب کہا۔ انھوں نے حضور صلعم کے عید ہونے کا مضمون بھی نادر اسلوب میں نظم کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر داغ کی ایک نعت کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

اے شہنشاہ رسل فخر رسل، ختم رسل — خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا
حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا — نہ بخشوانا تجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا
حسن یوسف میں ترا نور تھا اے نور خدا — چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا، خوب ہوا
فخر آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا — بنی آدم سے جو منسوب ہوا خوب ہوا
داغ ہے روز قیامت مری شرم اسکے ہاتھ — میں گناہوں سے جو مجذوب ہوا محبوب ہوا

اس دور میں داخلیت، سوز دروں کے اظہار، عقیدت و شیفتگی کی صلابت نعت کے جامہ میں اسرار و رموز تصوف کے انکشاف، پاس ادب، اظہار واقعیت، مبالغہ سے احتراز اور مذہب میں مشکلات کے حل کی تلاش کا زبردست رجحان پیدا ہوا اس رجحان پر امیر و میر کی ——— نعتیں بطور خاص اثر انداز ہیں۔ اس رجحان اس کے تاثرات و عواقب کا تفصیلی ذکر امیر و محسن کے نعتیہ کلام پر تبصرے کے ضمن میں کیا جائے گا۔

مولنا محمد یعقوب نانوتوی

آپ کی پیدائش ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا شمار صف اوّل کے مجاہدین میں ہوتا ہے۔ آپ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے۔ آپ فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خاص مرید تھے۔ اور آپ کے خاص شاگردوں میں مولنا اشرف علی تھانوی کے ایسے جلیل القدر عالم شامل ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ کو چہار شنبہ بعد نماز عصر مدینہ منورہ میں ہوا۔ اور اپنے بموجب اپنی وصیت البقیع میں مدفون ہونے کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے اپنی خیتہ کاوشوں میں کلام اللہ اور مجزات نبویہ کو نظم کرنے کا خاص اہتمام فرمایا ہے۔ جذبات قلبی کے انکشاف کے ماہین عرض مدعا کرنا آپ کا خاص وصف ہے کلام اللہ کے فقروں کو برجستگی کے ساتھ نظم کرنے میں آپ کو قابل رشک ملکہ حاصل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کہاں کہاں پھرائے گی گردش ایام
کبھی تو پائے کہیں خاطر حزیں آرام

یا یعونک انما یبایعون اللہ
تمہارے ہاتھ پہ بیعت کا یہ ہوا اکرام

وہ کون ہے کہ نہیں ذات پاک کا خادم
مقام نماز میں صاحب میں عنکبوت حمام

ہے سنگریزوں کا فرش اور طعام کو تسبیح
ستون چوب کا گریہ ہے اور حجر کا سلام

ہوا ہے انگلیوں سے بحر بیکراں کا جوش
ہیں ایک جام سے سیراب سارے تشنہ کام

تمہارا وصف سے ایمان تازہ ہوتا ہے
تمہارا وصف زباں پر علامت اسلام

یہ سچ ہے ہم نہیں لائق نگاہ عالی کے
مگر بحر در دولت کدھر کو جائیں غلام

یہ آرزو ہے کہ ورد زبان سدا ہی رہے
جہاں سے جاؤں تو ہووے زباں پہ آپ کا نام

مولنا قاسم نانوتوی

آپ کی پیدائش ۱۲۴۸ھ میں نانوتہ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل دلی میں کی۔ آپ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں۔ دیوبند کا دینی مدرسہ سہارنپور ضلع کی ایک بستی (دیوبند) میں ۱۸۶۶ء میں قائم کیا گیا تھا۔۔۔ مولنا قاسم نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں عملاً حصہ لیا۔ آپ شاملی کے قصبہ میں انگریزوں سے ہونے والی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے۔

آپ زبردست متبع سنت تھے۔ اس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ جب انگریزوں نے تبلیغ جہاد کی پاداش میں آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا تو آپ تین دنوں تک روپوش رہنے کے بعد علانیہ طور پر شہر میں گھومنے لگے۔ اور فرمایا کہ تین دنوں سے زائد کی روپوشی سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلعم صرف تین دن غار ثور میں ٹھہرے تھے۔ آپ نے سبز گنبد کی مناسبت کی وجہ سے کبھی بھی ہرے رنگ کا جوتا نہیں پہنا۔ آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ اور آپ پیغمبر اسلام کی عقیدت و شیفتگی میں موجزات و حدیات کو شعر و شاعری کے جامہ میں پیش کرتے تھے۔ آپ کے قصائد "قصائد قاسمی" کے نام سے طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں جس میں حمد و نعت سے متعلق قصیدے بھی ہیں۔ "قصائد قاسمی" کا پہلا قصیدہ ۱۱۵۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ مولنا کی نعتیں بہت پر اثر ہیں اور خلوص و عقیدت سے سرشار ہیں۔ وسیلہ طلبی سے متعلق مولنا کی ایک فارسی نعت کے اشعار اثر آفرینی میں بے مثال ہیں۔

بحق آنکہ او جانِ جہان است — خدائے روضہ اش ہفت آسمان است
بحق آنکہ محبوبش گرفتی — برائے خویش مطلوبش گرفتی
بآں کہ رحمۃ للعالمین است — بدرگاہت شفیع المذنبین است
اگر نالائقم قدرت تو داری — کہ خارِ عیب از جانم برآری
بچشمِ لطف اے حکم تو برسر — بہ حال قاسم بے چارہ بنگر

مولانا قاسم کے قصیدہ رائیہ عرفہ بالا میں سوز دروں دیدنی ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تو فخر کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیر لشکرِ پیغمبراں شہ ابرار
کہاں بلندی طور اور کہاں تری معراج — کہیں ہوتے ہیں زمین و آسماں ہموار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے گا تو کون پوچھے گا — بنے گا کون ہمارا ترے سوا غمخوار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا شمار
اڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پس مرگ — کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار
دے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کو — کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار
تمہارے عشق میں رہ رہ کے ہوں نحیف اتنا — کہ آنکھیں چشمہ آبی درون عیار
ثنائے او نہ مقدور جہاں است — کہ کہنش برتر از کون و مکاں است

امیر مینائی

امیر مینائی کا نام امیر احمد اور والد کا نام شیخ کرم محمد ہے۔ آپ نسباً صدیقی ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ شیخ عثمان عرب سے ہندوستان آکر اولاً دہلی بعدہٗ جونپور اور ڈلمئو میں قیام کرتے ہوئے لکھنؤ میں اقامت گزیں ہو گئے۔ وہیں امیر مینائی ۳۲ فروری ۱۸۲۹ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۲۴۴ھ بروز شنبہ ساڑھے دس بجے متولد ہوئے[1]۔ شیخ کرم محمد ایک زبردست فاضل صوفی پاک باطن اور اچھے شاعر تھے[2]۔ امیر مینائی کی عمر صرف ۷ سال کی تھی کہ باپ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ امیر مینائی نے کتب درسیہ متداولہ لکھنؤ میں رہ کر پڑھیں۔ عربی منجھلے بھائی حافظ عنایت حسین سے منطق و فلسفہ مفتی سعد اللہ مراد آبادی سے اور فقہ و اصول فقہ کے علوم مفتی یوسف اور مولوی عبد الحکیم سے حاصل کئے۔ مولانا کو طب میں اچھی دستگاہ تھی۔ علم نجوم اور جفر سے بھی شغف تھا۔ شعر و شاعری کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ چنانچہ نہ سال کلام موزوں زبان سے نکلا اور چودہ سال کی عمر میں مولوی تفضل حسین فخری کے مشاعروں میں شریک ہونے لگے۔ پندرھویں سال کے آخر میں اسیر لکھنوی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اسیر ہی کی وساطت سے دربار

---

[1] ۔ مطالعہ امیر : ڈاکٹر ابو محمد سحر ۔ ص ۶۷ ۔ سنہ ۱۹۶۵ء
نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ بار اول بمبئی

[2] ۔ سوانح امیر مینائی ۔ جلیل مانک پوری ص ۱۰

تک رسائی ہوئی اور شہزادہ ولی عہد سلطنت کے منظورِ نظر بنے۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۷۶ھ مطابق فروری ۱۸۵۹ء میں واجد علی شاہ کی معزولی کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ہوا جس میں اودھ سے اہم رول ادا کیا۔ اس ہنگامہ میں انگریزوں کی گولہ باری سے میناؤں کا محلہ تہس نہس ہو گیا، جس میں امیر مینائی کا مکان بھی مسمار ہو گیا۔ لکھنؤ میں بھگدڑ مچ گئی چنانچہ امیر مینائی بھی اسرہ کے ساتھ کاکوری پہونچ گئے۔ آپ خانہ بدوشی کی زندگی گذار کر ۱۲۷۵ھ کے اواخر میں نواب یوسف علی خاں کی طلبی میں رام پور پہونچے، جہاں سو روپیہ ماہوار پر مفتی عدالت کے عہدے پر مامور ہو گئے۔ دربار رام پور سے وابستگی کا زمانہ امیر مینائی کے عروج کا زمانہ ہے۔ نواب کلب علی کے انتقال نے امیر کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیا۔ بھوپال بھی گئے لیکن وہاں بھی مراد خواہ کامرانی نصیب نہ ہوئی۔ ۵ ستمبر ۱۹۰۰ء میں حیدر آباد پہونچے اور داغ کے مہمان ہوئے لیکن یہ سفر بھی راس نہ آیا۔ بالآخر ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو رات ۲ بجے انتقال فرما گئے۔ اور اسی دن درگاہ شاہ یوسف و شاہ شریف میں دفن کئے گئے۔

امیر مینائی کو اردو فارسی کی نظم و نثر پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ انھوں نے فارسی نثر میں آٹھ کتابیں، فارسی نظم میں ایک دیوان، نثر اردو میں امیر اللغات کے تین حصوں، مرثیہ سیلاد شریف سے متعلق کتاب "خیابان آفرینش" کو شامل کرتے ہوئے بارہ کتابیں اور نظم اردو میں بائیس کتابیں بطور یادگار چھوڑیں۔

امیر مینائی کو غزل، قصیدہ، واسوخت، مثنوی، مسدس، نعت، مناجات، نقبین، ترکیب بند، ترجیع بند، رباعی، قطعہ، سلام، سہرا اور تاریخ گوئی میں ملکہ حاصل تھا۔ انھوں نے نعت میں ایک مکمل مطبوعہ دیوان یادگار کے طور پر چھوڑا امیر کی نعت کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ کاکوری میں عارضی طور پر مقیم تھے۔ اور محسن کاکوروی کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل کر رہے تھے۔ ان کی پہلی نعتیہ کاوش غالباً ان کی وہ نقبین ہے جو انھوں نے ۱۲۷۵ھ میں محسن کے ایک قصیدے پر تکمیل کر دی ہے۔ رباعی حمد خواہ نعت کہا ہے نہ ان کے نہ دعا سے ہی ہوں

میں دے سکے۔ امیر نے اپنے نعتیہ دیوان کے منظوم دیباچہ میں خود ہی کیا ہے۔

وہ کیا نظم ہے جو نہ میں نے کہی — رباعی، قصیدہ، غزل، مثنوی
یہ آیا مرے دل میں اک دن خیال — کہ کب تک بہ اشعال خسران مال

چلی مسالہ عمر عزیزت گزشت — مزاج تو از حال فضلی نہ گشت
مناسب ہے فکر مضامین نعت — کہ تزئین ایماں ہے تیمن نعت
مگر اور فکروں سے فرصت نہ تھی — مصیبت سے حاصل فراغت نہ تھی
میں ایسی درجہ پہنچا جو ہے باب فیض — کھلے ہیں اس در پہ ابواب فیض
وہ کلب علی خاں بہادر کا در — جو سائے رئیسوں میں ہے نامور
یہ اس در سے حاصل سعادت ہوئی — سوئے نعت مائل طبیعت ہوئی
ہوئیں نظم غزلیں مخمس کہے — رباعی قصیدے مسدس کہے

امیر ۱۲۸۸ھ تک اتنی نعتیں کہہ چکے تھے کہ انھوں نے "محامد خاتم النبیین" کے تاریخی نام سے ایک دیوان مرتب کر دیا۔ جس کا پہلا ایڈیشن مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۲۸۶ھ میں امیر کی زندگی میں شائع ہوا۔ جبکہ تیسرا ایڈیشن مزید اضافہ کے ساتھ محبوب پریس حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۵ھ میں امیر کی وفات کے بعد طبع ہوا۔ میں اس تصحیح و اضافہ کے ساتھ دوسرا ایڈیشن "سیلاد شریف خیابان آفرینش" کے صیغہ کے طور پر۔

امیر نے اپنی نعتیہ غزلوں میں دونوں قسم کے مضامین نظم کئے ہیں۔ انھوں نے نعت نبوی میں وصفی انداز بیان بھی اپنایا ہے۔ اور ایسی نعتیہ غزلیں بھی کہی ہیں۔ جن میں ذات نبوی سے اپنی شیفتگی، عقیدت اور مخلص محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ بات ضرور ہے کہ ان کے دیوان میں ایسی تعداد میں زیادہ ہیں۔ جہاں وصفی پیرایۂ اظہار اپنایا گیا ہے۔ اور داخلیت سے معمور نعتیں نسبتاً کم ہیں۔ شاعر نے بارہا اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ کہ اس کے دیوان کی مقبولیت اوصاف نبی کے تبیین کے باعث ہے

بخشا ہے امیر آپ نے اوصاف کا رتبہ مقبول زمانے میں جو دیوان ہے ہمارا

اوصاف نبی کے وفور کی وجہ سے ان کی نعتیہ غزلوں میں مدّاحی کا عنصر نسبتاً کم ہے۔ اس لئے ان کی نعتیہ غزلیں قصیدہ سے زیادہ قریب ہو گئی ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بیاں کیا آپ نے شاہِ عرب کی شانِ شوکت کا فلک جس کے درِ دولت پہ نقارہ ہے نوبت کا

بالائے بہ سماں کہ سرِ لامکاں نہ تھا احمد کے حسنِ پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا

خلق سمجھی ہے جسے سایۂ ابرِ رحمت ہے وہ اک گوشۂ دامانِ رسولِ عربی

امیر نے اپنی نعتوں میں بانیٔ اسلام کے احوالِ زندگی، معجزات اور حکایات بھی نظم کئے ہیں۔ ولادت اور معراج سے متعلق کئی جاندار غزلیں "محامد خاتم النبیین" کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

امیر کی یہ نعتیہ غزلیں فضائل، محاسنِ نبوی کے تحت آتی ہیں۔ اس سلسلہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مژدہ اے امت کہ ختم المرسلیں پیدا ہوا انتخابِ صنعِ عالم آفریں پیدا ہوا

زہے رحمت کہ ختمِ انبیاء کی آمد آمد ہے حبیبِ خاصِ محبوبِ خدا کی آمد آمد ہے

کسی کے آنے کی فلک ہے خبر آج کی رات آنکھ سورج سے ملاتا ہے قمر آج کی رات

غل ہے معراج کی شب شاہِ امم آتے ہیں مالکِ بہر و مہ و سورج و قلم آتے ہیں

امیر نے نبی صلعم کے متعلقات و منسلکات کو بھی مواضیعِ نعت میں شامل کیا ہے۔ ان کی وہ غزلیں جن میں اہلبیت نبی، اصحاب نبی، روضہ انور اور مدینہ النبی شامل

کیا ہے۔ ان کی وہ غزلیں جن میں اہلبیت نبی۔

جب مدینہ کا مسافر کوئی پا جاتا ہوں حسرت آتی ہے پہنچا ہیں رہا جاتا ہوں
مدینہ جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

امیر کی والہانہ شاعری میں عاشقانہ، والہانہ پن اور مقتدانہ سپردگی کی کمی کا خاص سبب یہ ہے کہ انھوں نے نعت کو مدّاحی کے مترادف سمجھ کر شیفتگیٔ رسولؐ میں قلبی احوال و کوائف کی تبیین کے مقابلہ میں وصفی انداز بیان کو ترجیح دیا ہے یہی رنگ امیر کے زمانہ میں رائج تھا۔ لیکن ان کی وہ نعتیہ غزلیں جن میں نعت کے جذباتی پہلو کی طرف توجہ دی گئی ہے بہت مؤثر اور دلآویز ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

عشق میں مجھ کو تو سمجھاتے ہیں سب میرے دل کو کوئی سمجھاتا نہیں
المدد شوقِ مدینہ المدد تھک گیا ہوں اب چلا جاتا نہیں
چل دیئے ہوش و خرد صبر و قرار دھیان لیکن آپ کا جاتا نہیں

عشاق کی آنکھوں کو رلاتے ہو تمھیں تو یہ جام تمھارے ہی تو چھلکائے ہوئے ہیں
وصل اگر ممکن نہیں تو ہو وصال اب نہیں اٹھتی جدائی آپ کی

امیر کی بعض نعتیہ غزلیں بہت مترنم ہیں۔ اور غالباً یہ نعتیں میلاخوانی کی ضروریات و تقضیات کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہیں۔

چٹک کر کہتا ہے غنچہ گلوں سے بڑھ کر بہار تم پر
چہک رہی ہے چمن میں بلبل ہزار جانیں نثار تم پر

خلق کے سردار شافع محشر صلی علی علیہ وسلم مرسل داد خاص بے نظیر علی صلی اللہ علیہ وسلم

امیر مینائی کے دیوان میں کئی نعتیہ تضمین شامل ہیں۔ یہ تضمین حافظ، جامی صائب، سعدی پر لکھی گئی ہیں۔ امیر نے بائیس ۲۲ بندوں کی ایک تضمین ہندی دوہوں پر لکھی ہے، جس کا ایک بند ملاحظہ ہو۔

جو پوچھا دل نے آنکھوں سے کہ کیوں ہے رات دن زاری ✦ تو آنکھوں نے کہا دل سے بتا تو کیوں ہوا آزاری
رہا کچھ دیر دونوں کو سکوت آخر بنا چاری کہی آنکھوں نے دل سے دل نے آنکھوں سے بیت ساری

بنگر مدینہ دور ہے چین کہاں سے ہو گئے
درشن بن بیا کل رہوں چھن چھن آوے رو گئے

انھوں نے شیخ سعدی کی گلستاں میں شامل مشہور نعتیہ اشعار پر ایک دلکش تضمین کہی ہے جس کا آخری بند نمونہ کے طور پر حسب ذیل ہے۔

مس قلب امیر طلا کرد سیہ آئینہ کو جلا کرد دل و جان کو صرف ولا کرد
یہی نام منہ سے لیا کرد یہی ورد صبح و سا کرد جو زبان ہے سو ثنا کرد
کہ دلائے خاص خدا کرد بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
یہی منبروں پر پڑھا کرد حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

ان کی وہ تضمین جو عربی قصیدے پر ہے عربی زبان و ادب سے ان کی طبعی مناسبت کو ظاہر کرتی ہے۔ انھوں نے فارسی کی دو عاشقانہ غزلوں کو تضمین کر کے اچھی نعت کہی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

عرش سے بڑھ کے جو لی تھم رسل راہ راست رہے حیراں ملک بات ہے یہ بے کم و کاست
کہا جبریل نے عیسیٰ سے یہ حسب درخواست کس نہ دانست کہ منزل گہ مقصود کجاست

اس قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

امیر کی وہ تضمین جو انھوں نے مخمس کی شکل میں محسن کاکوروی کے قصیدہ پر لکھی ہے بہت مشہور ہے۔ اس تضمین میں کہیں پر بھی پیوند کاری کا احساس نہیں ہوتا۔ پورا مخمس تغزل سے معمور ہے۔ صرف ایک بند ملاحظہ ہو۔

یہ کس کو بے خطا مارا ہے اس نے تیر مژگاں سے کہ آیا جوش میں طوفاں نخلت آب و پیکاں سے
پریشانی عیاں ہے سر بسر زلف پریشاں سے الٰہی کس کے غم میں نکلے آنسو چشم فتاں سے
کہ عطر ختن میں ڈوبا ہے رومال اس سہی قد کا

امیر کے دیوان میں کئی نعتیہ ترجیع بند ملتے ہیں۔ ان کے ایک نعتیہ ترجیع بند میں

چار چار مصرعوں کے بعد ترجیع

ترجیع کا مصرع فارسی میں ہے۔ ان کے دیوان میں ایک دوسرا نعتیہ ترجیع بند ہے جس میں مثنوی کی شکل میں نو نو شعروں کے بعد ترجیع کا شعر فارسی ان کے دیوان میں کئی نعتیہ ترجیع بند محافل میلاد کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر لکھا ہے۔ ترجیع بندوں میں عام انداز مدحیہ ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک نعتیہ ترجیع بند سے اقتباس ملاحظہ ہو۔ جس کے ٹیپ کا شعر بہت مشہور ہے۔

اللہ کا محبوب ہے محبوب ہمارا جو حسن میں ہے حضرت یوسف سے بھی پیارا
قدسی بھی جو سر عرش کرتے ہیں نظارہ ہر ایک پہ ہر ایک سے کرتا ہے اشارہ
دل کو مرے تصویر کیا اک عربی نے کلی مدنی ہاشمی و نے

"محامد خاتم النبیین" کے تیسرے ایڈیشن میں چھ مناجاتیں شامل ہیں۔ امیر کی مناجاتیں دلی کی گہرائیوں سے نکلنے کی وجہ سے بہت پر اثر ہیں۔ امیر نے یہ مناجاتیں اس وقت لکھی ہیں۔ جب کہ وہ خود امراض میں گرفتار تھے۔ اور ان کے دلی کلب علی خاں پر امراض کی یورش ہو رہی تھی۔ ان مناجاتوں کا مقصد بارگاہ ایزدی میں اپنے عصیاں کا اعتراف کر کے عفو تقصیر کی التجا کرنا اور دنیا و آخرت کی بہتری کی درخواست کرنا ہے۔ تضرع، تخشع اور عاجزی و انکساری ان کی مناجاتوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ "محامد خاتم النبیین" کی مناجات دوم سے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

الٰہی میں ترا بندہ ہوں عاصی سراپا جرم عصیاں و معاصی
سنا ہے نام تیرا ہیں نے غفار سنا ہے نام تیرا میر نے ستار
رحیمی ختم تجھ پر ہے الٰہی کریمی ختم تجھ پر ہے الٰہی
کرم کر یا الٰہی یا الٰہی سفیدی سے بدل جائے سیاہی
الٰہی آدم و حوا کا صدقہ الٰہی احمد و زہرا کا صدقہ
جو میری مشکلیں ہوں سب ہی آساں نہ ہوں ہنگام سختی میں پریشاں

امیر نے رباعیاں کم لکھی ہیں۔ ان کی رباعیوں کا مضمون عاشقانہ اور نعتیہ ہے۔ کچھ رباعیاں مدح اور تہنیت میں ہیں۔ ان کی بعض رباعیاں موثر، دلاویز اور دلکش ہیں۔ ایک نعتیہ رباعی بطور نمونہ درج ہے۔

دل بزم محبت میں امیر اپنا ہے — عشاق میں کیا خوب نصیب اپنا ہے
سب عشق مجازی ہیں حقیقی ہے یہ عشق — اللہ کا محبوب حبیب اپنا ہے

امیر مینائی کے چار نعتیہ مسدس کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن کے نام "ذکر شاہ انبیاء" "صبح ازل" "شام ابد" اور "لیلۃ القدر" ہیں۔ ذکر شاہ انبیاء مسدس کا تاریخی نام ہے۔ جس کا سنہ تصنیف ۱۲۹۰ھ ہے یہ مسدس پہلی بار تاج المطابع رام پور میں ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوا۔ شاعر نے محامد خاتم النبیین کے ایک ترجیع بند میں اس مسدس کو نظم کرنے کا یوں وعدہ کیا تھا۔

مولا تو آگے ہو گا یہ ترجیع بند ہے

امیر نے اس مسدس کو بڑی عجلت میں نظم کیا تھا۔[1] یہ مسدس چار حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ پیغمبر اسلام کی ولادت
۲۔ بانی اسلام کی رضاعت
۳۔ معراج شریف اور حلیہ شریف اور
۴۔ بیان وفات

یہ مسدس کافی طویل ہے۔ اس میں کل تین سو سینتیس بند ہیں۔

"صبح ازل" امیر مینائی کا دوسرا مسدس ہے۔ جو ۱۲۹۲ھ میں تاج المطابع رام پور میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہوا۔ امیر مینائی کے ۶۶ بندوں کے اس مسدس کو ربیع الاول ۱۲۹۲ھ میں تخلیق کیا تھا۔

---

[1] ۔ ذکر شاہ انبیاء خاتمۃ الطبع صفحہ ۸۸

"شام ابد" باسٹھ ۶۲ بندوں کا مسدس ہے۔ جہانی اسلام کی وفات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ یہ مسدس بھی تاج المطابع رام پور سے ربیع الآخر ۱۲۹۳ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ مسدس ربیع الاول ۱۲۹۴ھ میں لکھا گیا تھا۔ "مسدس لیلۃ القدر" واقعہ معراج کے بیان میں ہے۔ جو ۱۲۹۶ھ میں تاج المطابع رام پور سے شائع ہوا تھا۔ اس میں ۱۰۸ بند ہیں۔ اور آخر میں ایک مناجات بھی ہے۔

آخر الذکر تینوں مسدس ایک ہی جلد میں مجموعہ کے نام سے ۱۳۱۲ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے طبع ہو کر شائع ہو چکے ہیں۔

امیر کے مطبوعہ دو دواوین "محامد خاتم النبیین" اور "مراۃ الغیب" میں بارہ قصائد ہیں۔ لیکن ان کے سات مکمل اور تو نا مکمل قصائد اور دریافت ہوئے ہیں انھوں نے ان کے علاوہ کچھ اور بھی قصائد لکھے تھے جواب نہیں ملتے۔[1]

امیر مینائی نے پانچ مذہبی قصائد لکھے ہیں۔ جن میں صرف تین قصیدے نعتیہ ہیں، چوتھا قصیدہ حضرت علی کی منقبت میں اور پانچواں قصیدہ حضرت امام حسین کی شہادت کے بیان میں ہے۔ امیر مینائی نے قصائد کی تشبیب کے باب میں کسی جدت کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اپنی تشبیب میں شکایت زمانہ، تغزل، شباب و بہار کا تذکرہ کیا ہے۔ اور کبھی صرف مدح پر اکتفا کی ہے۔ شہیدی کے قصیدے پر لکھے گئے نعتیہ قصیدہ میں خضر سے مخاطب کے ذریعہ تشبیب کے فرائض انجام دیئے گئے ہیں۔ مدح کے باب میں بھی امیر کے یہاں کوئی جدت نہیں ہے۔ انداز بیان وصفی ہے فیوض و برکات، معجزات و کرامات، شان و شوکت، جاہ و جلال، جود و سخا، شجاعت و بہادری، عدل و انصاف، فراست و دانائی، خلق و مروت کے جو مضامین قصائد میں اسلاف استعمال کرتے چلے آرہے تھے۔ امیر نے اپنے نعتیہ قصیدوں میں وہی مضامین نظم کئے ہیں۔ ان کے بعض قصائد کی مدح اصلیت و واقعیت سے معمور ہے۔ نعتیہ

---

[1] ۔ اردو میں قصیدہ نگاری : ڈاکٹر ابو محمد سحر صفحہ ۲۰۴

قصائد کے مدحیہ اشعار میں مذہبی روایات و معتقدات کا گہرا اثر ہے۔ لیکن امیر مینائی نے شاعرانہ تخیل آفرینی سے کام لے کر ان محاسن و محامد کی تبیین کی ہے، جو ممدوح کی ذات و الاصفات سے منسلک تھے۔ امیر نے کہیں کہیں نعتیہ مدح میں اپنے بیان کو گہری سفویت سے آراستہ کیا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک نعتیہ قصیدے سے وہ اقتباس ملاحظہ ہو، جہاں امیر نے معراج کے ذکر میں بزم خداوندی کا نقشہ کھینچا ہے۔

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور — عود بے مجمرہ و نغمہ بے پردہ ساز
ہم بغل شانہ سر زلف رسا لے لیکن — نہ کوئی زلف مسلسل نہ کوئی دست دراز

امیر کے نعتیہ قصائد میں عرض حال یا عرض مطلب کے اشعار اس نقطۂ نظر سے وضیع اہمیت کے حامل ہیں۔ کہ یہ اشعار شاعر کے موزوں کے مظہر اور اس کے مذہبی خلوص و مخلص عقیدتمندی کے آئینہ دار ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک نعتیہ قصیدے کے عرض مطلب کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

ایک مدت سے ہوس ہے کہ زیارت ہو نصیب — سرمۂ دیدۂ مشتاق کروں خاک حجاز
اب ذرا درد جدائی کی نہیں تاب مجھے — آتش شوق مرے سینے میں ہے صبر گداز
بیٹھتا ہوں سر رہ روز اسی امید پہ میں — کہ کوئی قافلہ جاتا ہو اگر سوئے حجاز
میں بھی ہمراہ چلوں اس کے بصد شوق و ادب — سر سے آنکھوں سے کروں قطع رہ عجز و نیاز

انداز بیان کے اعتبار سے لب و لہجہ کی متانت و شوکت، الفاظ و تراکیب کی بلند آہنگی، جوش و حرارت کی بیقراری، علوم و فنون کی مصطلحات کا ازدحام، صنائع و بدائع اور تشبیہات و استعارات کا رکن استعمال، مشاہدہ اور تخیل کی کارفرمائی، تسلسل روانی اور شگفتگی و صفائی امیر کے نعتیہ قصیدوں کے امتیازی اوصاف ہیں۔ امیر کو الفاظ و تراکیب اور اسالیب بیان پر کافی دسترس حاصل ہے۔ ان کی بعض ترکیبیں جدت اور معنویت کے لحاظ سے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ امیر نے حسب ضرورت ہندی الفاظ و تراکیب کا استعمال بڑے سلیقہ سے کیا ہے۔ انھوں نے اپنے قصائد

امیر کا پہلا نعتیہ قصیدہ شہیدی کے اس مشہور قصیدے کی تقلید میں ہے۔ جس کا مطلع حسب ذیل ہے۔

رقم سپید اکیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا
سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا

امیر مینائی کے نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

تفکر امتیاز جان و جاناں میں کیا حد کا — عروض ابتک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا

شاعر نے اس نعتیہ قصیدہ کی تمہید میں مضامین حمد شامل کئے ہیں۔ تمہید میں صفائی قلب اور دولت دنیا سے بیزاری کے مضامین کے بعد پندرہ اشعار کی ایک غزل شامل کی گئی ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

خدا جانے کب آئے گا ہو جس میں اسمی قد کا — بجا رکھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمد آمد کا

نعتیہ قصیدہ میں مشمول یہ غزل خالص لکھنوی رنگ میں ہے۔ جس میں صنائع لفظیہ بالخصوص صنعت مراعاۃ النظیر کی بھرمار ہے۔ دو ایک شعر ملاحظہ ہوں۔

خیال آبرو کہتے ہیں ناحق عاشق ابرو — الف ہر چند ہے اس لفظ میں لیکن ہے بے مد کا
سیاہی سے یقیں ہے پنجۂ مژگان شپر کا — جو شانہ ہو کا پنجہ ہو اس زلف عنبر کا

غزل کے مضمون ہی سے گریز کا مضمون اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ شاعر غزل کے بعد کہتا ہے۔

مگر تو صیف رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل — وظیفہ تھا جو ان بیتوں میں ہو تا واحد صمد کا

اس کے بعد مطلع ثانی:

الف آدم میں ہے ممدود احمد میں ہے بے مد کا
سبب یہ ہے کہ واں سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا

کے ذریعہ دوبارہ تمہید شروع کی گئی ہے۔ لیکن اس تمہید میں حسن تعلیل کے سہارے بانی اسلام کے پاک نام کے شمائل و برکات وغیرہ نظم کئے گئے ہیں

کہیں کہیں شاعر جادۂ اعتدال سے بہک گیا ہے۔

رہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس آئے — رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا

شاعر نے شہیدی کے اس آئین جدید میں موجد ہونے کے اعتراف کے بعد اصل نعت شروع کر دی ہے۔ شاعر نے اس سلسلے کے پہلے شعر میں حضور صلعم کے تقدم و تاخر کے مضمون کو ایک ہی شعر میں جمع کرتے ہوئے کہا ہے۔

ظہور آخر ہے اول انبیاء سے نور احمد کا — بجا ہے گر لقب ہو اوّل و آخر محمدؐ کا

اصل نعت کے مضمون میں معجزات نبویہ کا بیان ہے۔ اور اس عقیدہ کا اظہار ہے کہ مختلف انبیائے عظام کے مصائب بانی اسلام کی وجہ سے دور ہوئے شاعر نے بانی اسلام کے قد کے سایہ نہ ہونے کے مختلف وجوہ و اسباب بتلائے ہیں۔ شاعر نے ایک شعر میں احد اور احمد کو لاثانی ہونے میں جمع کر کے دلکش لطف پیدا کیا ہے۔

دوئی کیسی کہاں ثانی کہ یہ دونوں ہیں لاثانی — خدا کا دوسرا کوئی نہ سایہ آپ کے قد کا

سایہ نہ ہونے کی وجوہ کی بابت درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔

وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے ظلّ خدا حضرت — جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدّد کا

تھکا جب ڈھونڈ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا — کہ ہے رخت سیاہ کعبہ سایہ آپ کے قد کا

کیا یہ پانی پانی گیسوئے مشکیں کی نخلت نے — سما کر خاک میں پوشیدہ سایہ ہو گیا قد کا

گماں ہوتا ہے حیرت سے وہی اترا عبا ہو کر — اٹھا رکھا تھا جو اللہ نے سایہ محمدؐ کا

شاعر نے سدّ ذی القرنین کی تلمیح لفظ کے سہارے محمدؐ کے تحلیل و تجزیہ سے اچھے نتیجہ مضامین نکالے ہیں۔ ایک شعر میں اس نے میم مشدد کو مدنظر رکھ کر جمع امکان و قدم کا بدیع مضمون پیدا کیا ہے۔ متعلقہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

بلاؤں سے بچے جو نام لے دل سے محمدؐ کا — اثر میم مشدد میں ہے ذوالقرنین کی سد کا

بلاؤں سے اماں خلقت نے نام پاک سے پائی — ہے اب رہتا نہ رہتا ایک ذوالقرنین کی سد کا

ہوئے ہیں جمع امکان و قدم ذات مقدس میں — محمد میں یہی مطلب تو ہے میم مشدّد کا

شاعر نے اس نعت میں شاعرانہ توجیہات کے سہارے اپنے تخیل کی بلندی اور عقیدتمندی کے خلوص بہم پہونچائے ہیں۔ معجزۂ شق القمر کے سلسلے میں حسن تعلیل کا استعمال ملاحظہ ہو۔

قمر کو کس طرح کرتی نہ وہ انگشت دو ٹکڑے — انہی دو نقطۂ زیریں کا طالب نقطۂ بعد کا

درج ذیل شعر میں لفظی و معنوی رعایت کی دلکشی و لطافت ملاحظہ ہو۔

شکاف معجزۂ شق القمر میں کچھ جو شک لائے — کرے دوارہ تشدید سر کاف مشدد کا

صنائع بدائع کے استعمال سے پورا قصیدہ مخمور ہے۔ شاعر نے احد و احمد کے مضمون کو نظم کرتے ہوئے بڑی ہوشمندی کے ساتھ دیوانگی کا سہارا لے کر اپنے کو جادۂ اعتدال میں گمراہی سے بچا لیا ہے۔ مضمون کی جدت، صنعت قول بالموجب کی بیساختگی، اسلوب اظہار کی بداعت فقہی فتوے کی نزاکت اور شرعی مسئلہ کی تذکیر نے شعر کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو۔

خدایا تو ہے منصف میں احد سمجھا جو احمد کو — کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا

قصیدے کا اختتام بہت عقیدتمندانہ ہے یہ اشعار دل کی گہرائیوں سے نکلے ہیں اسلئے بہت دلپذیر اور دلاویز ہیں:-

کبھی موں شوق سے در و دیوار کے بوسے — لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی اس خاک مرقد کا

عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر — نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسہ ہے حد کا

نسیم لطف کا جھونکا الٰہی کوئی چل جائے — شگفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

ثقیل الفاظ اور مغلق تراکیب نے قصیدہ کو عام قاری کی دسترس سے باہر کر دیا ہے۔

امیر مینائی کے دوسرے قصیدے کی تشبیب حضرت خضر کی ملاقات سے شروع ہوتی ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو۔

لے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تگ و تاز — وقت پر آ گئے تم، عمر تمہاری ہو دراز

شاعر نے تشبیب میں حضرت خضر سے مخاطب کیا ہے۔ جنھوں نے شاعر کے

طیبہ جانے کے عزم کو معلوم کر کے شاعر کی ہمت افزائی کی ہے۔ اس کے بعد حضور صلعم کے روضۂ انور کا نعتیہ بیان ہے، جس کے بعد عرش کی بزم سجا کر مضمون معراج نظم کیا گیا ہے۔ مضامین معراج کے ضمن کا ایک شعر بہت لطیف اور ڈرامائی عناصر سے معمور ہے۔

وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز

اس کے بعد اصل نعت کے مضامین شروع ہوتے ہیں۔ یہاں امیر مینائی کا انداز وہی ہے، جو سابقہ نعت میں دکھلایا گیا ہے۔ بیان معجزات میں بھی وہی تکرار ہے۔ یعنی مرسلین سابقہ کی مشکلات کا آپ کی وجہ سے دور ہونا۔ وغیرہ۔ صرف دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

نام حضرت کا لیا مشکل یعقوب کھلی ہجر فرزند تھا ہر چند بہت صبر گداز
یاد مولا میں نہ معلوم ہوا صدمہ درد گو کہ تھی مدت بیماری ایوب دراز

شاعر نے مدینہ طیبہ کی زیارت کے اشتیاق میں صنعت مبالغہ کا استعمال کرتے ہوئے وفور شوق میں قصیدہ کے مثل کبوتر پرواز کرنے کا مضمون باندھا ہے۔ شاعر نے لفظ "کیا عجب" کے ذریعہ مبالغہ کو مقبولہ بنا دیا ہے۔ کیا عجب ہے یہ قصیدہ جو پہونچ جائے وہاں
شوق میں آ کے کرے کبوتر پرواز

امیر مینائی کا تیسرا نعتیہ قصیدہ جس کا مصرع مطلع ہے۔

لاتی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول دکھلا رہے ہیں باغ جناں کی بہار پھول

ان کے نعتیہ قصائد میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ شاعر نے پھول کی رعایت سے بہت سے لطیف و دلکش مضامین نکالے ہیں۔ گریز میں بہت برجستگی اور بے ساختگی ہے۔

جتنے درخت ہیں وہ جمائے ہوئے ہیں صف باندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول
پوچھی جو وجہ میں نے تو کہنے لگی نسیم اس کا ہے انتظار میں جس پر نثار پھول

وہ لالہ رو کہ جس سے زمانہ کی ہے بہار جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول

مدح میں انداز بیان خالص وصفی ہے لیکن پھول کی زمین کی وجہ سے نعتیہ مضامین میں جدت و بداعت آگئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک سنبل فدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول
اللہ کیا دہن ہے کہ باتیں ہیں معجزہ ہوتے ہیں ایک غنچہ سے پیدا ہزار پھول
وہ چہرہ وہ دہن کہ فدا جن پہ کیجئے ستر ہزار غنچہ بہتر ہزار پھول

اس نعتیہ قصیدہ کا خاتمہ بھی بہت دلکش لطیف اور برجستہ ہے۔ محاورے ایضاح مطالب میں مدد کرتے ہیں۔ اور تلمیحات ایجاز میں جان ڈالتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ شاعر نے اسی ضمن میں معجزات نظم کئے ہیں۔ دعائیہ شعر بھی با محاورہ برجستہ اور لطیف ہے۔

اولیٰ یہ معجزہ تھا کہ ایک چوب خشک میں پتے لگے ہزار پھل آئے ہزار پھول
اللہ رے رعب کچھ نہ ابوجہل کی چلی کافر کے ہاتھ پاؤں گئے مشک وار پھول
ہے دشمنوں کے حق میں چمن زار خار خار کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں مانند خار پھول
رنگ بہاراں کو جلائے ہر رنگ تار تاثیر میں ہوں اختر دنبالہ دار پھول

غنچہ کی طرح آپ کے دشمن گرفتہ دل خنداں ہوں دوست جیسے کہ روز بہار پھول

امیر نے حسب ذیل مثنویاں تخلیق کیں، جن میں اوّل الذکر دو ان کی حیات میں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ نور تجلی
۲۔ ابر کرم
۳۔ مثنوی کبوتر نامہ
۴۔ مثنوی در بیان جشن مسند نشینی نواب کلب علی خاں
۵۔ کارنامۂ عشرت

۶۔ مثنوی عاشقانہ

۷۔ حکایت اویس قرنی

۸۔ قصہ یہودی

رسمی نعت جزو مثنوی کی حیثیت سے ہر مثنوی میں موجود ہے۔ لیکن جہاں تک نعتیہ مضامین کو مطمح نظر بنانے کا سوال ہے ان کی تین مثنویاں نعتیہ مثنوی کے زمرے میں آتی ہیں۔ اور وہ مثنویاں "نور تجلی" "حکایت اویس قرنی" اور "قصہ یہودی" ہیں۔

مثنوی نور تجلی میں چار سو تہتر ابیات ہیں۔ یہ مثنوی نور نامہ کے طرز پر بانیٔ اسلام کی ولادت باسعادت اور آپ کے فضائل و معجزات کے بیان پر مشتمل ہے۔ جو پہلی بار تاج المطابع رام پور سے ۱۲۹۲ھ میں شائع ہوئی۔ امیر مینائی اس مثنوی کے سبب تالیف کے تحت، مثنوی کی شانِ نزول کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں۔

کہا مجھ سے سب نے کہ اے نیک خو — کرے نور نامے کو موزوں جو تو
تو مشتاقوں پر ہو یہ منت عظیم — کہ ہے نور نامہ جو موزوں قدیم
زباں اس کی اگلی ہے بندش ہے سست — کہے گا جو تو شعر ہوں گے وہ چست

امیر کے حسب ذیل ابیات مثنوی نور تجلی کے خام مواد پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بہر کیف اک نور نامہ لیا — نظر اس کے شعروں پہ کی جا بجا
یہی دیکھ کر اس کو آیا خیال — کہ موزوں احادیث سے ہو یہ حال
کہاں پر حدیثوں میں بسط کلام — کہ ہو مثنوی اس سے موزوں تمام
سیر اور تواریخ پر کی نظر — تو دیکھا کہ ہیں مختلف ہمدگر
کوئی تا گریباں سے کچھ انتخاب — پھر اس کو کیا نظم بہر قواب
احادیث سے اور بھی بحر سے — بہت معتبر جن کے موزوں کیے

اس مثنوی میں سب سے پہلے بانیٔ اسلام کی ولادت کے سلسلے میں تین روایتیں نظم کی گئی ہیں۔ اور اس کے بعد حسب ذیل بارہ معجزات بیان کیے گئے ہیں۔

۱۔ معجزہ درستی استخوان شکستہ۔
۲۔ معجزہ برکت دست مبارک۔
۳۔ معجزہ برکت دست شریف۔
۴۔ معجزہ بینائی چشم نابینا۔
۵۔ معجزہ شفائے مرض چشم۔
۶۔ معجزہ درستی چشم مجروح۔
۷۔ معجزہ شفائے درد۔
۸۔ معجزہ شفائے گنگ۔
۹۔ معجزہ شفائے مجنوں۔
۱۰۔ معجزہ زندہ شدن مردہ۔
۱۱۔ معجزہ گواہی دادن مردہ
۱۲۔ معجزہ برکت دعائے حضرت۔

تیرھواں بیان بانیٔ اسلام کی اصابت رائے کے ذکر خیر پر مشتمل ہے۔ نمونہ کے طور پر معجزہ شفائے مجنوں کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

روایت ہے یہ ابن عباس سے — حکایت ہے یہ ابن عباس سے
کہ اک عورت آئی حضور رسول — بہت غم رسیدہ نہایت ملول
کہ فرزند تھا مبتلائے جنوں — سوار اس کے سر پر بلائے جنوں
دھرا آپ نے اس کے سینہ پہ ہاتھ — تو تے آ گئی ہاتھ دھرنے کے ساتھ
عجب پیٹ سے نکلی کالی بلا — نہ تھی تے خدا نے نکالی بلا
یہ کہتا ہے راوی کہ بے اشتباہ — بلا تھی وہ کتے کا پلا سیاہ

نکلتے ہیں اس کے وہ اچھا ہوا بلائل گئی مردہ زندہ ہوا

مثنوی حکایت اویس قرنی میں پیغمبر اسلام سے حضرت اویس قرنی کے نادیدہ عشق کا قصہ نظم کیا گیا ہے۔ اس مثنوی میں ایک سو اکتالیس ابیات ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ خاتمہ کی عبارت بتلاتی ہے کہ یہ نسخہ سنہ ۱۳۰۸ھ مطابق سنہ ۱۸۹۱ء میں لکھنؤ میں لکھا گیا۔[1] حضرت اویس قرنی کو بانیٔ اسلام سے والہانہ شیفتگی تھی جس کا علم بانیٔ اسلام کو بھی تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے وصیت کی تھی۔ کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کا پیرہن مبارک حضرت اویس قرنی کو پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ بانیٔ اسلام کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے وصیت کے مطابق حضرت اویس قرنی کو پیرہن مبارک پہونچا دیا۔ حضرت اویس قرنی نے خدائے عزوجل سے پیرہن مبارک کے تار سے دو چند استی بخش دینے کا وعدہ لے کر پیرہن مبارک کو عالم جنون و دیوانگی میں زیب تن کیا۔ مثنوی کی بحر بہت مترنم ہے۔ نمونہ کے طور پر چند ابیات درج ذیل ہیں۔

یار و سنتے ہوں گے فسانے بہت عشق نے تاکے ہیں نشانے بہت

گوش توجہ سے سنو تم ذرا عشق محمد کا ہے یہ ماجرا
عشق رسولِ مدنی کا ہے حال حضرت اویس قرنی کا ہے حال

طالب نادیدۂ روئے نگار دیکھنے والوں سے سوا بیقرار
دور تھا ہر چند وہ مست نیاز پر نگہ شوق تھی نظارہ باز
دونوں چلے واں سے یمن کی طرف جیسے صبا جائے چمن کی طرف

---

[1] مخطوطہ ۹۲۰ بحوالہ مطالعہ امیر: ڈاکٹر ابو محمد سحر صفحہ ۳۰۸

قصہ یہودی میں کل ایک سو ستر[۱۷۰] ابیات ہیں۔ اس کا قلمی نسخہ انجمن ترقی اردو علی گڈھ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔[1] قصہ اویس قرنی اور قصہ یہودی دونوں ہی محمد بشیر الدین وکیل کی مہر ہے۔ اس مثنوی میں ایک یہودی کا قصہ نظم کیا گیا ہے۔ جو پہلے بانیٔ اسلام سے عداوت رکھتا تھا۔ لیکن بعد میں الطاف خداوندی سے شیدائے رسول بن گیا۔ پیغمبر اسلام کی زیارت کو گھر سے نکلا اور جب مدینہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ تین دن قبل آپ کا وصال ہو چکا ہے۔ اس مثنوی میں وصفی انداز بیان سے زیادہ داخلی جذبات کی ترجمانی ہے۔ جس نے مثنوی کی دلاویزی اور اثر آفرینی میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہودی کے والہانہ عشق نبی اور پیغمبر اسلام کی زیارت کیلئے اس کی دفور شیفتگی کو دیکھ کر حضرت علی فرماتے ہیں:

کون ہے تو کہاں سے آیا ہے کیوں ہمارا قلق بڑھایا ہے
ہائے حضرت کو ہم کہاں پائیں کہ تجھے وہ جمال دکھلائیں
ہم سب ان کے الم کے مارے ہیں ہجر کے کشتۂ غم کے مارے ہیں

حضرت علی کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سن کر یہودی بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آنے پر رنج و ملال، حسرت و تاسف کے ساتھ اصحاب رسولؐ سے ملبوسات نبی لانے کی التجا کی۔ چنانچہ حضرت سلمانؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ سے ملبوسات نبیؐ لینے گئے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ کا گھر عزاخانہ بنا ہوا ہے۔ شاعر کے لفظوں میں:

واں جو پہونچے تو شور تھا برپا آ رہی تھی صدائے آہ و بکا
رو رہے تھے تمام سبط رسولؐ تھے حسین و حسن بھی زار و ملول

بالآخر حضرت سلمانؓ ملبوسات نبی لے کر واپس آتے ہیں۔ یہودی انھیں

---

[1] مخطوطہ ۹۰۲ قدیم یہودی صفحہ ۱۶ بحوالہ مطالعہ امیر: ڈاکٹر ابو محمد سحر صفحہ ۳۰۸

پہن کر وصل محبوب کی دعا مانگتا ہے۔ اور جہان بحق تسلیم ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے اختتام پر امیر نے بارگاہِ ایزدی سے اسی ذوق و شوق سے بہرہ ور ہونے کی دعا مانگی ہے۔

یا الٰہی مجھے بھی دے یہ شوق　　میرے مولا مجھے بھی دے یہ ذوق

مجموعی طور پر امیر مینائی کی یہ مثنویاں زبان و بیان کی خوبیوں سے مالا مال ہیں۔ مذہبی جوش کے وفور میں شاعر نے صحیح اور موضوع روایات کے درمیان امتیاز نہیں کیا۔ اور بہت سی موضوع روایات نظم کر دی ہیں۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے درست لکھا ہے کہ:

"مذہبی اعتبار سے بھی ان مثنویوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے حد درجہ کی عقیدہ پرستی اور ارادت مندی درکار ہے۔ امیر مینائی نہ صرف بڑے مذہبی آدمی تھے بلکہ انھوں نے پیری مریدی اور کشف و کرامات کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ اور خود بھی اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اکثر مذہبی نظموں میں معقولات کے بجائے منقولات سے سروکار رکھا ہے۔ اور معجزات و کرامات کے بیان پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ بعض ضعیف روایتیں بھی بلا تامل نظم کر دی ہیں۔"[1]

بہت سی موضوع روایات نظم ہو جانے کا احساس امیر کو خود بھی تھا۔ انھوں نے اس قصور کا اعتراف کر کے ایک مقام پر لکھا ہے کہ:

"اور جو روایات نامعتبرہ ان مولفات میں موزوں ہو گئے ہوں۔ ان سب سے میں توبہ کرتا ہوں

---

[1] ۔ مطالعہ امیر: ڈاکٹر ابو محمد سحر　صفحہ ۳۰۹

اللہ تعالیٰ میری اس توبہ کو قبول فرمائے۔"[1]

صاحب شعر الہند نے نعت گو شعراء کے جن چار مشترک نقائص کا تذکرہ کیا ہے یعنی بانیٔ اسلام کے لئے عاشقانہ الفاظ کا استعمال، معنی سے زیادہ الفاظ پر زور، موضوع روایات اور فرضی معجزات کو نظم کرنا اور شاعرانہ مبالغہ طرازیوں سے صحیح واقعات اور مستند روایات کی صورت بدل دینا، وہ سبھی امیر مینائی کی نعتیہ شاعری میں موجود ہیں۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پر بڑی طور پر صحیح ہے کہ ان نقائص کے باوجود یہ نعتیہ کاوشات بہت سے شاعرانہ محاسن کی حامل ہیں۔ بالخصوص ان کاوشات کی زبان و بیان کی خوبیاں فراموش نہیں کی جا سکتیں۔

---

[1] ۔ دیباچہ نعتیہ دیوان۔ بحوالہ شعر الہند۔ حصہ دوم صفحہ ۲۱۶۔

محسن کاکوروی

مولوی محسن کاکوروی نے ضلع لکھنؤ کے مردم خیز خطّہ کاکوری میں زندگی کی پہلی سانس لی۔ آپ کا نام محمد محسن اور تخلص محسن ہے۔ آپ کے والد مولوی حسن بخش اور دادا حضرت شاہ حسین محمد علوی شہید تھے۔ آپ کے اجداد حجاز کی مقدس زمین کو چھوڑ کر کچھ زمانے تک بغداد و خراسان رہے — قرب و جوار میں رہے اور بالآخر ہندوستان وارد ہو کر یہیں متوطن ہو گئے۔ قاری محمد صدیق (المعروف بہ ابو محمد خانی) اس خانوادے کے وہ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے سکندر لودی یا ابراہیم لودی کے عہد میں ہندوستان آ کر قصبہ کاکوری ضلع لکھنؤ میں رہائش اختیار کی۔ اسی قصبہ میں حضرت حسّان الہند محسن ۱۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے[1] آپ نے ۱۸ صفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۲۶ء کو بمقام مین پوری انتقال فرمایا۔ منشی زین العابدین فرحاد نے آیہ کریمہ "انا کنا فی اھلنا خائفین" سے تاریخ وفات کا استخراج کیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے دادا سے حاصل کی۔ جو کہ ایک فاضل اجل عبد صوفی اور پاک باطن بزرگ تھے۔ علوی شہید اپنے سعادتمند پوتے پر بہت شفیق تھے۔ اور انھیں اپنی چارپائی

---

[1] ۔ تاریخ مثنویات اردو ۔ صفحہ ۱۹۶ ۔ مولفہ مولوی حافظ جلال الدین احمد جعفری ۔ انوار احمدی پریس الہ آباد ۔ جعفری برادرس مالک انوار احمدی پریس الہ آباد۔

پر پاس میں سلاتے تھے۔ دادا ہی کے پہلو میں آپ عمر کی نویں برس خواب میں شفیع امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت عظمیٰ سے مشرف ہوئے اور اسی زمانے میں آپ نے اس ماجرہ کو اپنی بیاض میں اس طرح ثبت کیا۔

"شبے کہ صبح آں روز جمعہ تاریخ نہم ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ

بود لبعد نہ سال و چند ماہ در کنار جد امجد بزرگوار خود بمقام اٹاوہ کہ بصحرائے ہمراہ جدّ بزرگوار خود دست گرفتہ بطرفی ہی روم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ و اصحابہ ۔ وسلم تشریف ہی آرند، بدست مبارک ایشاں تسبیحے است کہ دانہ ہائے سیاہ کلاں دارد پس دست من و جدّ بزرگوار من گرفتہ بمکان پر نور و با صفا بردند و رو بقبلہ نشانیدہ اوّل جدّ بزرگوار المرید کردند بعد ازاں مرا بمریدی گرفتند زاں بعد بیدار شدم و خود را در کنار جدّ امجد خود یافتم و شکریۂ ایں بشارت ادا کردم"[1]

آپ اس واقعہ سے دو سال پیشتر حضرت یوسف کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے۔ جنھوں نے خواب میں موصوف کو اپنے دہن مبارک سے مصری کی ڈلی لیکر کھلائی تھی۔ آپ دادا کی شہادت کے بعد اپنے والد کے پاس اٹاوہ سے کاکوری آ گئے۔ اور یہیں بقیہ تحصیل علم اپنے والد اور مولوی عبدالرحیم سے کی۔ محسن نے اپنا ابتدائی کلام اپنے خالہ زاد ماموں مولوی ہادی علی اشک کو دکھایا جو کہ اپنے

---

[1] ۔ نور اللغات آفس کاکوری از طاہر حسن علوی فروغ اردو لکھنؤ۔
محسن نمبر صفحہ ۱۱۸ بماہ جون اپریل مئی ۱۹۷۰ء محمد محسن کاکوروی منفرد نعت گو از ڈاکٹر مشتاق احمد علی سندیلوی صفحہ ۱۱۲ فروغ اردو لکھنؤ
محسن نمبر و کلیات نعت۔ مرتبہ محمد نور الحق صفحہ ۹۔

زمانہ کے بڑے ثقہ عالم باعمل، پرہیز گار اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ موصوف نے ان کے انتقال کے بعد کسی سے اصلاح نہیں لی۔ آپ نے چند دنوں میں پوری میں نظامت کے عہدے پر کام کیا۔ اور وہیں اکثر احباب اور بعض حکام کی تحریک سے وکالت ہائی کورٹ کا امتحان پاس کر کے آگرہ میں سکونت اختیار کی[1] کیونکہ اس زمانے میں صدر دیوانی عدالت وہیں تھی۔ آپ ۱۸۵۷ء تک وہیں مقیم رہے انقلاب ۱۸۵۷ء کے مشتعل شعلے آگرہ پہونچ گئے اور آپ وہاں بھی اطمینان و سکون اور عزت و آبرو کو خطرے میں محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ آپ بیوی بچوں کو لے کر وطن مالوف کاکوری چلے گئے۔ پہلی جنگ آزادی کے شعلوں کے بجھ جانے پر آپ پھر پوری چلے آئے اور یہیں مستقل طور پر مقیم ہو کر وکالت کرنے لگے۔ کچھ ہی دنوں میں موصوف کی دیانت داری، سچائی، صفائی معاملہ، نازک خیالی اور عالی دماغی کی دھوم مچ گئی۔ حکام موصوف کو ان کے ان اوصاف کی بنا پر خاص عزت و وقعت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ آپ نے وکالت کے پیشہ میں لاکھوں کمایا۔ لیکن آپ اسے خیرات میں غربا و مساکین پر صرف کر کے ایک روحانی کیف محسوس کرتے۔ اور شاہی میں فقیری کے مزے لوٹتے رہے۔ انتقال سے بارہ چودہ برس پیشتر، جیسا کہ مشہور ہے کسی موکل نے ان پر جادو کر دیا تھا۔ جس سے ان کی حلق سے پوری آواز نکلنا بند ہو گئی تھی۔ اور ان کو پیشہ وکالت چھوڑنا پڑا تھا۔[2]

شاعر کی شخصیت اور اس کی تخلیقات پر اس کے عہد، ماحول، اور ورثہ کا زبردست اثر پڑتا ہے۔ انھیں کے زیر سایہ اس کی جبلی اور اکتسابی صلاحیتیں

---

[1] ۔ گل رعنا ۔ حکیم عبدالحئی ۔ صفحہ ۴۵۵ مطبع معارف اعظم گڈھ چہارم ۱۳۷۰ھ

[2] ۔ محسن کاکوروی ۔ از غلام احمد فرقت کاکوروی ۔ صفحہ ۱۷۳ فروغ اردو لکھنؤ محسن نمبر

نشو نما پاتی ہیں۔ اور انھیں کے زیر اثر اس کی فکر و نظر میں وسعت اور تخیل میں رفعت پیدا ہوتی ہے۔ شاعر کے جذبات و احساسات عہد کی حرکات سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ محسن کاکوروی کی شاعری اور ان کے فن پر خامہ فرسائی سے پیشتر ان کے اسلاف کے فضل و کمال اور ان کے عہد کی حالات و رجحانات پر طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔ محسن کاکوروی کا خاندان علم و فضل اور کمال دنیوی و دینی کا سرچشمہ رہا ہے۔ اس خانوادے میں ایک بزرگ قاری عبدالمجید گزرے ہیں۔ جو آستانۂ رسول صلعم کی دربانی کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔ اسی خاندان میں حضرت مخدوم نظام الدین قاری جامع علوم ظاہر و باطن ہوئے ہیں۔ جن کو صاحب تذکرۃ الاصفیاء نے "امام اعظم ثانی" کے لقب سے ملقب کیا ہے اور ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں علمائے عہد اکبری کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ اس خانوادہ کا ہر بزرگ طریقت و شریعت کا برزخ عظمیٰ رہا ہے۔ پیشتر اسلاف عالم، زاہد، عابد، حافظ و قاری ہوئے اور مذہب و تصوف، زہد و اتقاء اور فضل و کمال میں وحید عصر رہے۔ اسلاف محسن کے سبھی افراد کو تصنیف و تالیف سے قلبی شغف تھا۔ محسن کاکوروی کے جد بزرگوار مولوی حسن بخش شہید کے سایۂ عاطفت نے ان میں مذہب و شریعت سے گہرا ربط اور لگاؤ پیدا کر دیا تھا۔ مذہبی تعلیم رگ رگ میں سرایت کر گئی تھی۔ اور بچپن ہی میں ان کا دل عشق رسولؐ کے جمال و جلال سے معمور ہو گیا تھا۔ سات سال کی عمر میں حضرت یوسف کے دیدار اور نو سال کی عمر میں حضور صلعم اور صحابہ کرام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا، وہ شرف ہے جو بڑے بڑے زہاد و عباد کو ساری عمر کی ریاضت کے بعد بمشکل نصیب ہوتا ہے۔ اس کم عمری میں زیارت نبوی سے مشرف ہونا نبی اکرم صلعم کا پرنور و باصفا مکان میں لے جانا اور ذات اقدس کا انھیں مرید کرنا اس امر کا بین ثبوت ہے کہ محسن کا دل عالم طفولیت ہی سے حب نبی میں سرشار تھا۔ اور یہی جذبہ محبت امتداد زمانہ

کے ساتھ عشق حقیقی اور والہانہ انداز اختیار کر گیا۔ لیکن علم و معرفت شریعت نے "یا محمد ہوشیار باش" پر سختی کے ساتھ کاربند کر دیا۔ ایک طرف خانوادہ محسن اور محسن کا پاکیزہ صاف ستھرا، لطیف و نظیف ماحول تھا اور دوسری طرف عہد محسن (۱۸۲۶ء) کی تاکش حیات، رنگینی اور ابوالہوسی کا ترجمان تھا۔ عالم میں انتخاب شہر دلی کو لوٹ کر فلک نے ویران کر دیا تھا۔ اور اس پر ادبار و افلاس، آلام و مصائب اور انقلاب و حوادث کی حکومت تھی۔ اندرونی و بیرونی سازشوں نے جان و مال، عزت و آبرو اور امن و سکون کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

بقول حالی:

> قوم کی حالت تباہ ہے۔ عزیز ذلیل ہو گئے ہیں۔ شریف خاک میں مل گئے ہیں۔ علم کا خاتمہ ہو چکا ہے دین کا صرف نام باقی ہے۔ افلاس کی گھر گھر پکار ہے۔ پیٹ کی چاروں طرف دہائی ہے۔ اخلاق بگڑ گئے ہیں اور بگڑتے جاتے ہیں تعصب کی گنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ امرا جو قوم کو بہت کچھ فائدہ پہونچا سکتے ہیں غافل اور بے پروا ہیں۔ علما جن کو قوم کی اصلاح میں بہت بڑا دخل ہے۔ زمانہ کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے ناواقف ہیں۔[1]

لکھنؤ میں دلی کی بہ نسبت سکون تھا۔ نواب سعادت خاں برہان الملک رفتہ رفتہ دربار دلی سے آزاد ہو گئے تھے۔ اور ان کے جانشینوں نے پہلے نواب وزیر کا لقب اختیار کیا۔ اور بعد میں انگریزوں کی سازش سے نواب غازی الدین حیدر

---

[1] ۔ دیباچہ مسدس حالی صفحہ ۱۴ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور۔

(۱۸۱۴ء تا ۱۸۲۷ء) تاج شاہی زیب سر کر کے خود مختار بادشاہ بن گئے۔

اس سے پیشتر لکھنؤ رشک دلی و اصفہان بن چکا تھا۔ نواب آصف الدولہ کے عہد ہی سے لکھنؤ فضل و کمال کا مرکز اور مختلف علوم و فنون کے مامن کی حیثیت سے مشہور ہو چکا تھا۔ افراط زر نے طاؤس و رباب کی طرف مائل کیا۔ اور امیر و غریب، برنا و پیر سب اسی رنگ میں رنگ گئے۔ پورا شہر رنگ رلیوں میں مست اور داد عیش دینے میں منہمک تھا۔ اسی لکھنؤ کے لئے رجب علی بیگ سرور نے لکھا تھا۔

> رشک گلشن جناں، مسکن حور و غلماں، جائے مردم خیز،
> باشندے یہاں کے ذکی و فہیم عقل کے تیز گردیدۂ انصاف و
> غور سے اس شہر کو دیکھے تو جہاں کے دید کی حسرت نہ رہے ——
> آنکھ بند کر لے شعر
> سنا رضواں بھی جسکا خوشہ چیں ہے وہ بے شک لکھنؤ کی سرزمیں ہے[1]

ہر شئی میں ایک حسن اور ایک سلیقہ تھا۔ ارباب فن بھی اس سے متاثر ہوئے جذبات و افکار، احساسات و خیالات سب پر اسی عیش و طرب کی چھاپ پڑی۔ اور شاعری کا بیشتر حصہ لذت پرستی اور ہوس پرستی کا ترجمان بن کر رہ گیا۔ ادب کے صاف ستھرے چشمے کا پانی گدلا ہو گیا۔ شاعری ایک ناپاک دفتر بن گئی جو عفونت میں سنڈاس سے بدتر تھی۔ لیکن میر ضمیر، میر خلیق، میر انیس، مرزا دبیر، میر شکوہ آبادی، امیر مینائی اور محسن کاکوروی نے زمانے کی اس کجروی کو محسوس کیا اور مذہبی شاعری کے ذریعہ اردو ادب کو اعلیٰ جذبات اور پاکیزہ خیالات سے مالا مال کر دیا۔ جس سے ظلمت زدہ قلوب میں علم و عرفان کی شمع روشن ہو گئی۔ مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری ۱۸۹۳ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ محسن کا سرمایۂ نعت اس سے قبل منظر عام پر آ چکا تھا۔ تعجب ہے کہ حالی نے مقدمہ میں شاعری پر

---

[1] ۔ فسانۂ عجائب با تصویر مطبع منشی تیج کمار لکھنؤ صفحہ ۴ چالیسواں بار ۱۹۶۴ء

بحث کرتے ہوئے اور مسدس میں شعر و قصائد کو ناپاک دفتر کہتے وقت اردو ادب کی نعتیہ شاعری سے کیسے اغماض کر لیا۔ اور ان کی نظر صرف ان قصائد میں الجھ کر رہ گئی جو ارباب دول کی بھوٹی خوشامد میں لکھے گئے۔ نعتیہ مثنویات و قصائد اور نعتیہ غزلیات کی طرف ان کی دور بین نگاہ نہ جا سکی۔ کلیم الدین احمد[1] نے اردو شاعری پر ایک نظر دو حصوں میں تصنیف کی۔ انھوں نے مرثیہ کا تفصیلی ذکر کیا۔ اصناف سخن میں ہجو بات کو بھی موضوع سخن بنایا۔ اردو شاعری کی بیشتر اصناف کا مضحکہ اڑایا۔ لیکن نعت کی بے لوث پاکیزہ اور لطیف شاعری کو بالکل نظر انداز کر گئے۔ حالانکہ وہ موضوع، صنف اور فن ہر نقطۂ نگاہ سے اہم اور لائق اعتنا ہے محسن کا شعری سرمایہ نعت کے مقدس موضوع میں محصور ہے۔ شاعری میں نعت کا تذکرہ آتے ہی ذہن کا محسن کی طرف بسدول ہونا لازم ہے۔ انھوں نے خود اس حقیقت کا انکشاف بیشتر مقامات پر کیا ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے

سخن کو زینہ ملا ہے میری زباں کے لئے — زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیاں کے لئے
ازل میں جب ہوئیں تقسیم نعمتیں محسن — کلام نعتیہ رکھا مری زباں کے لئے

سوا تیرے کسی کی مدح کرنا جن کا شیوہ ہے — یہ سچ ہے وہ نئے پھرتے ہیں جھوٹا نقل ایجاد کا

محسن نے اپنے کو نعت کے لئے وقف کر دیا تھا جس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے:

ہے تمنا کہ رہے نعت سے تیری خالی — نہ مرا شعر، نہ قطعہ، نہ قصیدہ، نہ غزل
یہ خواہش ہے کروں میں عمر بھر تیری ہی مدّاحی — نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا

---

[1] ۔ المتولد ۱۵ ستمبر ۱۹۰۹ء، المتوفی ۲۲ دسمبر ۱۹۸۳ء۔ "آجکل" اردو ماہنامہ۔ جلد ۴۲، شمارہ ۷۵۔ متعلقہ بہ فروری ۱۹۸۲ء
اردو پبلی کیشن ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱

محسن نے قصیدہ، مثنوی، رباعی اور مسدس کے علاوہ انیس ۱۹ بندوں کی ایک تضمین اور چار غزلیں لکھی ہیں۔ ان کے سرمایہ شعری کی صنف وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ گلدستہ کلام رحمت	۱۸۴۲ء	مطابق	۱۲۵۸ھ
۲۔ ابیات نعت	۱۸۵۷ء	"	۱۲۷۳ھ
۳۔ مدیح خیر المرسلین	۱۸۷۶ء	"	۱۲۹۳ھ
۴۔ نظم دل افروز	۱۹۰۰ء	"	۱۳۱۸ھ
۵۔ انیس آخرت	۱۹۰۴ء	"	۱۳۲۲ھ

مثنویات:

۱۔ صبح تجلی	۱۸۷۳ء	"	۱۲۸۹ھ
۲۔ فغان محسن	۱۸۷۲ء	"	۱۲۸۹ھ
۳۔ چراغ کعبہ	۱۸۸۳ء	"	۱۳۰۱ھ
۴۔ نگارستان الفت المعروف بہ پیاری باتیں	۱۸۷۶ء	"	۱۲۹۳ھ
۵۔ شفاعت و نجات	۱۸۹۳ء	"	۱۳۱۱ھ
یا۔ اسرار معانی درد عشق	۱۸۹۳ء	"	۱۳۱۱ھ

مسدس:

حلیہ مبارک سراپائے رسول اکرم صلعم	۱۸۴۹ء	"	۱۲۶۶ھ

رباعیات:

۲۳ رباعیاں ۱۸۵۷ء کے دوران

محسن نے پہلا قصیدہ "گلدستۂ کلام رحمت" کے نام سے سولہ سال کی عمر میں بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ اس قصیدے میں دو مطلعے اور اکیاون اشعار ہیں قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے۔

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن — غنچہ ہے نام خدا نافہ آہوئے چمن
فیض تاثیر ہوا ہے کہ ہوا جاتا ہے — روکش باغ خلیل اب کی سراپا گلشن

جملہ "ابتہ اللہ بنانا حسناً" ان دنوں فصل بہاری میں ہے صحرائے چمن[1]
شاعر نے گریز سے قبل خالص نعت کے کئی اشعار حوالۂ قرطاس کئے ہیں۔
جن میں وصفی انداز بیان اپنایا گیا ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

کیا عجب اس رخ زیبا کی جو توصیف لکھوں — ہوں گہر ہائے لفظ حضرت یوسف کا ثمن
اسکی توصیف میں اک شمہ ہے قرآن شریف — کہ لکھا خامۂ قدرت نے بوجہ احسن
شمس وصف رخ و یٰسین ہے وصف دنداں — والضحیٰ وصف جبیں نور ہے وصف گردن
یعنی وہ جسکی ہوئی ذات سراپا برکات — باعث خلق زبان موجب ایجاد زمن
پیشوائے رسل سید نسل آدم — جلوۂ حضرت حق، نور مجسم، ہمہ تن
جسکی توصیف میں خود خامۂ نقاش ازل — لکھ چکا مطلع ایجاد بوجہ احسن
جسکی ہے شرع متیں ناسخ ادیان و ملل — مثبت حق و یقیں کاشف ہر شبہ و ظن[2]

پورا نعتیہ قصیدہ خیالات کی پاکیزگی، جذبات کی صداقت، زبان کے شکوہ، بیان کی ندرت اور اسلوب کی تازگی و شگفتگی سے معمور ہے۔ قصیدہ مذکورہ شاعر میں فکر، جذبہ اور قدرت بیان کے حسین اجتماع کا مظہر ہے۔ پورے قصیدے میں عشقیہ جذبات مستولی ہیں۔ وفور جذبات میں محبت اور ادب کے حدود کو قائم رکھ کر اور ذات گرامی کی عظمت و جلالت کے مطابق الفاظ استعمال کر کے اپنے کمال فن کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ تشبیب، گریز، مدح اور دعا ہر جگہ روحانیت کا غلبہ ہے۔ زبان و بیان اور خیالات کی رو سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی ایسے شاعر کا کلام ہے، جس نے ابھی عمر کی صرف سولہ بہاریں دیکھی ہیں۔ اس کے کلام کی کہنہ مشقی، اسلاف سے بطور وراثت ملے ہوئے عشق کہن کی دین ہے۔ اور اسی عشق کہن

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن ۔ مرتبہ نور الحسن ۔ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء صفحہ ۳۲

[2] ۔ کلیات نعت محسن ۔ مرتبہ محمد نور الحسن ص ۔ ۳۳ و ۳۴

کی بدولت اس سے کئی بے ادبی سرزد ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔

اب کسی ڈھب سے ذرا اس کو مخاطب کر لے — کہ نہیں چین مجھے اے مسیحا طبع روشن
اے محمد ہے بلاشک وہ تیری ذات حسن — جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن
یہ کئی بے ادبی مجھ سے نہ ہوتی ہرگز — مجھ کو گستاخ نہ کرتا جو ستم اعشق کہن

وفور شیفتگی اور اژدہام حب رسول صلعم کی فضا پورے قصیدے میں چھائی ہوئی ہے جو شاعر کے صاحب دل ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ دعا اور مدعا کے چند اشعار نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں۔

ہے گذارش یہی محسن کی بامید قبول — ہر معاف اب نظر لطف سے بیباختہ ہیں
مجھ سیاہ بخت کو ہو عشق لب رنگیں کا — ہر سے لعل کو پیدا کرے کان آہن
نہ رہے چشمہ کوثر کی تمنا مجھ کو — اس طرح کرنے تو اپنا مجھے مفتون دہن
یاد میں جلوۂ رخسار کے ہو حشر مرا — صبح محشر کو یہ سمجھوں کہ وہ ہے صبح وطن[1]

"ابیات نعت" محسن کا دوسرا نعتیہ قصیدہ ہے۔ جو اس وقت معرض وجود میں آیا، جبکہ شاعر کی عمر صرف ۲۲ سال تھی۔ یہ قصیدہ کرامت علی شہیدی کے مشہور زمانے قصیدے کی زمین میں لکھا گیا ہے جس کی تمہید میں عشقیہ مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ شاہد سخن کے سراپا کے بعد خد و خال کی تعریف اور رسول اللہ صلعم کے فضائل بیان کرنے کے علاوہ ایک علاحدہ مطلع کے ضمن میں "روضۂ انور" کی مدح اور ایک دوسرے مطلع کے تحت صرف "قد" کے قافیہ میں مضامین نظم کئے گئے ہیں۔ شاعر نے اپنی شاعری کی تعریف کر کے ایک نئے مطلع کے سہارے دوبارہ نعتیہ مضامین نظم کئے ہیں جس کے بعد دعائیہ اشعار پر قصیدہ کا اختتام ہو جاتا ہے۔ مشکل پسندی اور بکھنوی شوکت و طمطراق اس قصیدے کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ قصیدہ محولہ بالا کی تصنیف کا نہ مانہ تاریخ ہند کا

---

[1] ۔ کلیات نعت ۔ ص ۔ ۳۴

عہد آفریں دور تھا۔ جب کہ ہندوستان پہلی جنگ آزادی کی جدوجہد میں برسرِ پیکار تھا۔ اور شمالی ہندوستان بھی تحریک انقلاب و حریت کی فضا میں پوری طرح ڈوب چکا تھا۔ شاعرِ نعت محسن اپنے وطن مالوف کاکوری آ چکے تھے۔ وہ عہد ساز خونین انقلاب سے قدرے بے نیاز ہو گئے تھے۔ اور اس طرح یادِ رسولؐ و ذکرِ محبوبؐ میں منہمک ہو کر غمِ روزگار غلط کر رہے تھے۔ اس قصیدے میں ایک سو ایک اشعار ہیں۔ اور بقول ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی "ہر شعر شعری و فنی خوبیوں کے ساتھ حبِ رسولؐ کا پیکرِ جمیل ہے"[1] محسن کے اس قصیدہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ امیر مینائی کے ایسا جلیل القدر شاعر ان اشعار نعت سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اس قصیدے پر ایک لطیف تضمین "تضمین بر قصیدہ محسن نعتیہ" کے عنوان سے لکھ دی۔ محسن کے اس قصیدہ میں ان کا دلاویز و والہانہ انداز قابلِ ستائش ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فرشتے دیکھ کر مجھ کو کہیں ایوانِ محشر میں — جگہ خالی کرو مدّاح آتا ہے محمدؐ کا
ترے دربار میں ہر وقت رہنے کی اجازت ہو — مجھے سرکار سے خلعت ملے عیشِ مخلّد کا
ترے عارض کو میں آئینہ نورِ خدا سمجھوں — کہ فہمِ سرِّ وحدت ہے الف ایماں کی ابجد کا

مضمونِ احد اور احمد کی ندرت ملاحظہ ہو۔

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامہ کی — بڑھا حلوم ہر لفظِ احد میں میمِ احمد کا

نعتِ رسولؐ میں شاعر کا بدیع و لطیف ستائشی انداز قابلِ رشک ہے[2]

ستائش کے لئے تو واسطے تیرے ستائش ہے — کہ ہے مذکور قرآں میں ترے اوصافِ بیحد کا

اس کا ادعا ہے کہ ستائشِ ذاتِ احد کے لئے اور ذاتِ احد ستائش کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔ شاعر نے اپنی شاعری کی تعریف بڑے پُرزور انداز میں کی ہے۔

مقابل مجھ سے کیا ہو مردِ میدانِ سخن محسنؔ — کہ جوہر ہے مری تیغِ زباں میں وصفِ احمد کا

---

[1] ۔ محسن کاکوروی بحیثیت نعت گو از ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی ص ۲۲ مشمولہ فروغِ اردو لکھنؤ۔ محسن نمبر

[2] ۔ کلیاتِ نعت۔ صفحات ۱۷۰

فضائے تنگ میدانِ قلم میں نقطۂ وخط سے — بڑے استاد نے مجھ کو سکھایا ہے پھری گنکا
کیا شیراز کو پامال اردوئے معلّیٰ نے — گیا مانِ اصفہان و ہا مری تیغِ ہند کا
زمینِ شعر پہ نازل ہے قرآنِ سخن مجھ سے — کتابِ آسماں اک نسخہ ہے لوحِ زبر جد کا

امیر مینائی کے مخمس نعتیہ سے ایک بند بغرضِ ملاحظہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

طبیعت کے سخندانوں کو منظور آزمائش ہے — وگرنہ ان کی مداحی سے کب تیری نمائش ہے
بہت دشوار اب نعت و مدحت کی کشائش ہے — ستائش کے لئے تو واسطے تیرے ستائش ہے
کہ ہے مذکور قرآں میں ترے اوصافِ بیحد کا

محسن کے قصیدہ مرصع محبت نے بانیٔ اسلام کی بارگاہ میں شرفِ مقبولیت حاصل کیا۔ محسن کے بھتیجے درد کاکوروی نے لکھا ہے کہ:

"عبداللہ شاہ ایک بزرگ آئے انھوں نے کہا کہ نذر پوری کیجئے۔ مولانا محسن نے پوچھا کیسی نذر؟ تو عبداللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے جو نعت لکھنا شروع کی ہے وہ کب ختم ہوگی۔ دربارِ رسالت میں انتظار ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا محسن نے حضرت شہیدی کے قصیدے پر اشعار لکھنا شروع کئے تھے۔ یہاں تک کہ قصیدہ ختم ہوا"[1]

تیسرا قصیدہ "مدیحِ خیر المرسلین" ہے جو عام طور پر قصیدہ لامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدے میں ایک سو تینتالیس ۱۴۳ اشعار ہیں[2]۔ جن میں شاعر کی جدت

---

[1] ۔ مولانا محسن کی شخصیت اور شاعری از درد کاکوروی صفحہ ۴۴ فروغِ اردو لکھنؤ۔ محسن نمبر۔

[2] ۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق نے ۱۴۲ اشعار بتلائے ہیں۔ علامہ موصوف اپنے مضمون "غنی نباسی اس یوسفِ گم گشتۂ بازارِ قصیدہ" میں لکھتے ہیں "اور محسن کے قصیدے سے ۱۱۲ اشعار کم ۱۳۰ اشعار پر مشتمل گوناگوں اور صاف شعری

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

طراز طبیعت نے تشبیب و مدح میں ایک ایک غزل شامل کر دی ہے۔ پہلی غزل اٹھارہ[۱۸] اشعار اور دوسری غزل سولہ[۱۶] اشعار پر مشتمل ہے۔ پورے قصیدہ میں غزل کے مطالع کو مستثنیٰ کر کے چار[۴] مطلعے ہیں۔ دونوں غزلوں میں "بادل" کو ردیف بنایا گیا ہے۔ جو قصیدہ کا ایک قافیہ ہے۔ غزل میں قافیہ بدل دیا گیا ہے۔ محسن نے یہ قصیدہ انچاس سال کی عمر میں تصنیف کیا تھا۔ اس قصیدہ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں پہلی بار رسول اکرم صلعم کی حیات طیبہ آپ کے خصائل و شمائل و فضائل اور اسلامی تہذیب کو ہندوستانی رنگ ڈھنگ سے پیش کیا گیا ہے۔ شاعر نے نہ صرف یہ کہ ہندوانی رسوم و رواج اور میلوں ٹھیلوں کا تذکرہ کیا ہے بلکہ ہندوستانی تشبیہات و استعارات سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ قصیدہ پہلی نعتیہ کاوش ہے۔ جس میں ہندوؤں کے مقدس مقامات کو مسلمانوں کے مقدس مقامات کے لئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ برمحل دلآویز ہے۔ محسن نے اس قصیدے کے ذریعہ نعت گوئی کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک نیا موڑ دیا۔ انھوں نے دجلہ و فرات کے بجائے گنگا جمنا اور کاشی متھرا کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ موصوف نے صدہا ہندی مصطلحات کے ذریعہ نعت گوئی کی ایک منفرد ہندوستانی تاریخ کی بنیاد رکھی۔ قصیدہ کا مطلع زبان زد خاص و عام

(بقیہ صفحہ ۱۸۳) وفنی کا حامل ہے۔" (آجکل اپریل ۱۹۸۳ء جلد ۴۱ شمارہ ۹ صفحہ ۱۶)

ڈاکٹر سید رفیع الدین لکھتے ہیں محسن کاکوروی کے جس قصیدے نے بڑی شہرت حاصل کی وہ مدیح خیر المرسلین (۱۲۹۳ھ) ہے اسکے ۱۴۲ اشعار ہیں۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ص ۳۲۷

طبع اول مدیح خیر المرسلین میں درج ذیل شعر بھی تھا۔

ہاتھ اٹھائے ہے مناجات کو ہر شاہ و گدا — سر جھکائے ہوئے سجدے میں سلیمان و نمل

لیکن چونکہ نمل بسکون میم ہے اس لئے مولوی محسن نے یہ شعر ہی قصیدے سے خارج کر دیا۔ کلیات نعت محسن ۔ ص ۔ ۲۱

ہندوانہ مصطلحات اور ہندوانہ رسوم و رواج کے استعمال کی وضاحت کے سلسلے میں قصیدہ معرض بحث کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل — برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل[۱]

دیکھئے ہوگا سری کشن کا درشن کیونکر — سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار ہارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت کوئی پل
اب کے میلا تھا ہنڈولہ کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — فوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

شاعر نے اشنان کی رعنائی اور سری کرشن کے درشن کے لئے گوپیوں کے سینۂ تنگ میں دل کی بے کلی کو رقص کشی کے ساتھ ساتھ عہد جاہلیت کی ظلمت اور انسانیت دشمن تاریک ماحول کے تہذیبی اقدار کو واضح کیا ہے جن کو ابدی رشتۂ حیات سے منسلک کرنے کی غرض سے پیغمبر اسلام دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ شاعر نے اس وقت کی منتشر عالمی ذہنی پراگندگی کی عکاسی پوری فنی خلاقت اور مذہبی احتیاط کے ساتھ کی ہے۔

دل میں کچھ اور ہے پر منھ سے نکلتا ہے کچھ اور — لفظ بے معنی ہیں اور معنی ہیں سب بے اٹکل
کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا — کوئی سندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استل
کبھی گنگا پہ پھٹکتا ہے کبھی جمنا پر — گھاگھرا پر کبھی گذرا کبھی سوئے چمبل
پھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل — نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

---

[۱] ۔ کلیات نعت محسن۔ ص۔ ۹۵

معترضین نے قصیدہ کی تشبیب پر اعتراضات کئے اور محسن کے خلاف فتاوے صادر ہوئے۔ انھوں نے دوستوں کے بیحد اصرار پر قصیدہ ہی کی زمین میں چند اشعار کہے۔ جو ایک طرف معترضین کو مسکت جواب عطا کرتے ہیں۔ اور دوسری شاعر کی توحید پرستی اور سرکار دو عالم صلعم سے اس کی مکمل اور مثالی عقیدت کے ثبوت بہم پہونچاتے ہیں۔ اس سلسلے کے چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں۔

گو قصیدہ سے جدا ابر بہار تشبیب — فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضمون کہیں عشق کہیں حسن — کہیں نغمہ ہے کہیں مے، کہیں پھول اور کہیں پھل
تاہم ایک لطف ہے خاص اسمیں جو سمجھا دانا — کہ سخن اور سخنور کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلمان معہ تمہید و گریز — رجعت کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدہ کی شبیہ — نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
غلبہ و سطوت ظلمت کے بیان میں مضمر — شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا — مئے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لئے — سیف مسلول خدا، نور نبی مرسل
مہر توحید کی ضو، اوج شرف کا مہ نو — شمع ایجاد کی تو بزم رسالت کا کنول

امیر مینائی نے معترضین کے جواب میں صحیح لکھا ہے کہ:

"بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدہ نعت میں متھرا گوکل و کنہیا کا ذکر بے محل ہے لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے۔ کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصطلاح شعرا میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی۔ کوئی شکایت زمانہ کی کرتا ہے کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے۔ کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔ الغرض متبحانِ کلام اساتذہ و حقیقت شناسان تشبیب و قصیدہ پر پوشیدہ

نہیں ہے کہ مضامین تشبیب کے مخصوص نہیں ہیں اور نہ کچھ اس مناسبت کی قید ہے۔ کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے۔ مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا ہے۔ جس کا مطلع ہے[1]

صبحے کہ در ہوائے پرستاری وثن
جنبد کلید بتکدۂ در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں۔ عمدہ ترسند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلعم کے حضور میں قصیدہ "بانت سعاد" جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے زبانِ مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔[1]

اس نعتیہ قصیدہ میں زیر دست ماحولی اشارات، مقامی مزعومات و معتقدات اور عہدی تلمیحات ہیں جن کی واقفیت قصیدہ کے لطف کو دوبالا کر دیتی ہے۔ پورا قصیدہ مربوط ہے۔ مدح اور تشبیب کے مابین بھی معنوی ربط ہے۔ شاعر کا کہنا ہے کہ اس کے وطن شمالی ہند میں موسم باراں نہایت ہیجان انگیز، پر لطف اور دلاویز ہے۔ اس کی رسمی ہوائیں عشق و محبت کی پیاسی آنکھوں میں نشیلی کیفیت اور رسیلا پن پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس سہانے موسم میں ہوائیں کالے بھنورا لے بادلوں کو مشرق کی سمت سے مغرب کی جانب اٹکھیلیاں کرتی ہوئی لے جا رہی ہیں۔ کاشی کی ہوائیں برق کے کندھے پر گنگا جل اس لئے لئے جا رہی ہیں تاکہ متھرا میں بسنے والے اور گیان دھیان کی تپسیا کرنے والے بھی کاشی کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو جائیں۔ گوپیاں اور گوکل

---

[1] کلیات نعت مولوی محمد حسن ص ۱۵۵۔ مطبع یوسفی پریس فرنگی محل لکھنؤ
و کلیات نعت محسن۔ مرتبہ نور الحسن ص ۔ ۹۳

باسیاں اس خیال سے کہ یہ گنگا جل ہے اپنے اپنے گھروں ہی میں غسل کر لیتی ہیں۔ ورنہ جمنا میں جا کر نہانا ان کے لئے ایک بڑا کام ہوتا۔ بنارس دیدہ زیب مندروں اور شوالوں کا شہر ہے۔ پھر گوکل اور بہابن کو بھی یہی ساز و سامان پوجا پاٹ کے لئے حاصل ہیں۔ کالی کالی گھٹائیں کاشی سے اٹھ کر گنگا جل کو اتنی دور دور تک پھیلا رہی ہیں کہ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں سے باہر بلکہ سارے عالم میں تبوں کی حکومت ہو گئی۔ تبھی تو اصنام پرستی کے لئے تا حدِ نظر گنگا جل لئے ہوئے بادلوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کرشن جی کا رنگ روپ سیاہ تھا۔ اس لئے شاعر کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ سری کرشن مہاراج کالے بادلوں کے روپ میں سارے بھارت کو سیراب کر رہے ہیں۔ اس لئے عائشی رسول محسن نے گھبرا کر یہ سوال کیا کہ یہ عالم صنم پرستی کے لئے بنایا گیا ہے، یا اس کی غایت تخلیق کچھ اور ہے۔ کفر و الحاد کا دور دورہ ہے اور فرنگیوں کی عیاریاں، مکاریاں اور بے حیائیاں ملک و دولت کو تاراج کرنے کے لئے طرح طرح کی جھوٹی سیاسی کارفرمائیوں میں مست و مگن ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں زار روس نے جنیوا، بخارا، اور تاشقند پر اپنا دست تعدی دراز کیا۔ ترکوں پر عبرتناک مظالم کئے۔ اور ترکی سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جنگ کرتا رہا۔ ترکوں کو بچوں سمیت مکانوں میں بند کر کے آگ لگا دی گئی۔ مسجدیں پھونکی گئیں اور عورتوں کی کھلی آبروریزی کی گئی۔ ایسے عبرت آفریں دور میں اس قصیدے کی تخلیق ہوئی اسی لئے اس کے اشعار بے رحمی اور بربریت سے متاثر نظر آتے ہیں۔

جانبِ قبلہ ہوئی یورش ابرِ سیاہ کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

یورش ابرِ سیاہ سے شاعر کو خوف ہوا۔ کہ وہ کعبہ جو چودہ سو سال پیشتر لات و ہبل کے ایسے تین سو ساٹھ بتوں سے پاک کیا گیا تھا۔ کہیں پھر سے ان کا مسکن نہ بن جائے۔

اسی انیسویں صدی عیسوی میں نارتھ ویسٹرن فرنٹیئر پر ولی اللّٰہی مجاہدین نے حملے کئے اور سنتانا کے مقام پر جھنڈا لہرایا، سکھوں سے ان کا مجادلہ و محاربہ ہوا۔ لیکن پھر اپنوں نے غداری کی۔ انیسویں صدی میں راجستھان میں گڑبڑی اور بنگال سے پنجاب اور دکن تک پھیلے ہوئے مخطہ کی حکمرانی، محسن کے نزدیک بے دینی اور لامذہبیت کے ثمرات ہیں۔ جس سے شاعر ملول ہو کر اپنے مضطرب ضمیر کی نشاندہی کرتا ہے۔

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی مہ نو کی کشتی بحرِ اخضر میں تلاطم سے پڑی ہے ہلچل

روس کی ترکی اور ایران سے جنگیں اس بات کی علامتیں ہیں کہ وہ عرب پر بھی بری نگاہ ڈال رہا ہے۔ جس سے گھبرا کر شاعر قلبی واردات کا اس طرح اظہار کرتا ہے کہ اس رسیلے موسم میں لوگوں کو لڑائی کی سوجھ رہی ہے۔ اب نہ جانے کیوں بہار کی چتون تیکھی ہو رہی ہے۔ موسم بہار کے نیلے آسمان پر بنے قویلے چاند اور بادلوں کی بھاگ دوڑ دیکھ کر شاعر آبی آسمانوں کو بحرِ اخضر بنا کر اس میں بادلوں کی رنگین کشتیوں کے مابین نئے چاند کو دورے کے واسطے آسمانی فضا پر اتار دیتا ہے۔ ہندوستان اور بحرِ اخضر (بحیرہ کیسپین) میں اسلام کی نئی کشتی نصرانیوں یہودیوں اور زار روس کی مسلسل یلغار سے ڈوبتی اترائی دکھائی دے رہی ہے۔ جس سے موسم بہار کے متوالوں کے دل ٹھکانے نہیں ہیں۔ اس لئے وہ بر کھا رت کے مزے کیسے لیں؟ موسم بہار میں ہرے بھرے درختوں میں پھلے کی سفید کلیاں سرسبز لان پر گورے انگریزوں کی کونسل کی یاد دلاتی ہے۔

جس طرف دیکھئے بیلے کی کھلی ہیں کلیاں لوگ کہتے ہیں کہ کرتے ہیں فرنگی کونسل

ہندوستان میں ہر جگہ جنگ و جدل اور انقلاب و بغاوت کا ماحول ہے ہندوستان کے باشندے انگریزی حکومت کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اس لئے انگریز بھی چوکنا ہو کر اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے مشورے کر رہے ہیں۔ شاعر نے فرنگی سازشوں کو لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس نے دو خچروں کے چھولوں کو سوار اور بالچھڑ کو پیدل کہہ کر ماحولی فضا کی بلیغ عکاسی کی ہے۔

شاخ پر پھول ہیں جنبش میں زمیں پر سنبل سب ہوا کھاتے ہیں گلشن میں سوار اور پیدل

ہندوستانی موسم برشکال کا نقشہ کھینچتے ہوئے شاعر کسی یاس و حسرت کے ساتھ کہتا ہے:

سبزۂ خط سے ہوا ہونے لگی سرخیٔ لب چمن حسن سے لال اڑ گئے بن کر ہریل

صاف آمادۂ پرواز ہے شاما کی طرح پر لگائے ہوئے مژگان صنم سے کاجل

شاعر انگریزی جور و ظلم، غرور، گھمنڈ، اور تعدی و دست درازی کو بھاپ کر اپنے دل و دماغ میں پیدا ہونے والے تاثرات کو کس دلاویز انداز میں بیان کرتا ہے اپنی کم ظرفیوں سے لاکھ فلک پر چڑھ جائے میری آنکھوں کا ہے اترا ہوا صدقہ بادل

ہندی حکمرانوں کا تکبر و غرور، ان کا آپس میں لڑنا بھڑنا اور ان کے بادل کے ایسے تاریک کارنامے شاعر کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے، اسی لئے وہ بھلا کر کہتا ہے کہ بادل اپنے کرشمے کسی بیدرد کو دکھلائے اس کی آنکھوں میں جوش و خروش اس لئے نہیں سماتا کیونکہ وہ احمد بلا میم کا پجاری اور اس کے حبیب صلعم کا عاشق زار اور شیدائی ہے۔ یہیں سے شاعر گریز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ دیدۂ نظارہ جمال محمدی اپنے محبوب کی تلاش میں کس قدر آوارہ گرد پھرا کوئی مندر کوئی کلب خانقاہ اور استھان ایسا نہ بچا جہاں کی خاک اس نے نہ چھانی ہو لیکن بڑی حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس انمول ہیرے کا کہیں پتہ نہ چلا اس نے شوق و جنون میں ہندوستان سے باہر جا کر مصر کے میدانوں اور کوہ طور کی وادیوں کی خاک چھانی۔ اور نیل و قلزم میں غوطہ زنی کی۔ لیکن سبھی تدبیریں بے سود رہیں۔

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی اسکل

چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم و نیل نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دشت و جبل

ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار ہوئی آئینۂ مضمون کی دو چنداں صیقل

روئے معنی ہے بہکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف تاکتا ہے تو ثریا کی ستھری بوتل

اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن ہاتھ میں جام زحل شیشۂ مے زیر بغل

گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل

یعنی اس نور کے میدان میں پہونچا کہ جہاں حزمِ برقِ تجلی کا لقب ہے بادل

تشبیب میں بادل نفرو اتحاد، ظلمت و تاریکی کے علائم تھے۔ اور گریز میں بادل حزمِ برقِ تجلی کا لقب ہو گیا۔

شاعر نے نعتیہ قصیدہ کے مدحیہ اشعار میں وصفی انداز بیان اپنایا ہے اور صوفیانہ و مذہبی تلمیحات سے قصیدہ کی رونق بڑھا دی ہے۔ خالص نعت کے اشعار میں شاعر نے حتمی و قطعی انداز اپناتے ہوئے کہا ہے کہ:

باغ تنزیہہ میں سرسبز نہالِ تشبیہ انبیا جس کی ہیں شاخیں عرفا ہیں کونپل

گل خوش رنگ رسولِ مدنی عربی زیب داماں ابد طرۂ دستار ازل

نہ کوئی اس کا شابہ ہے نہ ہمسر نہ نظیر نہ کوئی اس کا مماثل نہ مقابل نہ بدل

شاعر نے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو "اوج رفعت کا قمر" "نخل دو عالم کا ثمر" "بحر وحدت کا گہر" "چشمہ کثرت کا کنول" "مہر توحید کی ضو" "اوج شرف کا مہ نو" "شمع ایجاد کی لو" "بزم رسالت کا کنول" "روح الامین کا مربی" "عرش بریں کا زیب دہندہ" "دین متین کا حامی" اور "ادیان و ملل کا ناسخ" کہہ کر آپ کو "ہفت اقلیم ولدیت" کا "شہ عالی" اور چار اطراف ہدایت کا نبی مرسل بتلایا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ جس طرح احد سا اول نہیں اسی طرح احمد کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ دور محمد کا روز اول ابد تک چلتا رہے گا۔ آپ کی افضلیت پر آثار و کتب مشتمل ہیں۔ اور آپ کی اولیت پر تمام ادیان و ملل متفق ہیں۔ شاعر واللیل کے دو لام کو شانۂ رسول بتلاتے ہوئے کس قدر لطیف انداز میں کہتا ہے۔

شانۂ حضرت کا ہے تشدید دو لام و اللیل صاد مازاغ بصر سرمۂ چشم اکحل

شاعر میم احمد کے فرسودہ مضمون سے کہنگی کا ازالہ کرتے ہوئے کس قدر تر و تازہ انداز میں کہتا ہے کہ:

ہو سکا ہے کہیں محبوب خدا غیر خدا　　اک ذرا دیکھ سمجھ کر مری چشم اخول
رفع ہونے کو نہ تھا وحدت و کثرت کا خلاف　　میم احمد نے کیا آکے یہ قصہ فیصل
نظر آئے اگر احمد سے مجھے دال دو تا　　روز محشر ہوں الٰہی مری آنکھیں اخول

شاعر نے نعت کے مدحیہ اشعار میں غزل کو شامل کر کے اپنی جدّت طراز طبیعت کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ نعتیہ غزل میں وہ بادل جو تشبیب میں الحاد و کفر کی علامت اور گریز میں خرمن برق تجلّی تھا، کعبہ میں مصلّا بچھائے نظر آتا ہے:

چھوڑ کر میکدۂ ہند صنم خانۂ برج　　آج کعبہ میں بچھائے ہے مصلّا بادل

اور اسے آستانۂ رسولؐ کا اسقدر پاس ہے کہ "جو نکلا تو جھکائے ہوئے کاندھا بادل" نعتیہ غزل کا مقطع اس لئے اہم ہے کہ اس میں محاورہ کا برجستہ استعمال ہے:

محسنؔ اب کیجئے گلزار مناجات کی سیر　　کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر تا بادل

غزل کے اس آخری شعر میں مدح ختم ہو جاتی ہے۔ اور قصیدہ کے اجزائے ترکیبی میں دعائیہ والے حصہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اس حصّہ میں مختلف علوم و فنون کی مصطلحات جمع کی گئی ہیں۔ مذہبی اصطلاحات کے ضمن میں درج ذیل شعر ملاحظہ ہو۔

سب سے اعلیٰ تری سرکار ہے سب سے افضل　　میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

صرفی اصطلاحات "ثقیل" و "خفیف" اور "صحیح و معتل" کا لطیف استعمال مرقومہ ذیل شعر میں قابل دید ہے۔

حذف ہوں میرے گناہان ثقیل اور خفیف　　آئیں میزان میں جب افعال صحیح و معتل

شاعر کے دعائیہ مصحف کی لافانی آیات درج ذیل ہیں جن میں اس نے لب پہ احمد صلّ علیٰ اور دل میں احمد جلّ جلالہ کی تمنا کرتے ہوئے کہا ہے:

نام احمد ہے زبان پر سر بالا میم بصدر　　لب پہ ہو صلّ علیٰ دل میں مرے عزّ و جلّ

فنی نقطۂ نظر سے اس قصیدہ کا اختتام بے مثل ہے شاعر کہتا ہے:

نام احمد ہے زبان پر سر بالا میم بصدر　　لب پہ ہو صلّ علیٰ دل میں مرے عزّ و جلّ

فنی نقطۂ نظر سے اس قصیدہ کا اختتام بے مثل ہے شاعر کہتا ہے۔

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح　　ہاتھ میں میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ　　سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

ڈاکٹر اعجاز حسین نے قصیدہ معرض بحث کے اندر اسلامی رسوم کے شانہ بشانہ ہندوانہ رسوم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دور آخر میں بالخصوص محسن کاکوروی کے یہاں یہ عنصر خاص طور پر نمایاں ہے ان کے لامیہ قصیدہ میں کئی ایک مقامات پر نہایت شد و مد کے ساتھ ہندوؤں کے رسوم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ان کے مقدّس مقامات کا بھی ذکر آیا ہے۔ اور بعض واقعات اور تہوار بھی نہایت خوبصورتی سے نظم ہو گئے ہیں"۔

"محسن نے بڑا کام کیا کہ مذہبی و نیم مذہبی افسوں کو قصیدہ میں جگہ دے کر نہ صرف وسیع النظری کا ثبوت دیا بلکہ ادب کو ایک نئے میدان کی طرف بڑھانے کی کوشش کی۔ سودا اور میر کی طرح محسن کا بھی قصیدہ پر احسان رہے گا۔ کہ ادب کو زندگی سے قریب تر کرنے کی فکر کی۔ ایک نئے عنوان کا اضافہ کیا۔ قصیدہ کو بھی دلچسپ بنایا۔ اور ادب کے بڑے قرض کو ادا کرنے کی کوشش کی ــــــــــ اس جرأت رندانہ کی قدر ہماری نگاہوں میں اور بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ نعتیہ قصیدہ میں وہ کاشی، متھرا، برج، کنھیا، برہمن اور گوپیوں کو جگہ دے کر تشبیب کو دلکش بنا دیتے ہیں۔ ہندوؤں کے رسوم نظم کر کے اپنی جدّت پسندی اور واقفیت

کا مسلسل ثبوت دیتے ہیں۔"

قصیدہ محمّ بالا کی تشبیب پر اظہار رائے کرتے ہوئے ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کا کہنا ہے کہ:

"ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملے گی۔ ذوق و سودا قصیدہ کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدّت اور زور نہیں۔ یہ مضامین تشبیہات، استعارات، اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہیں، محسن ہی کا حصّہ ہیں۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ محسن کی پاکیزہ طبیعت عوام کی پامال شاہراہ سے بچ کر اپنا راستہ الگ بنانا چاہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سرزمین نعت میں اپنی جدت پسندی سے رنگ رنگ کے پھولوں کا ایک گلزار کھلا دیا ہے[۱]"

محسن نے فن شعر کے تمام لوازم کو فنی باریکی کے ساتھ اس قصیدہ میں جگہ جگہ برتا ہے۔ قصیدہ کو تشبیہات اور استعارات، کنایات و تلمیحات، علم معانی، بیان و بدیع سے مرصّع اور فصیح و بلیغ بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر لکھتے ہیں۔

"ان کے قصیدے مدیح خیر المرسلین کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ اور اس میں شک نہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اردو قصائد میں ایک منفرد اور امتیازی مقام کا مالک ہے۔ اس کی تشبیب جس پر اس قصیدے کی مقبولیت کی بنیاد ہے، یوں تو بہاریہ تشبیب ہے لیکن محسن نے اس کو برسات کے موسم سے

۱۔ مذہب و شاعری۔ ڈاکٹر اعجاز حسین۔ صفحات ۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸

۲۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی۔ صفحہ ۴۲۲
اردو پبلیشرز ۸۔ تلک مارگ لکھنؤ۔ نیا ایڈیشن ۱۹۷۳ء

ہم آہنگ کر کے مقامی رنگ ہندوستانی تلمیحات،
ہندوستانی موسم و رواج اور ہندی الفاظ کی آمیزش اتنی
فنکاری سے کی ہے کہ کچھ اور ہی عالم پیدا ہو گیا ہے[۱]

"نظم دل افروز" محسن کا تیسرا نعتیہ قصیدہ ہے جس میں انھوں نے حضور اکرم صلعم کی ولادت کا پس منظر اب کی تشریف آوری آپ کے اخلاق کریمہ، معراج شریف اور صحابہ کرام کا ذکر والہانہ انداز میں کیا ہے۔ "دل افروز" کی تمہید کے دو اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار مضطر میں
یہ مہمان عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں

جگہ دے مجھ کو میرے دلربا کے غنچۂ دل میں
بہار ابکی برس رکھے مجھے زندان دیگر میں[۲]

گریز کا درج ذیل شعر کافی سرجستہ اور دلاویز ہے۔

زمین شعر پر اعلیٰ مضامیں عرش اعظم سے
چلے آتے ہیں شوق مصرف نعت پیمبر میں

قصیدہ محولہ بالا کے چند اشعار نمونہ کے طور پر نقل کئے جاتے ہیں۔

ہوا عالم معنبر صبح میلاد پیمبر میں
بسا ہے نالہ جانسوز بلبل تک گل تر میں

نبوت کا تجمل، اصطفا کی مسند آرائی
فلک کی ہفت اقلیم اور کشور میں زمین کے سلطنت

فلک نے ابر و بائی جو چتر فرق عالی کی
در شہوار انجم ہو گئے داخل نچھاور میں

ترا اسم گرامی زیر بسم اللہ عنوان میں
ازل کے ہر صحیفہ میں ابد کے ہر رجسٹر میں

دم شمشیر بوسی تیرے اصحاب مکرم میں
کمال آل ابراہیم تیری آل اطہر میں

ترے اقبال سے شان سلیمانی و داؤدی
ہوئی یکجا ابوبکر و عمر عثمان و حیدر میں

غرض ہر جا شفیع و رحمۃ للعالمین تو ہے
زمیں میں آسماں میں جنت الماوٰی میں محشر میں

رہے پہنے ہوئے قرآن کا جامہ سخن میرا
کوئی حرف غلط آئے نہ سہواً اپنے دفتر میں

۱۔ اردو میں قصیدہ نگاری: ڈاکٹر ابو محمد سحر۔ ص۔ ۲۲۵

۲۔ کلیات نعت محسن صفحہ ۲۱۱

سفارش نامہ ہو مولیٰ کا اس دست شکستہ میں — پکاریں جب مجھے سرکار عالی جاہ داور میں
درود غیر محدود آپ کی روح معظم پر — تسلسل رشتہ ہے جب تک ابد کی سلک گوہر میں
سلام غیر محدود آل و اصحاب مکرم پر — دوام عیش ہے جب تک بہشت روح پرور میں

محسن نے یہ قصیدہ چودہ سال کی عمر میں لکھا تھا۔ اس میں الفاظ و معنی دونوں نسبتہً آسان اور عام فہم ہیں۔

"انیس آخرت" شاعر کا پانچواں نعتیہ قصیدہ ہے جو اس وقت معرض وجود میں آیا جبکہ شاعر عمر کی اٹھتر ویں منزل سے گزر رہا تھا۔ اور عشق رسولؐ اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ شاعر نے اس قصیدہ کو رسول اکرم صلعم کی تشریف آوری اور آپ کے مراتب علیا و معجزات و برکات کے پر فور ذکر سے معمور کیا ہے۔ قصیدہ آسان زبان میں پختہ صاف ستھرا اور رواں دواں ہے۔ اس میں تشبیب و گریز کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا گیا۔ قصیدہ کی تمہید کا ایک شعر ذیل میں رقم کیا جاتا ہے۔

نہیں آساں اٹھانا عشق کی چوٹیں دل و جاں پر — کلیجا ہاتھ بھر کا لائے جو ہو مرد میداں کا[1]

اس قصیدہ کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

بحکم کنت کنزاً مدعا تھا آفرینش سے — بشان دلربائی بندہ کرنا نوع انساں کا
کہوں ایمان کی سو بار اٹھاؤں سر پہ قرآں کو — کوئی ثانی نہ یزداں کا نہ اس محبوب یزداں کا
ہے بے رنگی کے آئینہ میں نقش شکل انساں کا — تعالی شانہ یہ روپ ہے کس حسن پنہاں کا
صفی اللہ کا پیارا خلیل اللہ کا حامی — لب عیسیٰ کا ہمدم ہمزباں موسیٰ عمراں کا
فصاحت کلمہ پڑھتی تھی لب جاں بخش حضرت کا — زبان شستہ گویا نسخہ تھا اعجاز قرآں کا

اس قصیدہ کا دعائیہ حصہ بھی بہت جاذب ہے۔ اور اس سے عاشق رسولؐ کی والہانہ شیفتگی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں۔

الٰہی مجھ کو کر ایسا شہید اپنی محبت کا — کہ ہر نوک مژہ فوارہ ہو خون رگ جاں کا

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن صفحہ ۲۱۱

اسی کا شوق اسی کی آرزو ہو وقت مرنے تک — رہے تا روز حشر سر پہ سایہ اس کے داماں کا
مٹا دے ہند سے نام و نشاں طاعون ملعون کا — کہ یہ کافر ہے دشمن ہر مسلمان نامسلماں کا

اردو شاعری میں نعت کے اولین نقوش مثنویوں میں ملتے ہیں۔ دراصل مثنویوں کے وجود میں مذہبی جذبات کارفرما رہا ہے۔ دور قدیم میں شاید ہی کوئی ایسی مثنوی دستیاب ہو سکے، جس کے اجزائے ترکیبی میں حمد و نعت و منقبت شامل نہ ہو۔ اسرار محبت، سحر البیان، گلزار نسیم، طلسم الفت، بہار عشق وغیرہ عشقیہ مثنویوں کا آغاز حمد و نعت سے ہوا ہے۔ مذہبی خیالات جس کثرت سے مثنوی کی ساخت میں نظم کئے گئے ہیں، اس کثرت سے کسی دوسری ہیئت میں نہیں کئے گئے۔ لیکن اردو شاعری میں ایسی مثنویوں کی تعداد کم نہیں۔ جو صرف مذہبیات تک محدود رہیں۔ مذہبی مثنویوں میں اس وسعت جامعیت رنگا رنگی، برنائی، رعنائی اور کردار نگاری و منظر نگاری کا فقدان ہے، جو عشقیہ مثنویوں میں موجود ہے لیکن زبان و بیان کے محاسن، صنائع و مضامین کی بداعت، ندرت، نظم و ضبط، اور کیفیت و اثر کی دلاویزی کے نقطۂ نظر سے مذہبی مثنویات کو عشقیہ مثنویوں پر تفوق حاصل ہے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے درست لکھا ہے کہ۔

"مذہبی حضرات کے کردار و کارنامے بغیر مذہب و مثنوی کے یکجا نہ ہوتے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر مثنوی میں اتنی وسعت نہ ہوتی کہ وہ حسب ضرورت واقعات و حالات کو اپنے دامن میں جگہ دے سکے تو غزل و قصیدہ کے امکان سے باہر تھا۔ کہ خاطر خواہ مذہبی معتقدات اور سوانح کو اپنے حدود میں جذب کر سکیں۔ یہ صرف مذہب ہی کا فیض تھا۔ کہ بزرگان دین کی خصوصیات و کارنامے شاعرانہ لطافتوں کے ساتھ مثنوی میں داخل ہو سکے۔ اور اسی سلسلے میں بعض شعراء کو مذہبی مثنویوں کی بدولت حیات جاوداں نصیب ہوئی"[1]

---

[1] ۔ مذہب و شاعری: ڈاکٹر اعجاز حسین ۔ صفحہ ۲۱۷

محسن نے جیسا کہ ما قبل میں لکھا جا چکا ہے، پانچ مثنویاں لکھیں جن میں "صبح تجلّی" پہلی نعتیہ مثنوی ہے جس میں ایک سو چھیاسی اشعار ہیں۔ شاعر نے اس مثنوی میں پیغمبر اسلام کی ولادت باسعادت کا ذکر بڑے موثر اور دلاویز انداز میں کیا ہے۔ اس نے اس مثنوی میں نادر تشبیہات اور قرآنی و احادیثی تلمیحات جس خوبی اور خوش اسلوبی سے نظم کی ہیں اس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ تلمیحات نے مثنوی کو عام قاری کی دسترس سے بالاتر بنا دیا ہے۔ قرآن و احادیث پر محسن کی دسترس اچھی خاصی تھی۔ مذہبی تلمیحات ان کے نزدیک عام فہم تھیں۔ ان کے طرز بیان سے کہیں بھی یہ مترشح نہیں ہوتا کہ وہ تلمیحات کا استعمال قاری و سامع کو مرعوب کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔ مثنوی معرض بحث سے وہ شخص قطعاً محظوظ نہیں ہو سکتا جو قرآن و احادیث سے خاطر خواہ واقفیت نہ رکھتا ہو لیکن اس سے شاعر کی عظمت و جلالت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ عظیم شاعر ملٹن کو سمجھنے کے لئے بھی بائبل کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ "مثنوی صبح تجلّی" کے ہر شعر میں کسی نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کی طرف اشارہ ضروری ہے۔ ڈاکٹر عقیل نے درست لکھا ہے کہ:

"محسن کی مثنوی "صبح تجلّی" کی خوبصورتی زیادہ تر تشبیہات کی مدد سے ابھرتی ہے۔[1]"

عالمی ادب کے ہر مقتدر شاعر نے خواہ وہ ہومر و ورجل ہوں یا کالیداس اور ملٹن اپنی تصاویر کے رنگ و روغن میں لمبی لمبی تشبیہات سے مدد لی ہے۔ محسن نے "صبح تجلّی" میں ایہام گوئی سے بکثرت کام لیا ہے۔ ایہام گوئی شاعری کی معراج قطعاً نہیں ہے لیکن اس عہد میں اس کا فقدان فنکار کی کمزوری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ میر انیس سے شبلی کے ایک نقطہ دوست نے دریافت کیا کہ کیا وہ (میر انیس) لفظی رعایتوں اور صنائع و بدائع کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تو انھوں نے واضح جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ "نہیں لیکن آخر لکھنؤ میں رہتا ہے۔"[2] نمونہ کے طور پر "صبح تجلّی" سے

---

[1] - اردو مثنوی کا ارتقا۔ ڈاکٹر سید عقیل صفحہ ۲۳۳۔

[2] - موازنہ انیس و دبیر: علامہ شبلی نعمانی۔ صفحہ ۱۱۴-۱۱۵ مرتبہ ڈاکٹر مسیح الزماں رام نرائن لال بینی مادھو۔ کٹرہ الہ آباد سنہ ۱۹۷۰ء

چند ابیات نقل کئے جاتے ہیں۔

پستی کا دماغ آسماں پر — اوج افلاک ہر گستر[1]
وہ ہے بلغ العلیٰ کی تفسیر — یہ ہے کشف الدجیٰ کی تفسیر
اک مخبر صادق البیان ہے — پیغمبر آخر الزماں ہے
کیفیت وحی میں ہے بلبل — ہے وقت نزول مصحف گل
سبزہ ہے کنار آبجو پر — یا خضر ہے مستعد وضو پر
نوبت ہے صدائے قمریاں کی — تیاری ہے باغ میں اذاں کی
خم تکبر فاختہ ہے — قد قامت سرو دلربا ہے
اک شاخ رکوع میں رکی ہے — اور دوسری سجدے میں جھکی ہے
غنچے میں ہے غاشی کا عالم — یا صوم سکوت میں ہے مریم
کیاری ہر اک اعتکاف میں ہے — اور آب رواں طواف میں ہے
غنچہ نہ رہا تو گل ہوا ہے — واصل ہے جسے یہاں فنا ہے
کہتا ہے اشارۃً لجا لو — موتوا من قبل ان تموتو
فیض روح القدس عیاں ہو — افشائے رموز کن فکاں ہو
خاکا ہے زمیں میں آسماں کا — نقشہ ہے مکاں میں لامکاں کا
گویا اتر آئی ہے زمیں پر — مینا بازار چرخ اخضر
نازل ہوئے عرش سے فرشتے — سد حتیٰ علی الفلاح کہتے
پیدا ہوئے بادشاہ ذی جاہ — آرائش تخت لی ح اللہ
عین عرفان و مردم عین — ابروئے جبیں قاب قوسین
جان و دل مرسلین محمدؐ
روح روح الامین محمدؐ

---

[1] - کلیات نعت محسن۔ صفحہ ۷۶

پیدا ہوئے خاتم النبیین ۔۔۔ ہر فرمانِ عز و تمکین
بامیم احد احمد بلامیم ۔۔۔ شائستہ صد صلوۃ و تسلیم
گنجینۂ اصطفا محمدؐ ۔۔۔ آئینہ حق نما محمدؐ
محو رضوان حق روانش ۔۔۔ آل و اصحاب و پیروانش

ہے ذکر ولادت پیمبر
اعلیٰ ادنیٰ اہم و اکبر

مثنوی کے آغاز میں بھی جدت طرازی کا عنصر کارفرما ہے۔ پیغمبر اسلام کی ولادت صبح صادق کے وقت ہوئی۔ آثار سحر نمایاں ہوئے۔ واللیل کا عہد ختم ہوا اور والضحیٰ کے دور کا آغاز ہوا یعنی آفتاب کے طلوع ہونے سے کفر و الحاد کی ظلمت دور ہوئی ——!

بیضادی صبح کا بیاں ہے ۔۔۔ تفسیر کتاب آسماں ہے
ہے خاتمہ شب دل افروز ۔۔۔ دیباچہ نگارِ نسخۂ روز
آثار سحر ہوئے نمایاں ۔۔۔ سیپارہ لئے ہوئے دوراں
واللیل کو ختم کر چکا ہے ۔۔۔ آمادہ دور والضحیٰ ہے
عنوان فلک ہے درِّ منثور ۔۔۔ نوح زریں ہے سورۂ نور
اطراف بیاض مطلع صاف ۔۔۔ والفجر کے حاشیہ پر کشاف

پوری مثنوی میں محبت کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ ابیات مثنوی میں مستعمل ہر لفظ ادب و انصرام، عقیدت و محبت کی مرقع کشی کر رہا ہے۔ الفاظ کی صناعی اور معنویت کی بداعت و ندرت میں مکمل ہم آہنگی ہے۔

"فغان محسن" شاعر کی دوسری مثنوی ہے۔ جو ایکسو بیالیس[۱۴۲] اشعار پر مشتمل ہے اور "نگارستان الف المعروف بہ پیاری باتیں" ان کی تیسری مثنوی ہے جس میں صرف باون[۵۲] ابیات ہیں۔ یہ دونوں مثنویاں نسبتاً صاف سادہ زبان میں لکھی گئی ہیں۔ جن میں تخیل کی جولانی اور تفکر کی پرواز دیگر مثنویوں کے مقابلے میں نہیں کے برابر ہے

سیدھے سادے خیالات، صاف سادہ زبان میں نظم کئے گئے ہیں۔ محسن کاکوروی کے کلام کا عام جوہر "مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کا شان و شکوہ، بندش کی چستی"۔۔ استعاروں کی رنگینی اور قصہ طلب تلمیحات ہیں جس میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا شریک نہیں۔ بلکہ اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں ہے[۱]" اس لئے ان مثنویوں کو وہ شہرت نہ مل سکی جو "صبح تجلی" یا "چراغ کعبہ" کو ملی۔ چراغ کعبہ شاعر کی چوتھی مثنوی ہے۔ جو چار سو ستر[۴۷۰] ابیات پر مشتمل ہے۔ اس مثنوی میں احادیث کی کثرت ہے اس لئے اس سے صرف وہی اشخاص محظوظ ہو سکتے ہیں، جو معراج کی متعلقہ احادیث سے واقفیت رکھتے ہیں۔ "چراغ کعبہ" مثنوی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں احادیث کی استمداد سے معراج کے تمام احوال و کوائف شاعرانہ لطافت کے ساتھ نظم کئے گئے ہیں۔ اس مثنوی میں مختلف عنوانات کے تحت ابیات حوالہ قرطاس کئے گئے ہیں شاعر نے چھبیس تمہیدی اشعار کے بعد حسب ذیل عنوانات قائم کر کے اپنے منفرد رنگ میں اشعار کہے ہیں۔

آغاز روایت، گریز، مدح جبرئیل، تمہید وصف براق، صفت براق، ورود جبرئیل و براق بر آستانہ شریف، تشریف آوری بیت اللہ، مسجد اقصیٰ، سیر فلک اوّل، فلک دوم، فلک سوم، سراپا، فلک چہارم، فلک پنجم، فلک ششم، فلک ہفتم، بیت المعمور، بہشت و دوزخ، عرش و کرسی، مقام اعلیٰ اور خاتمہ و مناجات۔

محسن نے مثنوی معرض بحث میں واقعہ نگاری، منظر نگاری، کردار نگاری، سراپا نگاری، کی جملہ خصوصیات کو بہرت کرانے فنی حذاقت کے ثبوت دیئے ہیں۔ شاعر کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ جدت و ندرت اور بداعت و مضمون آفرینی کے باوجود واقعیت اصلیت اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ مذہب اور بانی مذہب سے والہانہ شیفتگی مثنوی مثنوی کی ہی تمہید سے قاری و سامع کے دل میں جذبات روحانیت بیدار

۱۔ گل رعنا: حکیم عبدالحئی صفحہ ۴۵۷

کرتی ہے۔ تمہید یہ اشعار میں صنعت براعاۃ استہلال کا استعمال فطری، دلکش اور شگفتہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہے نام خدا سوادِ تحریر — واللیل اذا سجیٰ کی تفسیر
دریائے رواں ہے در نظم آج — یہ بحر خفیف بحر موّاج
جاتا ہے کلیم آسماں تک — معراج سخن ہے لامکاں تک
ہر لفظ عروس پردۂ گوش — ہر معنی جانِ پیکر ہوش
مضموں نئے روپ کی دلہن ہے — اک راستی لاکھ بانکپن ہے
سرسبزی طبع نکتہ پرور — کشاف رموز خلد و کوثر

شبدیز قلم کی شان اعلیٰ — جنگل میں براق کی غزالا

اندھیاری کے دیکھ لیں اجالے — آئیں سر طور جانے والے

معراج کی روایت کا آغاز بھی دلچسپ، شاداب اور شگفتہ ہے۔ اس سلسلے کے ابیات میں رعایت لفظی اور مراعاۃ النظیر کا ازدحام ہے لیکن یہ التزامات انتہائی مہارت سے کئے گئے ہیں۔ کہیں پر التزام کا احساس نہیں ہوتا۔ شاعر نے شب معراج کو ارکان حج میں مشغول نازنین متصور کر کے فرائض حج کی تذکیر دلکش شاعرانہ انداز میں کی ہے۔ "آغاز روایت" عنوان کے تحت "رات" "حرم کعبہ" میں داخل ہوتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ حدود حرم میں داخل ہونے والے پر ارکان حج کی ادائیگی ضروری ہو جاتی ہے۔ اس لئے رات ان لوازم کو پورا کرتی ہے نمونہ کے طور پر ذیل میں چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

بھیگی ہوئی رات ابرو سے — داخل ہوئی کعبہ میں وضو سے[1]

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن صفحہ ۱۲۵

اوڑھے ہوئے لیلیٰ گل اندام — شبنم کی ردا بقصدِ احرام
گویا کہ نہا کے آئی فی الحال — جھک جھک کے نچوڑتی ہوئی بال
کیا سعی صفا سے رنگ فق ہے — سر سے پا تک عرق عرق ہے
نامحرموں سے چھپائے چہرہ — پردین کو بنائے منہ کا سہرا

خوشبو وہ کہ ہار سمن کے — پلٹے ہوئے بالوں میں دلہن کے

گرتے ہوئے ٹوٹ کر ستارے — ہیں رمی جمار کے اشارے

شاعر کا منفرد انداز پوری آب و تاب کے ساتھ گریز میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ فلکی، نحوی، منطقی، اور مذہبی مصطلحات کے التزام نے کلام میں رعنائی و برنائی پیدا کر دی ہے۔ ان مصطلحات کا برجستہ استعمال اس فن میں شاعر کی غیر معمولی مہارت کو ظاہر کرتا ہے۔ اکثر تشبیہات و استعارات متحرک اور جاندار ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے۔

تھا دیکھ کے اس ادا کو مفتوں — دشت عرفات شکل مجنوں

ابر رحمت گھرے ہوئے ہیں — کچھ رات کے دن پھرے ہوئے ہیں
نوشاہ بنا ہوا ہے جو زا — ہے زیب کمر زری کا پٹکا
مریخ شہ بلند اختر — گردوں کا لڑا ہوا مقدر
کیواں کو دم سکندری ہے — چمکی زہرہ کی مشتری ہے

شبنم کے پر لگائے گلشن — بلبل سے کہو کہ پکڑے دامن

یونس سہ حوت تک پہونچکر — سکہ نہ بٹھائیں ہر درم پر

محمول کا کس طرف ہے موضوع مسند کو کیا ہے کس نے مرفوع
یہ کس کی خبر کا مبتدا ہے موصول کہاں کہاں صلا ہے
ہیں کس کے مضاف یہ عجائب راجع ہے کدھر ضمیر غائب

شاعر نے حضرت جبرئیل کی بہت مختصر مگر بے حد جامع و مانع مدح کی ہے۔

عمّانِ کرم کے در منثور قرآن شرف کے سورۂ نور
منشور ادامر و نواہی عنوان صحیفۂ الٰہی
فہرست اخبار اصفیا کی تاریخ فرشتہ انبیاء کی
درج گہر کلام باری پیغامبر و پیام باری
وارد ہوئے ابرسان زمیں پر ساتھ ان کے براق برق پیکر

محسن کی مذہبی بصیرت اسقدر جاندار ہے کہ انھوں نے جبرئیل و براق کی مکمل کردار نگاری اور دلاویز مرقع نگاری بغیر تجربہ مشاہدہ کے اسقدر جامع انداز میں کی ہے کہ مرئی اشیاء کے باب میں وسیع تجربہ و مشاہدہ کے بعد بھی دیگر شعرا مشکل ایسی کردار نگاری و مرقع نگاری کر پائے ہیں۔ شاعر نے احادیث نبویہ کو مدنظر رکھ کر جاندار تشبیہات و استعارات کے ذریعہ براق کی شخصیت کو واضح کیا ہے۔ وہ ایضاح مدعا میں متواتر تشبیہات اس طور پر استعمال کرتا چلا جاتا ہے کہ دوسری پہلی سے اور تیسری دوسری کی بہ نسبت زیادہ واضح ہوتی ہے۔ شاعر کی انداز نگارش کا یہ رنگ علم بیان میں اس کے فنی درک کا بخوبی احساس دلاتا ہے۔

چھوٹا سا فرس فرشتہ ہیکل کھیت اس کا بہشت خلد جنگل
یوں چرخ سے نکلے وہ سبکرو فانوس سے جس طرح کہ پرتو
شیشے سے پری چمن سے شبنم کھینچا سے گہر حباب سے دم
گلشن سے بہار جسم سے جاں آنکھوں سے نیند دل سے ارماں

اقبال کا بال دیگر یا روح الامین کا تیز اپر

یا دیدہ منتظر میں لفشا اڑتی ہوئی وصل کی خبر کا

روح القدس، براق کی معیت میں والہانہ شیفتگی کے ساتھ بارگاہ نبوی میں اس طرح حاضر ہوئے۔

یوں آئے ہو جس طرح سے عاجل پروانہ چراغ کے مقابل
یا جیسے کہ عاشقان مضطر اپنا خط شوق آپ لے کر
حاضر ہوئے اس کے آستاں پر جس کا کہ مکاں ہے لامکاں پر

آستانۂ رسولؐ کے ذکر آجانے پر شاعر نے بہت سے جاندار اشعار حوالے کئے ہیں۔ یہ اشعار نعت کے وصفی انداز بیان میں وقیع حیثیت کے حامل ہیں تلمیحات نے ابیات کی دلاویزی میں مفید اضافے کئے ہیں۔

محبوب خدائے انس و جاں کا مقصود رموز کن فکاں کا
نور القمرین و الکواکب خورشید شارق و مغارب
ہاشم کی کلاہ میں گل تر دامن میں قریشیوں کے گوہر
صانع کے قلم کا رنگ ایجاد بندوں کے چمن کا سرو آزاد
آغاز ازل کی ابتدا کا انجام ابد کی انتہا کا
تشبیہ کے آئینے میں تمثال تنزیہہ کی سلطنت کا اقبال
لاہوت مقام و عرش مسند شاہنشہ انبیاء محمدؐ

جبریل آستانۂ رسالت پر حاضر ہیں۔ وہ پیغمبر کی طلب و محبت اور مہمان کے مرتبہ کی عظمت و جلالت دونوں سے بخوبی واقف ہیں۔ جبریل کس قدر ادب آمیز انداز میں اپنی حاضری کی غرض و غایت عرض کر رہے ہیں۔

آ ہے طلب کا استعارہ بردن کا ہے آمدن اشارہ
یعنی اٹھئے کہ بحر پرجوش گوہر کے لئے ہے کھولے آغوش
اٹھئے کہ ہے باب فیض مفتوح ہے طالب جسم عالم روح
اٹھئے کہ نگاہ چشم تنزیہہ ہے منتظر جمال تشبیہ

فخر انبیاء و مرسلین، براق پر سوار ہو کر پہلے بیت اللہ تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے مسجد اقصیٰ اور اس کے بعد آپ نے ساتوں آسمانوں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ شاعر نے بیت اللہ اور مسجد اقصیٰ کے استقبال کی شاعرانہ منظر کشی کے بعد ہر فلک کے احوال و کوائف اور انبیاء متعلقہ سے آپ صلعم کی تفصیلی ملاقات کا خاکہ پیش کیا ہے۔ فلک اول پر حضرت آدم نے فخر دو عالم کا خیر مقدم کیا۔

فرخندہ پسر ملا پدر سے — خیر البشر اوّل البشر سے

فلک دوم پر۔

یحییٰ نے صدائے مرحبا دی — انفاس مسیح نے جلا دی

فلک سوم پر۔

وہ چشم و چراغ آدم و نوح — سرو چمن مثلث روح
توحید کا تخم بونے والا — تثلیث کا گھر ڈبونے والا
یوں گذرا تیرے فلک پر — جس طرح نظر میں حسن منظر

فلک سوم پر رسول امی کے گذر پر پہونچ کر شاعر کا ذہن، آپ صلعم کے سراپا کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس نے قلب کی نظافت، چشم بصیرت کی دور بینی اور تخیل کی بلندی کے سہارے نبی اکرم صلعم کا ایسا جاندار سراپا کھینچا ہے جو سراپا نگاری کی دنیا میں فنی نگاہ سے ہمیشہ زندہ رہے گا۔

کاتب کی چمک رہی ہے تقدیر — آنکھوں میں کھنچی ہوئی ہے تصویر

صورت کا وہ دلپذیر نقشہ — جس سے ہے کہ آئینہ کو سکتہ
سورج کی نہ دو پہر پلٹ جائے — اس دم مرے سامنے سے ہٹ جائے
گر بدر کہیں ادھر ادھر ہو — کہہ دو مرے شہر سے بدر ہو
دیکھا ہے خدا نے اپنا عالم — آئینہ بنا کے قد آدم

کھینچی بہ کمال حسن تدبیر — نقاش ازل نے اپنی تصویر
رخ میں صفت جمال دی ہے — صورت میں جان ڈال دی ہے
ابرو پہ جبیں مہ شمائل — رکھی ہوئی رحل پر حمائل
واللیل کا ترجمہ ہے گیسو — تفسیر اذا سجیٰ ہے گیسو
آنکھوں سے لکھوں صفت وہ آنکھیں — مالا عین رأت وہ آنکھیں

خلوت گہہ کبریا کو دیکھا — آنکھوں کی قسم خدا کو دیکھا
وہ انگلیوں میں یہ ماہ کا حال — مقراض میں جس طرح ہو ہلال
کہتے تھے ملک سنی نہ دیکھی — صورت ہے کہ قدرت الٰہی
حاضر تھے سر منیر کتعان — فرزند جوان پیر کتعان

یوسف ہوئے جان و دل سے شیدا — منہ دیکھ کے رہ گئی زلیخا

فلک چہارم پر۔

یکرنگیٔ مصطفیٰ و ادریس — قدرت کے قلم کی سطر تجنیس

فلک پنجم پر۔

ہارون نے کہ افصح البیان تھے — گویا کہ کلیم کی زبان تھے
موسیٰ کے وزیر اور برادر — پیغمبر و بازوئے پیمبر
کی نعت ادا بخوش بیانی — یا وصف چمن میں گلفشانی

فلک ششم پر حضرت موسیٰ کی ملاقات کا نقشہ۔

گردوں ششم پہ چشم بد دور — چمکا مانند شعلۂ طور
جلوے وہ جمال نے دکھائے — موسیٰ وہی آگ لینے آئے
تھا داغ فراق لن ترانی — سرور وصال من رانی

اور فلک ہفتم پر۔

تھیں منتظر جناب اطہر	عینین خلیل ابن آذر
کرتا تھا جو صرف میہمانی	خوان یغمائے من عصانی
اک بزم کے تھے چراغ دونوں	مل کر ہوئے باغ باغ دونوں

محبوب کبریا نے ہفت افلاک، بیت المعمور، بہشت دوزخ کے ملاحظہ کے بعد عرش و کرسی کو اپنی زیارت میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔

القصہ سمجھ کے جزو کل کو	اور دیکھ کے وہ ان کے خار و گل کو
اور آگے بڑھا وہ طالب رب	کہتا ہوا آمدم بمطلب
طوبےٰ سے رکھا قدم جو آگے	جبریل و براق دونوں ٹھہرے
رفرف پہ چڑھا وہ صاحب قدر	جس طرح کمال بر سر بدر
کرسی پہ بٹھا کے نقش مقصود	آیا سوئے عرش پاک معبود
سب سرو قدان عرش اعظم	تعظیم کو اٹھے قد آدم

نبی اکرم صلعم بنفس نفیس اس مقام پر پہونچے، جس کے متعلق جبریل کے ایسے مقدس فرشتے نے کہا تھا:

اگر یک سر موئے برتر پرم	فروغ تجلی بسوزد پرم

حضرت محسن کے لفظوں میں:

زیر قدم جناب والا	اعلیٰ سے جو تھا مقام اعلیٰ

آیا سوئے بزم لی مع اللہ	آئینے میں جیسے پرتو ماہ
پہونچا وہ وہاں جہاں پہونچے	جبریل کے عقل کے فرشتے

تھی اوج پہ شان مصطفائی	دکھلاتی تھی بندگی خدائی
وحدت کی ہوئی دوئی میں آمد	مانند میان احمد

دامن میں چھپائے غیر کو عین	واحد تھا نقاب روئے اثنین
عینیت غیر رب کو رب سے	غیریت عین کو عرب سے
ذات احمد تھی یک خدا تھا	سایہ کیا میم تک جدا تھا

مثنوی "چراغ کعبہ" کا دعائیہ حصہ بہت دلاویز ہے جو شاعر کی وفور شیفتگی اور اس کے حضور قلب کا مظہر ہے:

اس وقت اٹھا ہو آہے پیدا	موقع ہے رسائی دعا کا
کر عرض ادب سے سر جھکا کر	تا پایۂ عرش ہاتھ اٹھا کر
اے پیر تو مہر لایزالی	بے مثل مثال بے مثالی
جس طرح ملا تو اپنے رب سے	انداز سے شوق سے ادب سے
یونہی ترے عصیاں ہجور	اک دن ہوں تری لقا سے مسرور
صدقے میں ترے یہ آرزو ہے	دم میں رہ آخرت کریں طے
ہو حشر کا دن خوشی کی تمہید	جس طرح سے صبح صادق عید
دشمن پہ کڑی ہو پہلی منزل	میں سوؤں لحد میں ہو کے غافل
گزرے مری نعت کے سخن میں	رکھی ہوئی یہ مثنوی کفن میں
پردہ رہے نامۂ عمل کا	کھل جائے نہ قبر میں لفافا
اس دم کھلے چشم آرزو مند	جب دفتر حشر ہو چکے بند
پھولے پھلے گلشن تمنا	عقبیٰ مری پھل ہو پھول دنیا

یاں شوق و خلوص و التجا ہو
واں میں ہوں آپ ہوں خدا ہو

اقبال نے اپنے "جاوید نامہ" کے روحانی سفر ارتقا کی تفصیلی داستان میں اس مثنوی کی تابناک روشنی سے استفادہ کیا ہے۔

مثنوی "شفاعت و نجات" جس کا دوسرا نام "اسرار معانی در عشق" ہے محسن کی آخری مثنوی ہے۔ جو انھوں نے بعمر ۶۷ سال لکھی۔ یہ مثنوی اسم با مسمّیٰ

ہے۔ شاعر نے اس مثنوی میں دردِ عشق کے اسرار معانی نظم کئے ہیں۔ مثنوی کا آغاز عشق کے تخاطب سے کیا گیا ہے۔ شاعر پر جذبات عشق کا استیلا ہے لیکن کہیں پر بھی اس کے جذبات عشق کے آداب اور اخلاق کی حدود سے باہر نہیں ہوئے۔ اس نے مثنوی کے آغاز میں عشق کا متنبہ کر دیا ہے کہ۔

ذرا عشق ادھر دیکھے بھالے ہوئے — قدم اے ستمگر سنبھالے ہوئے
نہ چلنا کہیں وہ قیامت کی چال — کہ لاشے شہیدوں کے ہوں پائمال

شاعر نے اس ضمن میں عشق کے نتائج اور اس کے اثرات پر اپنے خیالات حوالۂ قرطاس کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

ترے داغ سے دل میں گلکاریاں — ترے دم سے آنکھوں میں چنگاریاں
کہیں تو ہے آتش کہیں رود نیل — بچپن یا الٰہی کلیم و خلیل
نمک تیرا زخموں میں ایوب کے — کھٹک تیری دیدوں میں یعقوب کے
ترا طور کیف انا الحق سے مست — ترا وادی ایمن آتش پرست
پڑا سایہ جس پر فنا ہو گیا — پری بن کے تو اک بلا ہو گیا

پری کا استعارہ ذہن میں آتے ہی بلا خیز عشق کا سراپا آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے۔ شاعر سراپا میں گیسو، موئے مشکیں، زلف گرہ گیر، رخسار، ابرو، چشم و مژگان، دہن و کمر اور قامت کی دلآویز تعریف کرتا ہے۔ اور اصل مدعا کی طرف بڑی خوبی سے گریز کرتے ہوئے کہتا ہے۔

کھنچی تیرے قامت کی تصویر ہے — کشش کیا قیامت کی تصویر ہے
قیامت اسی جذب کا ہے خطاب — فنا و بقا شبنم و آفتاب
سخن کو ہے محشر کا جلسہ پسند — کہ ہے مصرعِ طرحِ قدِّ بلند

بیان عشق کے بعد شاعر نے عنوانات کے تحت ابیات نعت حوالۂ قلم کئے ہیں

۱۔ کلیات نعت محسن صفحہ ۱۵۶

ہر عنوان تاریخی ہے۔ اور ہر ایک سے ۱۳۱۰ھ کا استخراج ہوتا ہے۔ عنوانات حسب ذیل ہیں۔

شرح حال روز قیامت
حشر وحشت افزا
طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ
نعت منبع الطاف احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
شفاعت شفیع
خزانۂ رحمت
شفاعت مکرر
چشم داشت دعائے مقبول (انشاء اللہ)

"چراغ کعبہ" کے بعد محسن کی یہ سب سے طویل مثنوی ہے، جو تین سو چھیانوے ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی موضوعات و مطالب عنوانات و مفاہیم اور زبان و بیان کے اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہے مثنوی شاعرانہ لطافت اور مذہبی صداقت کا حسین سنگم ہے۔ تمام احوال و کوائف قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں۔ شاعر پوری مثنوی میں کہیں بھی حدود شریعت سے متجاوز نہیں ہوا۔

احوال روز قیامت کی شرح حشر وحشت افزا کا نقشہ اس میں نفسی نفسی کا عالم اور انبیاء، اتقیاء و صلحاء کی کیفیات اکمل طرح بیان کی گئی ہیں کہ اس میں عشق رسول سے سرشار شاعر کے قلبی کوائف و تاثرات کے خدوخال واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

سن اک رند بیباک کی گفتگو — جو کہتا تھا ساقی سے لے ماہرو
بدور اخیر ایک لبریز جام — کہ ہے مرگ انبوہ کا جشن عام
اجالے میں پیدا اندھیرا ہوا — شب آرزو کا سویرا ہوا
اذان سحر صور... ایسی دی — کہ اللہ اکبر چھری چل گئی

زمانے کی قوت زمین کی سکت ہوئی پائمالِ اذاز لزلت
نہ باقی رہا غیر حق بہر نام ہوا قصر ایجاد ہو کا مقام

ہوا پھر تقاضائے شانِ شہود کہ ملک عدم سے پھر آئے وجود
مکرر ہوئی نغمہ سنج طیور بنستانِ قدرت کی نے یعنی صور
بیابان وحشت میں فقر و غنا بندھے ایک رسی سے شاہ و گدا
نہ بیٹے کو مطلق خیر باپ کی یہ پیدا ہوئی فکر آپ آپ کی
یہ بے التفتی ہے خدا کی پناہ کہ کعبہ بھی قبلے کی بھولا ہے راہ

اس وحشت و دہشت اور خوف و ہراس کے عالم میں سب کو خیال آتا ہے کہ ــــــ

چلیں سوئے شاہانِ عالی جناب پر و بال ذروں کا ہے آفتاب
سفارش کے ان سے طلبگار ہوں جو وہ کشتی کھینچیں تو ہم پار ہوں

اس طور پر سبھی "طلب دعائے خیر نفوس قدسیہ" کے لئے چل دیتے ہیں اور سب سے پہلے ابو البشر حضرت آدمؑ کے پاس پہونچ کر شفاعت کے طالب ہوتے ہیں۔ مگر ابو الانبیاء کا جواب سماعت فرمائیں۔

یہ فرمایا میری بھلا کیا مجال خدا کا غضب ہے خدا کا جلال
مجھے یاد آتی ہے اپنی خطا کہ بھولا تھا میں "نہی لا تقربا"
مجھے سخت ہے اضطرار و ہراس مگر تم کرو نوح سے التماس

لیکن حضرت نوح کا جواب بھی مایوس کن رہا۔

وہاں سے ملا صاف سیدھا جواب کہ شرمندگی سے ہوں میں آب آب
جو کی میں نے وقت نزول قضا پسر کی شفاعت خلاف رضا
تمھیں چاہیئے جا کے پیش خلیل کرو خواہش رحم ربِّ جلیل

حضرت ابراہیم نے بھی اپنے عجز کا اعتراف اس طور پر کر دیا۔

وہ بولے کہ ہیبت جہاں آفریں نہیں مجھ کو کہنے کی طاقت نہیں
کئی باتیں مانند "انی سقیم" غلط کہہ کے میرا ہوا دل دو نیم
اسی سے ہے ہر دم مرا حال غیر ملو جا کے موسیٰ سے یا شہ بخیر

منتشر الحال انسانوں کا یہ گروہ حضرت موسیٰ کے پاس پہونچتا ہے لیکن وہاں سے بھی یاس و حرمان کا حصول ہوتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ واضح لفظوں میں فرماتے ہیں:

مری طبع کو ہے بڑا انتشار مرا قلب ہے لالہ سان و اعذار
مگر تم اٹھاؤ نہ حرماں کا غم تمھارے لئے بس ہے عیسیٰ کا دم

حضرت عیسیٰ کی شخصیت مسیحا کے نام سے پہچانی جاتی ہے چنانچہ انھوں نے تمام مشکلات کی صحیح تشخیص کر کے خستہ و پریشان حال بندوں کی مسیحائی کرتے ہوئے صحیح شخصیت کی طرف رہنمائی کر دی۔ حضرت عیسیٰؑ نے

سمجھ کر کہ مشکل ہے یہ ماجرا مسیحا ہوئے اس طرح رہنما
کہ لو دامنِ شاہ اقلیم دیں مخاطب یہ پاتا فخ المذنبیں
کلید در در گہ کبریا حبیب خدا اشرف انبیاء
محمدؐ کہ شان خدا شان او بجیم و عناں زیر فرمان او

اس طرح از آدمؑ تا عیسیٰؑ سبھی انبیاء و مرسلین نے اپنے کو شفاعت کا اہل نہ سمجھا کیونکہ شفاعت عظمیٰ کا شرف صرف نبی آخر الزماں کو حاصل ہے۔ شاعر نے اس موقع پر نعت کے کئی جاندار اشعار کہے ہیں یہ ابیات اس لئے بھی وقیع و اہم ہیں، کیونکہ شاعر نے ان کے مابین آداب نعت رقم کئے ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند ابیات ملاحظہ ہوں۔

سنبھل کر ذرا خامۂ تیز دم ادب سے ٹھہرتا ہوا ہر قدم
سر شکر سے سیکڑوں کر سجود ہر اک سجدہ میں پڑھ ہزاروں درود
مقابل میں رکھ لوح محفوظ کو نہ آوے بھی مصحف سے گر ہو تو ہو
یہ ہو معنی تازہ میں رنگ و بو کہ جو صرف نکلے وہ ہو باوضو

ہر اک صفحہ پر نہ ورق ہوں نثار وہ لکھ نعت محبوب آمرزگار
رضا اس کی عین رضائے خدا شفاعت ہے شرط اور غفران جزا
یہ برج رفعت سپہر شرف گل ہفت گلشن ورنہ صدف
شہنشہ کہ تاج سر سروری پیمبر کہ اعجاز پیغمبری
کریم و کرم گستر و کارساز خدا در حقیقت بقول مجاز

پریشان حال بندوں نے جب اس عظیم شخصیت کے پاس جاکر شرف حاضری حاصل کیا تو اس سیجائے روزگار نے تسلی بخش تشفی دی محسن کی موثر اور دلاویز تصویر ملاحظہ ہو۔

یہ سب تیرے پاس آئے ہیں اسلئے کہ بندوں کو رکھ لے خدا کے لئے
بفرمود آں سید انبیاء کہ کار منت ایں دانی لہا
مجھے ہر بشر کا تھا خود انتظار میں تھا نا امیدوں کا امیدوار
رکھے گا مرا رب مری آبرو فمن رحمۃ اللہ لا تقنطوا
دعا ایسی کی بعد حمد و ثنا کہ الحمد آمین کہنے لگا
یہ فرماں ہوا سر اٹھا تو سہی جو ہو تجھ کو منظور ہوگا وہی

اور شفیع المذنبین کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ

ہوا جلوہ فرما بعز و جلال مثال آفریں قادر بے مثال
نہ لایا خدا کی تجلی کی تاب ہوا سکتے میں مطلع آفتاب
چھپی اس کی سایہ میں دھوپ آج کی نہ تھا جس کی قامت میں سایہ کبھی

شاعر نے "خزانہ رحمت" اور "شفاعت مکرر" کے ذیلی ابیات میں ارحم الراحمین کی رحمت اور شافع المذنبین کی مقبول شفاعت کے کوائف و احوال بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ رسول پاک کی شفاعت سے خدائے غفور الرحیم نے سبھوں کے گناہ معاف فرما دیئے۔ اور ہر ایک فرد کو

رہ سرمایۂ کبریائی ملی ہر اک بندہ کو ایک خدائی ملی

خودی سے جو از خود جدا ہو گئے خدا سے ملے کیا خدا ہو گئے
کھلا دیکھ کر ہم کو حال مآل کہ تھا حشر سودائے شوق وصال

محسن نے "چشم داشت دعائے مقبول" پر مثنوی کو ختم کر دیا ہے۔ شاعر کی یہ دعا بہت موثر اور دلاویز ہے محسن نے اس دعا میں تجلیات الٰہی کے فیضان عام کا ذکر کیا ہے۔ اور اسلام و بانی اسلام کی کامرانیوں کی طرف بھی بلیغ اشارے کئے ہیں۔

زمانے کا عالم ہرا دوسرا بفضل خدا و حبیب خدا
خوشی میں بھرے مومن و مومنات احاطے میں رضواں کے اتری بارات
بجی فوجیں خلد میں بار ہا کہ اسلام کے سر بھی سہرا رہا
دعائیں جو کی تھیں ہوئیں اب قبول مراد ایک ہے اور ہزاروں حصول
خدا کی تجلی کا آنکھوں میں نور ہر اک نوک مژگاں پہ اک شمع طور
دلوں میں محبت کے راز و نیاز زباں پر یہ آہنگ شوخ مجاز

محسن نے "سراپائے رسول اکرم" کے نام سے "چہار ہتر" بند کا ایک مسدس لکھا ہے اس مسدس کا تاریخی نام "حلیہ شریف نسل آدم صلی اللہ علیہ وسلم" ہے۔ مسدس نے مذہبی شاعری میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ مرثیوں کا تمام ذخیرہ مسدس کی شکل میں ہے۔ مولانا حالی نے مسلمانوں کے ارتقاء ادبار کی تاریخ اور ان کے پر امید مستقبل کا تفصیلی خاکہ مسدس کی شکل میں پیش کیا تھا جو مسدس مدوجزر اسلام کے نام سے مشہور ہے۔ حالی کی مسدس کے علاوہ اور کئی مذہبی مسدس کتب تواریخ و تذکرات میں موجود ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ مذہبی شاعری کے ضمن میں مثنویات اور قصائد کا تذکرہ تو ملتا ہے، لیکن مسدس کا سرمایہ درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے اپنی کتاب "مذہب اور شاعری" میں رباعی، قطعہ اور مخمس پر مذہب کے اثرات تلاش کئے لیکن انھوں نے مسدس کو یکسر فراموش کر دیا۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے مذہبی شاعری کے باب میں حالی کی "مسدس" اور محسن کی "سراپا" سے اقتباسات نقل کئے ہیں۔

محسن کا نعتیہ مسدس اردو نعت ہی نہیں بلکہ اردو شاعری کی تاریخ میں بھی کافی اہم ہے۔ اس مسدس سے محسن کے فنی کمالات، وسیع مذہبی معلومات، بانیٔ اسلام سے ان کی پرخلوص محبت اور پاس ادب کا مکمل اندازہ ہو جاتا ہے۔ پہلے بند میں شاعر کے دفور عشق، مخلص محبت اور ذات نبوی کے لئے اس کے احترام کو ملاحظہ فرمائیں۔

للہ الحمد شب غم نے اٹھایا بستر — مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر
مژدہ اے دل کہ ہوا نور خدا پیش نظر — بارک اللہ طبیعت کا ہے رنگ دگر
گر نہ ہو پاس ادب تو مجھے کچھ دعویٰ ہے
سجدہ کرتے ہیں ملائک مرا وہ رتبہ ہے[1]

محسن نے مسدس معرض بحث کے کئی بندوں میں سراپا نگاری کے فن میں اپنی سبکدستی کے ثبوت بہم پہونچائے ہیں۔ صنائع و بدائع اور تلمیحات و تشبیہات ایضاح مطالب میں قاری و سامع کی بھرپور مدد کرتی ہیں۔ ایک مقام پر انھوں نے بہت شگفتہ انداز میں منبع نعت کو انبیائے عظام کی شرح مفصل کا متن مجمل بتلایا ہے۔ چند بند ہدیہ ناظرین ہیں:

کہوں نہ سو جان سے ہو گلزار بہار معنی — محو رنگینیٔ تصویر سراپائے نبی
یہ وہ صورت ہے کہ دیکھی نہ سنی ایسی کبھی — تھی یہی شکل مقدس کہ ازل میں جو کھچی
ناز سے خامۂ قدرت نے کہا واہ رے میں
بول اٹھا عارض پرنور کہ اللہ رے میں

کیسی تصویر کہ ہے صبح بہار امکاں — کیسی تصویر کہ ہے آئینہ پرداز جہاں
کیسی تصویر کہ ہے لوح و قلم نورافشاں — کیسی تصویر کہ ہے کلک مصور نازاں

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن مرتبہ محمد نور الحسن۔ شائع کردہ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء پہلا فوٹو آفسٹ ایڈیشن صفحہ ۳۵

کیسی تصویر کہ سب صل علیٰ کہتے ہیں
کیسی تصویر کہ سب جل علیٰ کہتے ہیں

کیسی تصویر جسے کھینچ کے نقاش ازل — خود لگا کہنے کہ ہر وصف میں ہے تو افضل
تیری صورت سے کھلے معنی ما قل و دل — انبیا شرح مفصل ہیں تو متن مجمل
تو ہے خورشید تیرے سامنے انجم ہیں نبی
تو ہے شمسیہ تصور میں تو سب ہیں قطبی

تو ہے داؤد و نعم تو ہے سلیمان خاتم — فکر یحییٰ ہے تو ذکر زکریا ہر دم
خلعت خاص خلیل و برکات آدم — شکر یعقوبی و صبر دل ایوب بہم
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

پردہ کعبہ ہے گیسوئے حبیب یزداں — اور محراب حرم کا ہے اس ابرو پہ گماں
اس میں پاکیزہ مصلا ہے نگہ کا داماں — مردم چشم ہے بیٹھا ہوا اک ناظرہ خواں
زیر رخسار مبارک وہ خط دلکش لطیف
رحل ہے جس پہ کھلا رکھا ہے قرآن شریف

محسن نے تقریباً ہر نعت میں خواہ وہ مثنوی ہو یا قصیدہ سرکار دو عالم صلعم کی حلیہ مبارکہ پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے لیکن اس سراپا کی عظمت و جلالت اور اسکی دلاویزی کا احساس خود محسن کو بھی تھا۔ چنانچہ وہ سراپائے معرض بحث کے آخری بند میں کہتے ہیں۔

ہے یہ امید کہ جب گرم ہو بازار نشور — یوں کہے بادشہ بارگہ عالم نور
تو سراپا ہمیں تم دو عوض حور و قصور — میں کہوں واہ مجھے یہ نہیں ہرگز منظور
مفت حاضر ہے مگر اس کی یہ تدبیر نہیں
کھوٹے داموں بکے یوسف کی یہ تصویر نہیں[1]

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن ۔ صفحہ ۴۷

محسن کے اس سراپا کو بارگاہ نبوی میں شرف قبول حاصل ہوا۔ مولوی عبدالحق کانپوری کا وہ خط جو انھوں نے مولوی محسن کو لکھا تھا۔ سراپا مع رض بحث کے شرف قبولیت کو واضح کرتا ہے۔ خط ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ جب (میں) مدینہ طیبہ میں اور اقدس پر حاضر تھا۔ اس زمانے میں میرے دوست مولوی محمد مظفر الدین صاحب حیدرآبادی نے اپنا خواب (مجھ سے) بیان کیا جس کو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ ایک شب مجلس با برکت حضرت سرور کائنات صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم) میں باریابی ہوئی تو دیکھا شہیدی اپنا قصیدہ سنا رہے ہیں۔ اس پر جناب سرور کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا کہ محسن کا سراپا سناؤ وہ بہت اچھا ہے اور وہ ہمارے یہاں مقبول ہے۔"[1]

عبدالحق ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ

محسن نے نعتیہ رباعیاں بھی لکھی ہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک رباعی درج ذیل ہے۔

مولا کی نوازش نہاں کھلتی ہے — عزت میری بیش قدسیاں کھلتی ہے
کہدو کہ ملک گوش برآواز رہیں — مداح پیمبر کی زباں کھلتی ہے[2]

محسن کے نعتیہ کلام میں تغزل، ترنم، حسن معانی و بیان اور حسین و لطیف تشبیہات و استعارات کا استعمال قابل توجہ ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں لطافت اور تغزل کی جو چاشنی ملتی ہے وہ بیک وقت نعت اور غزل دونوں کا لطف دیتی

---

[1] ۔ محسن کاکوی مفرد نعت گو: ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی فروغ اردو لکھنؤ محسن نمبر ۱۹۷۰ء بماہ جون، اپریل، مئی صفحہ ۲۶-۲۷ و کلیات نعت محسن صفحہ ۳۱ بریکٹ (قوسین) کے اندراج کے الفاظ کلیات نعت محسن میں نہیں ہیں اور افتتاحی جملہ یوں ہے "میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں کہ ۔۔۔" راقم

[2] ۔ کلیات نعت محسن صفحہ ۱۹۰

ہے۔ لیکن ان کی نعتیہ غزلوں میں غزل کا رنگ و آہنگ اور حسن نکھار امتیازی شان رکھتا ہے۔ محسن کا محبوب روایتی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ اس لئے ان کی محبت بھی مجازی نہیں، حقیقی ہے۔ ان کے روحانی عشق نے ان کی شاعری کو مقدس، طاہر و لطیف بنا دیا ہے۔ ان کا احساس غم حیات و کردار میں نکھار لاتا اور سیرت کو بلند کرتا ہے۔ کیونکہ ان کا محبوب کائنات بلکہ خالق کائنات کا محبوب ہے۔ محسن کے یہاں شراب و شباب، مئے (مینچہ) ساقی و صراحی، لب و رخسار، ناز و انداز اور غم جاناں و غم دوراں کا تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن ہر جگہ روحانیت، مادیت و حقیقت کے ساتھ مدغم ملتی ہے۔ ان کی وہ غزلیں جن کے مطالع درج ذیل ہیں نعتیہ غزلوں کے سرمایہ میں امتیازی شان رکھتی ہیں۔

(۱)

کھلے تھے لب نہ ابھی نالہ و فغاں کے لئے — کہ مانگی خیر فرشتوں نے آسماں کے لئے[1]

---

(۲)

حالت نہ پوچھو مری شیب و شباب کی — دو کروٹیں تھیں عالم غفلت کے خواب کی

شاعر نے ان دو غزلوں کو حسب ذیل مطلعوں کے سہارے دو غزلہ بنایا ہے۔

سخن کو رتبہ ملا ہے مری زباں کے لئے — زباں ملی ہے مجھے نعت کے بیان کے لئے
اٹھتی ہے لامکاں سے جو چلمن حجاب کی — آمد ہے کس پیمبر عالی جناب کی

شاعر نے "کے لئے" کی ردیف میں چوالیس[44] اشعار اور "خواب" "شراب" وغیرہ قوافی کے ساتھ "کی" ردیف میں اکتالیس[41] اشعار کہہ کر اپنے شاعرانہ

---

[1] ۔ کلیات نعت محسن ۔ صفحات ۲۰۲ و ۲۰۴

[2] ۔ کلیات نعت محسن ۔ صفحات ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶

تبحّر کے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔[1] محبت کی صداقت اور جذبہ کی نظافت کے ساتھ جدّت ادا، مضمون آفرینی، تشبیہات و استعارات کی ندرت اور تلمیحات کی شگفتگی ان کی نعتیہ غزلوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فلک سے گذری گئی سیرِ لامکاں کے لئے
اب آگے دوڑ ہے آہ رسا کہاں کے لئے

شبِ فراق نہو روزِ انتظار نہ ہو
تو ہم بھی فکر کریں عمرِ جاوداں کے لئے

قفس میں بیٹھے یہ سوجھی کہ آتشِ دل سے
چلو کوئی چمنکاری آشیاں کے لئے

قضا نے کس لئے فرہاد و قیس کو چھیڑا
مجھی کو پہلے بلانا تھا امتحاں کے لئے

بگولے نجد کے میداں سے دوڑ کر پہونچے
ترے شہید کے مرقد کے سائباں کے لئے

سخن کی جاں زباں ہے وہ کیوں نہ لپکائے
زباں کے لئے اور پھر مری زباں کے لئے

چمک گئی تری یادوں سے منزلِ توحید
یہ چار اِکّے بنائے ہیں لامکاں کے لئے

احد کے پہلو میں کیا کہہ رہا ہے نقطۂ میم
بلاؤ قدسیوں کو حلِ چیستاں کے لئے

سوائے آئینۂ جلوۂ شہِ لولاک
نہ تھا محل کوئی تصویرِ کن فکاں کے لئے

نہ تھا بجز قدِ بالائے سرورِ عالم
جو کوئی تیر تھا قوسین کی کماں کے لئے

کریگا کیا تری توصیف کلکِ منشیِ چرخ
زباں چاہیئے منھ چاہیئے بیاں کے لئے

خدا کے سامنے محسن پڑھونگا وصفِ نبی
سجے ہیں جھاڑ یہ باتوں کے لامکاں کے لئے

---

[1] ۔ حدیقۂ خاتم النبیین، مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ۔ فروری ۱۹۰۴ء میں پہلی غزل میں ۴۴۔ اور دوسری غزل میں ۱۴۱ اشعار مندرج ہیں۔ کلیاتِ نعتِ محسن میں ہر دو غزل میں ۳۷ ۔ ۳۷ اشعار مرقوم ہیں۔
۔ راقم ۔

میدانِ حشر میں پئے رندانِ تشنہ کام
پیرِ مغاں سبیل لگا دے شراب کی

نازل ہوئی فلک سے بلا میرے واسطے
ہر موج کو تلاش تھی میرے حباب کی

مضمونِ نعت میں پڑھو محسن کوئی غزل
کیوں گل زمیں بشر کی مٹی خراب کی

روٹھتی ہے لامکاں سے جو چلمن حجاب کی
آمد ہے کس پیمبرِ عالیجناب کی

یا ایھا النبی علیک و علیک السلام
سرخی کتابِ دیں میں ہے ہر ایک باب کی

ارواحِ انبیاء کو وہ نسبت ہے تیرے ساتھ
جو نسبتِ آفتاب سے ہے ماہتاب کی

وہ آنکھ پھوٹے جس کو دکھائی نہ دے غدا
جب یاد آئی سرورِ عالی جناب کی

محسن کی التجا ہے فنا فی الرّسول ہو
اے بحرِ فیض لے خبر اپنے حباب کی

محسن خان العند کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اردو شاعری میں نعت کی اہمیت و دلنشیں کرادی۔ موصوف نے منتخب تراکیب، اچھوتے اسالیب، دقیق معانی، متنوع و مفید تلمیحات، شیریں زبانی، ملیح سادگی، محبت کے میٹھے انداز، پیار کے لطیف پہلو، صداقت کے وفور، حقائق کی فراوانی، مجاز کی جھلک، تشبیہات و استعارات کی رنگینی، ادب و لحاظ کے لہجے، رتبہ شناسی کے ڈھنگ، مقبول صنائع بدیعہ و متین تصریحات، واضح و سلیس توضیحات، پُرشکوہ تعبیروں اور شگفتہ بندشوں کے ذریعہ اپنے نعتیہ کلام کو مزین کیا۔ انھوں نے نعتوں میں بھی شاعرانہ لوازم سلیقگی کے ساتھ برتے ہیں۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے درست لکھا ہے کہ:

"محسن کا کلام بھی شاعرانہ صناعی کا نادر نمونہ ہے تشبیہات، استعارات اور کنائے، مضمون اور معنی آفرینی ایک طرح پر صنعت گری ہی کے لوازم ہیں اور اس اعتبار سے انھیں آورد اور تصنع سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ محسن کا کلام شاعرانہ ہے کہ ان کی آورد بھی کلام میں زور لاکر آمد کا لطف پیدا کر دیتی ہے، تشبیہات، استعارات اور کنائے آسانی سے فہم کے قابو میں آجاتے ہیں۔ مضمون آفرینی میں تخیل پرواز کرکے آسمانوں میں غائب نہیں ہو جاتا۔ صنعت گری کی نمائش اور بھرمار کا شوق پڑھنے والے کے لئے وبال جان نہیں بن جاتا اور مضمون سے علاحدہ ہو کر محض صنعت برائے صنعت کا عیب بھی نہیں ملتا یہ چیز بھی محسن کو ان کے معاصرین میں ممتاز کرتی ہے۔۔۔۔۔ زبان کی صفائی، بندش کی چستی، محاورہ اور طرز ادا کا زور لکھنؤ کے شعراء کے ہاں عام طور پر موجود ہے محسن بھی اس میں برابر کے شریک ہیں[1]"

---

[1] ۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صفحہ ۴۳۶-۴۳۷

منیر شکوہ آبادی

منیر شکوہ آبادی کا نام سید محمد اسمٰعیل حسین ہے۔ آپ کا وطن مالوف شکوہ آباد ضلع مین پوری تھا۔ آپ دبیر کے شاگرد تھے اور استاد کے تخلص کی صوتی مناسبت سے آپ نے اپنا تخلص منیر اختیار کیا تھا[1]۔ آپ ۹ ذی الحجہ ۱۲۲۹ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۸۱۴ء میں متولد ہوئے آپ کے جدّ اعلیٰ سید بہاء الدین جو اپنے دور کے ممتاز بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں ہندوستان میں وارد ہوئے۔ اور یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ منشی منیر کے پردادا سید شرف الدین علی خاں کو بعہد محمد شاہی شکوہ آباد و فیروز آباد کی صوبہ داری عطا ہوئی تھی[2] اسی طور پر یہ خاندان شکوہ آباد میں قیام پذیر ہو گیا۔ آپ (منشی منیر) کے والد احمد حسین نقوی سید تھے اور ان کی گنتی مرزا محمد رفیع سودا کے ممتاز شاگردوں میں ہوتی تھی۔ وہ شاعر کے علاوہ نثر نگار اور داستان گو کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ منیر نے مروجہ طریقہ کے مطابق عربی و فارسی

---

[1] ۔ منیر شکوہ آبادی سوانح حیات و کلام پر تبصرہ: ڈاکٹر زہرہ بیگم یاسمین صفحہ ۱۸ نسیم بکڈپو بار اول ۱۹۷۰ء

[2] ۔ غدر کے چند علماء: استظام اللہ شہابی صفحہ ۹۶

کی تعلیم حاصل کی اور دینیات کی تعلیم اپنے بھائی اولاد حسین سے اخذ کی۔ انکو مذہبیات سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔ ان کی مثنوی معراج العاشقین اس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں کے مقطعوں میں مولیٰ علی اور تاجدار مدینہ سے اپنے قلبی شغف کا اظہار کیا ہے۔ ایک مقطع ملاحظہ ہو:

پہنچا دے ہند سے بھی مدینہ میں اے منیر — یہ بات ہے عنایت خلاق سے دور کیا

پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اور شاعری کا شوق عنفوان شباب میں پیدا ہو گیا تھا۔ منیر بہت ذہین و طبّاع تھے۔ وہ حقائق کی تلاش اور ہر چیز کے اسباب و علل کو سمجھنے کی غیر معمولی لیاقت رکھتے تھے۔ ان کو اردو کے علاوہ فارسی زبان پر بھی غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ کے دوران منیر بانده میں تھے۔ اور انھوں نے نواب بانده کو جنگ آزادی میں عملی حصہ لینے کا مشورہ دیا تھا۔ جنگ آزادی کے جرم میں واضح ثبوت دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے منیر انگریزوں کی سزا سے وقتی طور پر بچ گئے۔ لیکن ان کی طرف سے انگریزوں کا دل صاف نہ تھا۔ غدر کے بعد فرخ آباد میں منیر کے قیام کے دوران ایک طوائف مسماۃ نواب جان کا ۱۲۶۷ھ میں قتل ہو گیا اور اس میں منیر بھی مجرم قرار دیئے گئے۔[1] اور بالآخر کالے پانی بھیج دیئے گئے۔ نواب یوسف علی خاں کی کوششوں سے کالے پانی سے رہائی حاصل کی اور زندگی کے دن بھلے برے کاٹ کر ہیضہ کی وبا میں ۴ رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ مطابق ۹ اگست ۱۸۸۰ء میں رام پور میں وفات پائی۔

منیر نے مثنوی کی ہیئت میں اچھے نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ منیر نے اپنی نعتوں میں واقعہ نگاری اور جذبات نگاری میں اپنے ید طولیٰ کے ثبوت دیئے ہیں۔ انھوں نے جس بات کا ذکر کیا ہے اس کامیابی کے ساتھ کیا ہے کہ گزری باتیں آنکھوں کے

---

[1] ۔ مضمون منیر شکوہ آبادی۔ بشن نرائن عامی صفحہ ۶
آجکل دہلی ۱۷ ستمبر ۱۹۴۹ء

سامنے وقوع پذیر ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ انھوں نے سیدھی سادی زبان میں موقع و محل کا لحاظ رکھتے ہوئے واقعات بیان کئے ہیں۔ مثال کے طور پر واقعۂ معراج سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

پھر آئی جانب سدرہ سواری — وہاں سے بھی بڑھا وہ نور باری
نہ کی جبریل نے بھی پھر رفاقت — یہیں ٹھہرا وہ پیک رب عزت
براق تیز پر نے بھی لیا دم — ہوا رف رف سواری سے مکرم
بڑھے جس وقت ما سوا سے — مشرف ہو گئے قرب خدا سے
وہاں پہونچا جہاں نے لامکاں سیر — کہ اپنی ذات بھی پائی جہاں غیر
عمل و جاں تھے عارف جہاں سے — زمان و وقت ناواقف جہاں سے
حضوری سے سعادت یاب ہو کر — زلال فیض سے سیراب ہو کر
بنی رخصت ہوئے عرش علا سے — چلے گھر کی طرف حکم خدا سے

انھوں نے اپنی مشہور مثنوی معراج المرضا میں میں بزرگان دین کے کشف کرامات کے ساتھ رسول اللہ صلعم کے معجزات بھی درج کئے ہیں۔

منیر نے قصیدے کی ہیئت میں بھی نعتیہ کاوشات پیش کی ہیں۔ ان کی کلیات میں ۲۸ قصیدے ہیں۔ جن میں نعتیہ و منقبتیہ قصائد بھی شامل ہیں۔ انھوں نے تشبیب میں بہاریہ اور دیگر مضامین سودا کی طرح نظم کئے ہیں۔ جن میں علمی اصطلاحات و نکات، تلمیحات، تخیل، مبالغہ، متانت، سنجیدگی اور زور بیان قابل دید ہے۔ ایک نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں علم موسیقی اور نجوم کی مصطلحات ملاحظہ ہوں۔

ملا ہے عہدۂ خورشید شاید سعد ذابح کو — کہ لاکھوں ہر سحر تلوار سے ہوتے ہیں قربانی
سحر کی بھیرویں کو شام گلیاں اس جگہ سنجو — کدارا چاندی میں ہے اندھیری رات کا پانی

منیر نے ایک دوسرے نعتیہ قصیدے میں گزری ہوئی رات کا تذکرہ کر کے موت و ہستی کا مناظرہ نظم کیا ہے۔ مناظرہ سے قبل ہجوم بلا کا بیان ملاحظہ ہو۔

شب گذشتہ ہجوم بلا سے تھا دو چار — نصیب سوتے تھے جتنے ہزاروں تھے بیدار

مکان گور کہن فرش خاک بالش سنگ — کھڑے تھے جاگنے کے واسطے در و دیوار
نہ لکھ سکے جو اندھیرے میں میری کیفیت — فرشتے کاندھوں سے بھر لے کر اڑ گئے ناچار
نمود کاہکشاں اس طرح تھی گردوں پر — کہ جیسے سنگ سیاہ پر تھی چیونٹیوں کی قطار

اس خوفناک پس منظر میں زیست و موت کی کہانی ہوتی ہے۔ ہستی کے جواب میں موت کی تقریر کا ایک ٹکڑا قابل سماعت ہے جس میں شاعر نے حیات پر ممات کی برتری کی تاویلیں پیش کی ہیں۔

کہا یہ مرگ نے بس بس خموش رہ ہستی — کچھ اس میں راست ہے کچھ لاف ہے تری تقریر
وہ میں ہوں جس سے لرزتے ہیں کشتانِ جہاں — وہ میں ہوں جس سے ہیں عاجز ستم گر و اشرار
خدا نے حکم دیا قبل ان تمو تو اکا — جہاں میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار

میر کی نعتیہ شاعری میں ایک خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے کبھی تمہید میں اور کبھی مدح کے بعد اپنے نجی حالات اور اپنی ذاتی مشکلات و مصائب کو صداقت کے ساتھ موثر انداز بیان میں نظم کیا ہے ان کی کاوشات کے یہ حصے عمری احوال و کوائف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جیسا کہ ماقبل میں میر کی مجمل سوانح حیات کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔ کہ ان پر ایک طوائف کی سازش میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اور انھیں بطور سزا کالے پانی بھیج دیا گیا تھا۔ ان کا نعتیہ قصیدہ معنون بہ "فریاد زندانی" اسی سخت قید و محن کی یادگار دستاویز ہے۔ شاعر نے اس نعتیہ کاوش کی تمہید میں اس عہد کے حالات، اپنے احساسات و جذبات اور اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

پھنسا ہے موزیوں کے قبضہ میں حسن جہاں آرا — قمر در عقرب الا روز دں ہوا ہے ماہ کنعانی
چنے کھلنے کو ترسیں صاحبانِ گوہر عالی — صدف کو دے نوالہ موتیوں کا ابر نیسانی
امیروں سے بلائے عذر بھیجی ان غریبوں تک — کہ بے قدری و ضعف حال میں جنکا نہیں ثانی
سزا جو ظالموں کو دی وہ حق تھی چشم مارو شن — مگر ہم سے غریبوں کی عبث کی خانہ ویرانی

ہوا ہتھیار چھن جانے کی عالم میں چلی جب سے — چلیں گھر چھوڑ کر جنگل کو گھبراتی الیمانی

میر نے اس تشبیب میں جزیرۂ انڈمن کی پریشانیوں کا تذکرہ بہت دلاویز پیرائے میں کیا ہے۔

نکل کر ہند سے آکا ہوا جب اس جزیرے میں — اسیروں کی سیہ بختی سے کالا ہو گیا پانی
اگر اشیا و میسر ہیں تو خود محتاج ہیں قیدی — بڑی قسمت جو روٹی دال مل جائے بہ آسانی
اگرچہ گندمی رنگوں کو پیدا اس جزیرے نے — نہ پائی ایک دن بھی آرد گندم کی ارزانی
کرو آرہ کشی یا مٹی کھودو چکیاں پیسو — اگر ہو جاں بلب منھ میں نہ ٹپکائے کوئی پانی

میر نے اس قصیدے میں مختلف موسموں کی تصویر کشی بہت خوبصورتی کے ساتھ کی ہے۔ بزرگان دین کی شان میں کہے گئے قصیدوں میں احادیث نبویہ کی طرف راجع اشاروں اور تلمیحات کے ضمن میں روح نعت جاری و ساری ہے۔ ان کے نعتیہ قصیدوں میں روایتی مضامین کے علاوہ تاریخی و معاشرتی حالات کے نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں۔

ہوا ہتھیار چھن جانے کی عالم میں چلی جب سے چلیں گھر چھوڑ کر جنگل کو گھراتی الیمانی

میرؔ نے اس تشبیب میں جزیرۂ انڈمن کی پریشانیوں کا تذکرہ بہت دلاویز پیرائے میں کیا ہے۔

نکل کر عہد سے آکا ہوا جب اس جزیرے میں — اسیروں کی سیہ بختی سے کالا ہو گیا پانی
اگر اشیاء میسر ہیں تو خود محتاج ہیں قیدی — بڑی قسمت جو روٹی دال مل جائے بہ آسانی
اگرچہ گندمی رنگوں کو پیدا اس جزیرے نے — نہ پائی ایک دن بھی آرد گندم کی ارزانی
کرو آرہ کشی یا مٹی کھودو چکیاں پیسو — اگر ہو جاں بلب منھ میں نہ پہنچائے کوئی پانی

میرؔ نے اس قصیدے میں مختلف موسموں کی تصویر کشی بہت خوبصورتی کے ساتھ کی ہے۔ بزرگان دین کی شان میں کہے گئے قصیدوں میں احادیث نبویہ کی طرف راجح اشاروں اور تلمیحات کے ضمن میں روح نعت جاری و ساری ہے۔ ان کے نعتیہ قصیدوں میں روایتی مضامین کے علاوہ تاریخی و معاشرتی حالات کے نقوش دیکھنے کو ملتے ہیں۔

طالبِ دعا: ابوالمیزاب محمد اویس